خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ



ملاقات

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے



نومبر 2011ء

جلد نمبر 16 شمارہ نمبر 11

قیمت 50 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

500 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔

مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

صالحہ محمود

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
کہ پھر تیرا وقتِ سفر یاد آیا

کھنکتے ہوئے لمحوں کی کہانی زندگی ہے' زندگی کے ادوار مختلف ہوتے ہیں۔ خوشی اور غم دونوں کے امکانات ہوتے ہیں۔ پیمانہ زندگی جو ہے انہی دولفظوں سے چھلک رہا ہے۔ نومبر آن پہنچا ہے بہت ساری ہمیں خوشیاں بھی دیں اس نے' ہم پھولوں کی آبیاری سے ہمکنار ہوئے' وہیں کہیں ہم بنجر دھوپ میں بے سایہ شجر میں ہر انسان کی کہانی ہے' کہانی کوئی بھی ہو اختتام سب کا ایک ہے سو چلو ہم بھول جاتے ہیں اس وقت کو جو گزر گیا' بس اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں باہوش وحواس زندہ رکھا۔ ہم نے صبر کی تلقین سنی اور اپنی پیاس محسوس کی' صبر واستقامت جب دامن گیر ہوا تو حوصلہ زندگی بڑھا پھر وہی زندگی کے ادوار پلٹ آئے اور پلک جھپکتے ذی الحج کا مہینہ پلٹ آیا' وہی پیاس اور استقامت کی کہانی' صبر کی مثال' حضرت اسماعیلؑ کی فرمانبرداری اور ایک باپ کا عزم واستقامت اللہ کی راہ میں اپنی قیمتی چیز قربان کردینے کا عزم' عزم ہی قربانی کا نام ہے' اس تقویٰ کا نام ہے جس کی نہ خون اور گوشت کی ضرورت ہے میرے رب کو۔ ایک ہم اور آپ بندہ بشر ٹھہرے۔ اپنے ایمان کو پرکھنے کا طریقہ آج یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ گوشت مستحقین کو دیا جائے جو صاحب حیثیت نہیں ہیں۔ اب چلتے ہیں اس سب باغباری کی طرف جہاں پتا پتا بوٹا بوٹا آپ کے ذوق کیلئے منتظر ہے۔ ردا کے رنگ ہر سو بکھر گئے ہیں یہ آپ کی محبتوں کی ایک مثال ہے اور ہمارے صبر کی لمبی داستان کہ اللہ نے ہماری اوقات سے زیادہ' ہمیں آپ کی محبتوں سے زندہ رہنے کا سلیقہ سکھا دیا' چاہنے والوں کے جھرمٹ میں زندگی کے دشوار راستوں پر چلنا آسان لگا ورنہ مشکلوں میں زندہ رہنا اور پھولوں کی آبیاری کرنا اتنا سہل نہیں تھا پھر بھی ردا کا سفر جاری رکھا میں نے۔ آپ کی محبتوں اور چاہتوں نے مجھے پرعزم بنا دیا۔ میں تمام سندیسے خود پڑھتی ہوں آپ کی محبتوں کی شدت کو محسوس کرتی ہوں اور آپ یقین جانئے کہ اداریہ لکھتے وقت بہت تروتازہ سی ہو جاتی ہوں جب ایک لائن میری محنت پر تبصرہ کرکے آپ بھیجتی ہیں واؤ...... کیا بتاؤں کہ ہواؤں میں اڑتی پھرتی ہوں کہ میرے نام سندیسہ آیا ہے پھر وہی عزم وسفر کی داستان کہ ردا سے جڑے رہئے۔ ردا آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔ ردا آپ کا اپنا ہے اس لئے سندیسہ بہت اہم ہے۔ عید کی ساعت آپ کو مبارک ہو' عید نمبر کیسا لگا اور نئے لکھنے والے بھی رابطہ رکھیں۔

(آپی)

صالحہ محمود

ایثار

حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جنگ یرموک میں میرے چچازاد بھائی زخمی ہو کر گرے تو تھوڑا سا پانی لے کر ان کو تلاش کرنے چلا تاکہ ان کو پلادوں' ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان کو پایا' ان کی آخری حالت دیکھی' میں نے اشارے سے دریافت کیا کہ "پانی پلاؤں؟" انہوں نے کہا "ہاں" میں پلانے ہی کو تھا کہ قریب سے آہ کی آواز آئی میرے بھائی نے اشارہ سے کہا کہ "پہلے انہیں پلاؤ" میں ادھر گیا تو دیکھا کہ ہشام بن العاص مجروح پڑے ہیں' میں نے چاہا کہ ان کو پانی پلاؤں' اتنے میں ایک اور طرف سے آہ کی آواز آئی' ہشام نے اشارے سے کہا کہ "پہلے انہیں پلاؤ" میں وہاں گیا تو وہ جاں بحق ہو چکے تھے لوٹ کر ہشام کے پاس آیا تو وہ بھی انتقال فرما چکے تھے پھر اپنے بھائی کے پاس آیا تو ان کی روح بھی پرواز کر چکی تھی۔ (صحیح مسلم)

عملی ہمدردی

زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف کا بڑا حصہ غریبوں اور حاجت مندوں کی امداد ہے' انسانیت کا یہ وہ طبقہ ہے جس کے ساتھ تمام مذہبوں نے ہمدردی کی ہے اور اس کی تسلی اور تسکین کے لئے دوسری دنیا کی توقع اور امید کے بڑے بڑے خوش آئند الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ غریبوں کی زندگی کی یہ تلخی محض اہل مذاہب کی شیریں کلامی سے دور نہیں ہو سکتی۔ محمد ﷺ دنیا کے پہلے اور وہی آخری پیغمبر ہیں' جنہوں نے اس طبقہ کے ساتھ اپنی عملی ہمدردی کا ثبوت دیا اور اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کو کرنے کے لئے نئی تدابیر جاری اور نافذ فرمائیں' خود اپنی زندگی غریبوں اور مسکینوں کی صورت سے بسر کی اور دعا فرمائی کہ "خداوند! مجھے مسکین زندہ رکھ' مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا انجام کر"۔

(صحیح مسلم)

قربانی کا وقت

جندب بن سفیانؓ سے روایت ہے کہ میں عید الاضحیٰ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا' آپؐ نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی اور نماز سے فارغ نہیں ہوئے تھے اور سلام نہیں کیا تھا کہ دیکھا قربانیوں کا گوشت اور ذبح ہو چکی تھیں' نماز سے فارغ ہونے کے اول ہی تو آپؐ نے فرمایا "جس شخص نے قربانی کاٹی اپنی نماز سے پہلے ہی یا ہماری نماز سے پہلے" (یہ شک ہے راوی کا) "وہ دوسری قربانی کرے (کیونکہ پہلے قربانی درست نہیں ہوئی) اور جس نے نہیں کاٹی وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کاٹے"۔ (صحیح مسلم)

قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا مستحب ہے

اور اسی طرح بسم اللہ واللہ اکبر کہنا

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی دو مینڈھوں کی جو سفید تھے یا سفید اور سیاہ سینگ دار آپؐ نے ذبح کئے ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے اور بسم اللہ کہی اور تکبیر کہی اور پاؤں رکھا ان کی گردن پر کاٹتے وقت تاکہ جانور اپنا سر نہ ہلا سکے اور تکلیف نہ پائے۔ (صحیح مسلم)

تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے ممانعت اور اس کے منسوخ ہونے کا بیان

ابوعبید سے روایت ہے کہ عید کی نماز میں میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھا انہوں نے نماز پہلے پڑھی اور خطبہ اس کے بعد کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے منع کیا' قربانی کا گوشت کھانے سے تین دن کے بعد۔ (صحیح مسلم)

قربانی کی عمر

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مت ذبح کرو قربانی میں مگر مسنہ (جو ایک برس کا ہو کر دوسرے میں لگا ہو) البتہ جب تم کو ایسا جانور نہ ملے تو دنبہ کو ذبح کرو (جو چھ مہینے کا ہو کر ساتویں میں لگا ہو)"۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو قربانی کی بکریاں بانٹیں تو میرے حصے میں ایک جذعہ (ایک برس کا بچہ) میں عرض کیا' یا رسول اللہ میرے حصے میں ایک جذعہ آیا' آپ ﷺ نے فرمایا اس کی قربانی کر۔ (صحیح مسلم)

قربانی تک بال اور ناخن نہ کترائے

ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب ذی الحجہ کا چاند نظر آجائے اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں میں سے کچھ نہ لے" (سفیان جو راوی ہیں اس حدیث کے ان سے کسی نے کہا بعض لوگ اس حدیث کو مرفوع نہیں کرتے انہوں نے کہا میں تو مرفوع یعنی مانتا ہوں)۔ (صحیح مسلم)

جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی تعظیم کے لئے کاٹے وہ ملعون ہے اور ذبیحہ حرام ہے

ابوالطفیل بن عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ میں حضرت علیؓ کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا رسول اللہ ﷺ آپ کو چھپا کر بتلاتے تھے یہ سن کر حضرت علیؓ غصہ ہوئے اور کہنے لگے آپؐ نے مجھے ایسی چیز نہیں بتلائی جو اور لوگوں سے چھپائی ہو مگر آپؐ نے مجھے فرمایا چار باتوں کو' وہ شخص بولا وہ کیا ہیں اے امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا "لعنت کرے اللہ اس پر جو لعنت کرے اپنے باپ پر اور لعنت کرے اللہ اس پر جو ذبح کرے سوا اللہ کے اور کسی کے لئے اور لعنت کرے اللہ اس پر جو جگہ دے کسی بدعتی کو اور لعنت کرے اللہ اس پر جو زمین کے نشان کو بدلے"۔ (صحیح مسلم)

ذبح ہر چیز سے درست ہے جو خون بہائے سوا دانت اور ناخن اور ہڈی کے

رافع بن خدیج سے روایت ہے' میں نے عرض کیا' یا رسول اللہ ہم کل دشمن سے بھڑنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں' آپؐ نے فرمایا جلدی کر یا ہوشیاری کر جو خون بہادے اور اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھا سوا دانت اور ناخن کے اور میں تجھ سے کہوں گا اس کی وجہ یہ ہے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں راوی نے کہا ہم کو لوٹ میں ملے اونٹ اور بکری پھر ان میں سے ایک اونٹ بگڑ گیا ایک شخص نے اس کو تیر سے مارا وہ ٹھہر گیا تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ان اونٹوں میں بھی بعض بگڑ جاتے ہیں اور بھاگ نکلتے ہیں جیسے جنگلی جانور بھاگتے ہیں پھر جب کوئی جانور ایسا ہو جائے تو اس کے ساتھ یہی کرو"۔ (صحیح و مسلم)

فرع اور عتیرہ کا بیان

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نہ کوئی فرع کوئی چیز ہے نہ عتیرہ" ابن رافع نے اپنی روایت میں اتنا زیادہ کہا کہ فرع پہلا بچہ ہے اونٹنی کا جس کو مشرک ذبح کیا کرتے تھے"۔ (صحیح مسلم)

☆☆☆☆☆☆

اہل وعیال پر خرچ

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ایک وہ دینار' جس کو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور ایک وہ دینار جسے تم نے کسی مسکین پر خیرات کیا اور ایک وہ دینار جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ان میں سب سے زیادہ اجر وثواب کا باعث وہ دینار ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے۔ (مسلم)

☆ جس سرمائے کو تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرو گے' اس پر تمہیں اجر ملے گا' یہاں تک کہ جس لقمہ کو تم اپنی اہلیہ کے منہ میں ڈالو گے (اس پر بھی تمہیں اجر ملے گا)" (بخاری)

☆ ارشاد نبوی ہے۔ "تم جو کچھ اپنی خورد و نوش پر خرچ کرو گے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنی اولاد کو کھلاؤ پلاؤ گے وہ بھی صدقہ ہے اور جو کچھ تم اپنی اہلیہ کو کھلاؤ گے وہ بھی صدقہ ہے۔ (مستدرک' حاکم حدیث صحیح ہے)

اہل وعیال کیلئے دوڑ دھوپ کرنا کار ثواب

☆ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے' فرماتے ہیں' حضور ﷺ کے سامنے سے ایک شخص گزرا' صحابہ کرام نے اس کی توانائی چستی اور سرگرمی دیکھی تو عرض کیا' "اے اللہ کے رسول ﷺ کاش اس کی یہ سرگرمی سب اللہ کی راہ میں ہوتی"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو وہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر ریاکاری اور نام و نمود کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا ہے تو وہ شیطان کے لئے ہے"۔

فرشتوں کی دعا

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ "روزانہ جب اللہ کے بندے صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں' ایک کہتا ہے الٰہی سخی کو عوض عطا فرما' دوسرا کہتا ہے الٰہی کنجوس کا مال ہلاک کر"۔ (بخاری' مسلم وغیرہ)

مسلمان کو کھانا کھلانا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اور پانی پلاتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے سات خندقیں دور فرما دیتے ہیں"۔ (دو خندقوں کا درمیانی فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت ہے) (مستدرک حاکم)

اچھی بات کرنا اور کھانا کھلانا

حضرت ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا" یا رسول اللہ ﷺ کون سا عمل جنت کو واجب کرنے والا ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم اچھی طرح بات کرنے اور کھانا کھلانے کو لازم پکڑو"۔ (مسلم)

ملازمین سے حسن سلوک

حضرت معرور رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مقام ربذہ میں ملاقات ہوئی وہ اور ان کا غلام ایک ہی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا (کہ کیا بات ہے آپ کے اور غلام کے کپڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے) اس پر انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا اور اسی سلسلے میں اس کو ماں کی غیرت دلائی' (یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ابو ذر! کیا تم نے اس کو ماں کی غیرت دلائی ہے؟ تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے' تمہارے ماتحت (لوگ) تمہارے بھائی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنایا ہے' لہٰذا جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو' اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے ماتحتوں سے وہ کام نہ لو جو ان پر بوجھ بن جائے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو ان کا ہاتھ بٹاؤ"۔ (بخاری)



صالحہ محمود کے قلم سے

یادگار مکمل ناول

وطن کی مٹی گواہ رہنا

ابر بھرا موسم رم جھم برستی ہوئی بارش کی پہلی پھوار تھی' کافی دیر سے مٹیالے بادل اُمڈ اُمڈ کر سامنے نظر آ رہے تھے' کئی دن کے بعد گرمی کی شدت ٹوٹ گئی تھی' موسلا دھار بارش کی رم جھم سیاہ بادلوں میں کڑکتی ہوئی بجلی آواز کے ساتھ عزہ شایان کو ایک لمحے میں بیدار کر گئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔



''او آج میں کچھ زیادہ سوگئی''۔ وہ تھک کر تھوڑی دیر کیلئے آ کر کچھ دیر پہلے لیٹی تھی۔ آج شایان کی بھی نائٹ ڈیوٹی ختم ہوئی تھی وہ بھی آج گھر پر ہی تھا۔

بارش عزہ کی سب سے بڑی کمزوری تھی' ایک پھوار بھی پڑ جائے تو وہ دوڑ کر لڑکیوں کے ساتھ بڑے صحن میں نکل جاتی تھی۔ بھلا آج ایسی رم جھم کہ اپنا آپ بھیگ جائے لیکن بارش کی یہ مدھم آوازیں نہ ٹوٹ سکیں۔ عزہ کے اندر موسموں کی شوخی بے تاب ہوگئی۔ وہ اسد شایان کا ہاتھ تھامے بڑے سے ٹیرس پر نکل آئی تھی۔

''کیا کر رہی ہو عزہ! میں بھیگ جاؤں گا''۔ اس نے مزاحمت سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔

''عزہ سے ہاتھ چھڑانا اتنا آسان نہیں ہے' عزہ خود بھی بھیگ چکی ہے۔ اسد! موسم کی پہلی بارش ہے۔ یاد ہے ہم نے ایک بار کالج میں بھی اس موسم کو انجوائے کیا تھا''۔ اس کی آنکھوں کی شوخیاں لمحوں کو سمیٹ لائی تھیں۔ اس نے اوس بھرے ہاتھوں کو اسد شایان کی طرف اچھالا تھا۔

''موسم کی پہلی بارش میں ہم بھیگ گئے
کچھ ایسا رنگوں میں

سب رنگوں میں بھاری میری چنری تھی
ہاتھوں میں گجرے آنکھوں میں کاجل تھا
میری طرح رقص میں سارا جنگل تھا
پہلی بار تم کو ہم نے
ایک نظر کی چوری سے دیکھا تھا
وہ منظر آج بھی آنکھوں میں رہتا ہے
ایک نظر کی چوری کا''

اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے ایک گھوم لگائی اور گرتے گرتے بچی' اسد نے اسے تھام لیا۔

''تم مجھے اس دن پہلی بار اچھی لگی تھیں''۔ پانی میں دونوں شرابور تھے۔

''اور یہ بات تم نے کتنے برسوں کے بعد بتائی تھی''۔ وقت کی رفتار مدھم مدھم بارش کی رم جھم میں بکھرتی چلی گئی۔

اس کے سارے زخم اسد کی ایک نظر نے دھو دیئے تھے۔ وہ بہت دیر تک پانی کے شور میں اپنے آپ کو ڈھونڈتی رہی۔ زندگی کی تمام تکالیف' تمام دکھ اس کو جو آفاقی حادثے نے دیئے تھے وہ سب بھول چکی تھی' اسد تھا ہی اتنا چاہنے والا انسان۔ عزہ نور سے جب وہ عزہ شایان بنی تو ساقی وقت کا دیا گیا زہر جب اس کی شریانوں میں پھیل گیا تھا' آہستہ آہستہ اسد شایان کی محبت نے امرت بنا دیا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں بے حد خوش تھی۔ قرب و جوار کے موسم نے اسے بہت خوبصورت بنا دیا تھا۔

''بس کرو عزہ! بس کرو...... تم کہتی ہو کہ ہنستی ہوں تو رونا پڑتا ہے''۔

''اللہ نہ کرے اسد!'' وہ ٹاول سے اپنے چہرے کو رگڑتی ہوئی بارش بھرے آسمان کو چھوڑ کر اندر آ گئی تھی۔ بارش ابھی تک ٹوٹ کر برس رہی تھی۔

مسلسل کئی دنوں کی بارشوں نے اندرون سندھ اور پنجاب میں بڑی تباہ کاریاں مچا دی تھیں' سیکڑوں گھر ڈوب چکے تھے' کھیت اور کھلیان کا کہیں بھی نام و نشان نہیں تھا۔ زندگی درد کے دبیز پردوں میں سسک رہی تھی' انہیں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ سندھ اور پنجاب کی تباہ کاریاں انسانوں کو آواز دے رہی تھیں۔ کئی امدادی ٹیمیں کراچی سے اندرون سندھ روانہ ہو چکی تھیں۔ وہی منظر تباہ کاریوں کے' ڈوبے ہوئے گھر' بیمار خواتین اور بچے' پلاسٹک کی چھتوں میں پناہ لینے پر مجبور تھے۔

☆

پوری شب وہ بہت بے چین اور بے قرار سی تھی' آنکھ بند کرتی تو نجانے کیا کیا نظر آتا۔ کوئی 3 کا پہر تھا اس نے ایک نظر سوئے ہوئے اسد پر ڈالی تو وہ بے خبر سو رہا تھا۔ وہ دبے قدموں اٹھ کر باہر کوریڈور میں نکل آئی تھی۔ دور بہت دور تک اندھیرے میں اضمحلال طاری تھا' گھپ اندھیرے میں وہ پلٹ کر اسٹڈی روم میں آئی' ایزی چیئر میں آہستہ آہستہ جھولتے ہوئے اس کے ہاتھ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی بڑے سے لیمپ کے نیچے رکھی ڈائری پر [illegible] پڑا تھا' بے ساختگی سے اٹھاتے ہوئے اس نے ریڈر بن کے درمیان صفحہ کھول دیا تھا۔

''اف خدایا! کتنا بھیانک وہ پہر تھا''۔ اس کے اطراف میں چیخ و پکار کے کئی منظر گھوم رہے تھے۔

''آپ میرے بچے کو بچا لیں''۔ ڈائری میں لکھی ہوئی تحریر کو وہ پڑھنے لگی تھی۔

''میرا ایک ہی بیٹا ہے' میرا سب کچھ لٹ گیا اس ملک کی خاطر۔ میری کہانی کوئی نہیں جانتا' میں 7 سال کی تھی

جب پاکستان بننے کے بعد رشتے داروں کو قید میں ملی تھی' میرے سب مار دیئے گئے تھے' پھر میرا ایک ہی بیٹا تھا' نسل و زبان کی بنیاد پر سب نے پاکستان کو بانٹ دیا' ہم ادھر تم اُدھر کے نعرے لگائے' مشرقی پاکستان ٹوٹ گیا۔ میرا جوان بیٹا' میرا گھر سب ختم ہو گیا' میں اس کے بچے کو لے کر یہاں چھپ گئی تھی اور آج تم نے میرے بیٹے کے ساتھ یہ کر دیا' اس کو زندہ جلا دیا' وہاں پر بھی میرے بیٹے کو جلایا تھا۔ آج 2011 میں ایک بار پھر اسی کے بیٹے کو بس روک کر صرف زبان کی بنیاد پر شناختی کارڈ چیک کر کے ایک مسلمان ایک پاکستانی نوجوان کو صرف اردو بولنے والے پاکستانی کو جلا دیا تم نے۔ بچا لو ڈاکٹر! اس کو بچا لو...... یہ ابھی زندہ ہے' یہ سسک رہا ہے' یہ ابھی نہیں مر سکتا' یہ میرے بڑھاپے کا واحد سہارا ہے' میں اپنے بیٹے کو کھو کر اس کے سہارے زندہ تھی۔ یہ مسلمان ہے پاکستانی ہے اس کو شناختی کارڈ چیک کر کے زندہ سترہ افراد کے ساتھ جلا دیا''۔ جلے ہوئے مردہ جسم پر نوحہ کناں بوڑھی ماں جو کے دادی تھی' بوڑھی عورت کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ آہستہ آہستہ ڈائری کے صفحے پر نمودار ہو رہا تھا' وہ گھبرا کر اسٹڈی روم سے باہر آ گئی تھی' سانس کی رفتار کچھ زیادہ ہی تیز تھی' اسد کی بھی گہری نیند اب ٹوٹ چکی تھی۔

''کیا ہوا عزہ! کیا ہوا؟'' اسد نے گھبرا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ سہم کر انگلی سے دوسری طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''وہاں اسد! وہاں وہ بوڑھی عورت رو رہی تھی' میں باوجود کوشش اس کے بیٹے کو نہ بچا سکی''۔

''وہاں کچھ نہیں ہے عزہ! تم نے کچھ زیادہ سیریس لے لیا ہے۔ یہ تو اب اس معاشرے کا ایک حصہ ہے' خود کو سنبھالو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو وہاں کوئی نہیں عزہ! پھر بھی تم......'' اس نے اس کے چہرے سے پسینہ پونچھتے ہوئے اسے دوبارہ قریب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ریلیکس...... ایسا کچھ نہیں ہے''۔ لیکن وہ ابھی تک اپنے خوف پر قابو نہیں پا سکی تھی۔ اسد کیلئے بھی یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اکثر وہ انسانوں کی ہلاکت پر کئی کئی دن خوف زدہ رہتی اور پھر نارمل زندگی پر لوٹ آتی۔

وہ جس پیشے سے وابستہ تھی وہاں زندگی کے حادثات معمولِ زندگی کے حصے بنتے جا رہے تھے' قتل و غارت گری کے مریضوں کو ایمبولینس میں ڈال کر اسی ہاسپٹل میں لایا جاتا تھا۔ اسد شایان کی حتی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ عزہ زیادہ ان حالات سے اِن ٹچ نہ ہو لیکن وہ آج تک اس بوڑھی عورت کا چہرہ نہ بھلا سکی تھی جو اس کے سامنے رو رو کر فریاد کر رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ بار بار حال سے اتر کر ماضی کی طرف دوڑنے لگی مگر شایان نے اسے بالکل کسی بچے کی طرح بہلا کر نیند کی وادی میں اتار دیا تھا' بظاہر وہ پرسکون سی سو گئی تھی مگر وہ قرب وہ ہلچل سب کچھ اس کے شعور میں تو جاگ رہا تھا' پھر سب کچھ نارمل سا ہو گیا۔ اچانک شایان نے بتایا کہ وہ میڈیکل ٹیم کے ساتھ اندرون سندھ جا رہا ہے۔ کسی سے ڈھکی چھپی تو نہیں تھیں اندرون سندھ کی تباہ کاریاں۔ ڈینگی وائرس کے مریضوں میں روز بروز اضافہ کٹے ہوئے اعضا کے ساتھ انسانی لاشیں' بس کو روک کر جلائے جانے والے انسانی جانوں کے ڈھانچے' بم بلاسٹ میں ننھے بچوں کی ہلاکتوں سے کہیں کم تو نہ تھیں یہ تباہ کاریاں جو اندرون سندھ انسانوں کو لے ڈوبی تھیں۔

اسد شایان کی کوشش کے باوجود کہ عزہ ساتھ نہ جائے مگر ڈاکٹرز کی ٹیم میں عزہ سرفہرست تھی۔ اس کی ایک اپنی پہچان اور ایک نام تھا ڈاکٹر عزہ نور۔ اسی طرح سے تمام دیگر شہروں میں سیکڑوں میڈیکل گروپس موجود تھے کیونکہ عزہ نور کیلئے ان سب کو فیس کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ بھوک' غربت' لاچار بوڑھے اور بچے سیلاب زدہ علاقوں میں امداد کیلئے منتظر تھے۔ پاکستانی قیادت ملکوں سے باہر تھی' جو تنظیمیں وہاں پر کام کر رہی تھیں وہ بھی انسانیت اور خلق خدا کیلئے موجود تھیں۔ ہر طرف چیختے پکارتے انسان سے انسان اناج چھین کر کھا رہا تھا' اوپر سے سروں پر برستا ہوا پانی' گندگی

کے ڈھیر میں لاوارثوں کی طرح کھیلتے بچے جن کا کوئی وارث نظر نہیں آرہا تھا' زچگی میں تڑپتی ہوئی عورتیں' نوزائیدہ بچوں کو بچانے کیلئے لوگ بھاگ رہے تھے۔

ڈاکٹرز کوشش کر رہے تھے اس میں ایک عزہ نور بھی تھی۔ پانی سے شرابور خواتین کو سنبھالتے ہوئے عزہ اپنے ہی کیمپ میں گرتے گرتے بچی تھی۔ پانی کا ایک بہت بڑا ریلہ آیا تھا جس نے وہاں قائم کیمپ کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ بے سروسامانی کی حالت میں انسان مدد مانگ رہے تھے۔ عزہ شدید بارش اور گھپ اندھیرے میں ایک بوڑھی عورت کا سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی' استھمے کا شدید اٹیک تھا۔ دوسری طرف ہزاروں ایسے چہرے تھے جو پانی سے بچاؤ کیلئے خود کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہر طرف پانی ہی پانی' گھر سارے پانی میں سمٹ گئے تھے۔ عزہ نور کو یوں لگا زمین اس کے پیروں کے نیچے سے سرک رہی ہے' زمین ہل رہی ہے' مکانات زمین بوس ہو رہے ہیں' درخت زمین سے اکھڑ کر گر چکے ہیں' آسمان پر کڑکتی ہوئی بجلی کی روشنی میں یہ منظر سارے اس کی آنکھوں میں ٹوٹ کر برسے تھے کہ وہ جل تھل وادی میں بھی پور پور جلتی چلی گئی۔ وہ ایک بار پھر اسد کے بازو میں جھول گئی تھی۔ ہر طرف سے بچاؤ بچاؤ کی آوازیں آرہی تھیں' چیخ وپکار تھی' ملبے کے ڈھیر سے اس کا باپ اسے آواز دے رہا تھا۔

''اسد......اسد......! وہ دیکھو زمین ہل رہی ہے' بہتی ہوئی پوری آبادی' بہتے ہوئے سمندر میں اتر رہی ہے' دیکھو وہ بوڑھی عورت' وہ دیکھو مائیں' بہنیں' جلے ہوئے انسانوں کی لاشوں پر رو رہی ہیں۔ یہ آبائی قبریں نوسو انسانوں کی دیکھو اسد! دیکھو لودھی گاؤں ڈوب رہا ہے''۔ وہ اسد کی گرفت سے بے قابو ہو کر نکلنا چاہ رہی تھی لیکن اسد شایان کی مضبوط بانہوں نے اس کی تمام کوشش کو ناکام بنا دیا۔

عزہ نور آہستہ آہستہ حال سے ماضی کی طرف لوٹ رہی تھی۔ سیاہ رات کی تیز بارش' آسمان پر کڑکتی ہوئی روشن بجلیاں قیامت توڑ رہی تھیں۔ پورے کے پورے گاؤں' شہر اور بستیاں زلزلے کی زد میں بہہ رہی تھیں۔

''عزہ! نہیں...... آنکھیں کھولو' آنکھیں کھولو''۔ اسد شایان اس کو جھنجھوڑ رہا تھا لیکن وہ تھی کہ کسی پاتال میں اترتی چلی گئی' اس کا ماضی اسے اس کے حال سے بہت دور لے گیا تھا۔



اسد شایان لوئر کلاس فیملی سے بی لونگ کرتا ہے اور عزہ نور اپر کلاس چوہدری کی بیٹی ہے' دونوں ایک ہی لودھی گاؤں میں رہتے ہیں' دونوں ایک محلے میں رہتے ہیں اور اچھی خاصی جان پہچان ہے۔ عزہ نور جب بھی ہوسٹل سے واپس آتی اسد شایان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ چوہدری عزہ نور کو میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کیلئے کراچی لے آئے' چوہدری صاحب کی بہت بڑی کوٹھی کراچی میں بھی تھی اور وسیع کاروبار تھا جس کی وجہ سے ان کا کراچی آنا جانا رہتا تھا۔ عزہ جب سیکنڈ ایئر کے پیپر دے کر باہر نکل رہی تھی اچانک ہی اس کی نظر اسد شایان پر پڑی' دونوں ایک دوسرے کو فوراً پہچان گئے۔ اسد شایان نے بتایا کہ وہ وہاں ایک اسائنمنٹ کے سلسلے میں آیا تھا۔

عزہ اور اسد شایان کی نا صرف اکثر و بیشتر بات ہوتی رہتی بلکہ وہ ہوٹلنگ بھی کرتے تھے۔ عزہ نے اسد کو بتایا کہ اس کا آج تک کوئی دوست نہیں بنا۔ شہر اور گاؤں میں بہت فرق ہے پھر اسد شایان نے ایک عید پر عزہ کو خوبصورت کارڈ بھیجا جس میں اس نے اپنی محبت کا اظہار بھی کیا تھا۔

عزہ نور کب اور کیسے اسے چاہنے لگی تھی یہ اسے خود بھی نہیں پتہ تھا۔ عزہ نور کے والدین عزہ کو بزنس پوائنٹ سے کراچی میں وہ اپنا ہاسپٹل قائم کروانا چاہ رہے تھے اور عزہ اس کی مالک ہوگی۔ پھر ایک شام عزہ نے اسد شایان کو

اپنے والدین سے ملوایا کہ یہ اسی گاؤں کے ہیں تو چوہدری صاحب بہت متاثر ہوئے اور سوچنے لگے کہ عزہ کے ساتھ اسد شایان اچھا لگے گا اور جب انہیں پتہ چلا کہ اسد شایان ان کے گاؤں کے لوہار کا بیٹا ہے تو مصافحہ کے لئے بڑھتا ان کا ہاتھ نیچے گر گیا اور وہ عزہ کی پارٹی سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ رات انہوں نے عزہ سے سخت لہجے میں بات کی اور اسد شایان سے نہ ملنے کی دھمکی بھی دی۔ عزہ مارے ڈر کے اپنے والد سے جھوٹ بول گئی کہ وہ اسد کو پسند نہیں کرتی اس لیے آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ عزہ کے باپ نے دھمکی دی کہ اگر یہ سچ ہوا تو اسد شایان ایک دن بھی زندہ نہیں رہے گا۔

عزہ نے انہیں بتایا کہ وہ اس کی اسٹڈی میں ہیلپ کرتا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ عزہ فرسٹ ایئر میں تھی جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی اور اب اسد فائنل میں ہے اور پھر عزہ نے اپنے والد کو سمجھایا کہ میری فیلڈ ایسی ہے کہ ہمیں سب سے ملنا پڑتا ہے۔ اگر آپ کو یہ بات ناپسند ہے تو میں سب کچھ چھوڑ کر واپس چلتی ہوں پھر عزہ نے یہ بات ہی اپنے دل سے نکال دی کہ وہ اسد شایان کو پسند کرتی ہے لیکن اسد شایان ایسا نہیں کر سکا اور آج یہی بتانے کے لئے اسد شایان اس کے پاس آیا تھا۔

اسد شایان کے ساتھ مل کر اس نے بات کی پھر عزہ نے اسد کو بتایا کہ وہ اس بار عید کرنے گاؤں جا رہی ہے۔



''میں اتنی جلدی تو ہار نہیں مان سکتا''۔ بارش باہر ٹوٹ کر برسی اور موسم بھی سوگوار سا ہو گیا تھا۔

''دیکھو اسد! جب ہمارے بڑے خود یہ نہیں چاہتے تم یہ کیوں نہیں سمجھتے''۔ بہت دور تک دھوپ پھیلتی چلی گئی تھی۔

''عزہ! میں کسی رسم و رواج کا پابند نہیں ہوں' مسلمان ہونے کے ناطے یہ میرا شرعی حق ہے کہ ہم تم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں''۔ موسم کی کوئی بتدیلی' رم جھم کرتی بارش' سڑکوں پر اچھلتا ہوا پانی سب کچھ ایک خواب سا لگ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک کیفے ٹیریا میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ ہلکی ہلکی بارش شروع ہوئی اور اچانک بادل گھر کر آئے اور ابر ٹوٹ کر برسا' دونوں اپنے اپنے گھر نہ جا سکے۔

''اور تم نے مجھے صرف یہی کہنے کیلئے بلایا تھا؟'' ہر طرف بارش کی پھوار گری۔

''نہیں عزہ نہیں' میں نے تم سے بہت امپورٹنٹ بات کرنی ہے' شاید کل یہی بات تم سے بھی کی جائے گی' اس لئے بہتر ہے عزہ کہ میں پہلے سے تم پر سب کچھ کلیئر کر دوں''۔ باہر بارش اور تیز ہو گئی تھی۔

''کہہ بھی چکو اسد! جو کچھ بھی کہنا ہے''۔ باہر سے آنے والی ہوا نے ٹیبل پر رکھے ہوئے پرس کو بھی نم کر دیا تھا۔

''تمہیں ہمیشہ گھر جانے کی جلدی کیوں رہتی ہے' کچھ دیر تم میرے ساتھ نہیں بیٹھ سکتیں''۔ اچانک ہلکی سی بارش کم ہوتی نظر آئی' وہ باہر ہی دیکھ رہی تھی کہ اسد شایان نے اس کی جانب دیکھا' اس نے سر اوپر اٹھایا اور اسد کی آنکھوں میں بہت غور سے دیکھا' شاید کہیں سیاہ بادل گھیرا ڈالے نظر آئے۔

''میں جانتی ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو' یہی ناں کہ دادی جان اس عید پر تمہیں کوئی تحفہ دینا چاہتی ہیں۔ اسد شایان! میری بات مانو تم اپنی محبت سے دستبردار ہو جاؤ۔ مجھے کوئی دکھ نہیں ہوگا' جس خوشی میں اپنے شامل نہ ہوں اس پر ملال کیسا۔ جب معاملہ ہی رسم و رواج اور قبیلہ کے فیصلے کا ہم پر قائم ہے تو پھر کیا''۔ باہر بارش کی گرج اور بڑھی تھی۔

''لیکن عزہ نور! محبت کسی کی ذات پوچھ کر تو نہیں کی جاتی کہ تم کون ہو؟'' بارش کی گرج اور بڑھتی چلی گئی۔

''میں نے کب کہا اسد شایان! ہماری محبت کسی ذات اور قبیلے کی محتاج نہیں ہے' محبت سے رشتہ خود ہی جوڑ لیا جاتا

ہے‘ بس وہ میرا پرسنل معاملہ ہے‘ ڈونٹ ڈسکس اگین سمجھے اسد شایان‘‘۔ دور کہیں بارش کی پھوار گری پھر دکھ کے بادل برسے تھے۔

’’رک کیوں گئیں عزہ نور! میرا پورا نام لو اسد شایان لوہار۔ یہی میری پہچان ہے اور میری اسناد کے آگے بھی یہی لکھا ہے اور میں اسے مٹا نہیں سکتا‘ میرا باپ لوہار تھا‘ میں اسی خاندان کا ایک پڑھا لکھا ڈاکٹر ہوں پھر میں لوہار ہوں اور لوہار ہی رہوں گا‘‘۔ بہت تیز بارش برسی تھی کہ عزہ نور تن من دونوں سے بھیگ گئی۔

’’میں اس بار عید کرنے گھر جا رہی ہوں‘ ہوسٹل میں کوئی نہیں ہوگا‘‘۔ اداس نظروں سے دیکھا تھا۔

’’اور شاید اس بار میں بھی جاؤں‘‘۔ بارش کہیں رک گئی تھی۔

’’میں جانتی ہوں تم کیوں جا رہے ہو‘ تمہاری دادی نے تمہارا رشتہ سامنے والے منوں چاچا کی بیٹی سے طے کر دیا ہے‘‘۔ ہونٹ مسکرائے۔

’’واٹ نانسنس منوں چاچا کی بیٹی‘‘۔ اس نے غصے سے ٹیبل پر ہاتھ میں پکڑا ہوا نیوز پیپر پھینکا۔ عزہ نور کو زور کی ہنسی آئی اور اس نے پلٹ کر اسد شایان کو دیکھا۔

’’شاید تمہیں اچھا لگ رہا ہے مجھے دکھ میں دیکھ کر‘‘۔ اسد شایان نے بہت غصے سے اسے دیکھا تو عزہ نور کے ہنستے ہوئے ہونٹ سمٹ گئے اور نظریں جھک گئیں‘ اسد شایان نے غصے کا گھونٹ پی کر شیشے سے باہر دیکھا۔ سمندر میں بھی بارش کی بوندیں گر رہی تھیں۔

’’کم آن اسد! سب کچھ بھول جاؤ میری طرح‘ وہ دیکھو سمندر کنارے دھواں دھواں سی بارش‘ بالکل اپنے لودھی گاؤں کی طرح‘‘۔ وہ ہاتھ پکڑ کر اسد شایان کو گھسیٹتی ہوئی آگے بڑھی۔

’’واٹ نانسنس! تم بالکل بچوں جیسی حرکتیں کرتی ہو‘ کئی دن سے تمہیں پہلے ہی ٹمپریچر ہو رہا ہے‘ کیا مزید بیمار ہونا چاہتی ہو‘‘۔

’’ہاں بیمار ہونے کا بھی اپنا ہی ایک مزا ہے اسد! کبھی ہم گرم لحافوں میں اماں سے لپٹ کر سوتے تھے‘ تیز ہوائیں‘ دھند‘ بارش میں چہچہاتے ہوئے پرندے‘ ہر طرف جنگلی پھولوں کی مہک‘ اڑتے ہوئے سفید گالے جیسے بادل‘‘۔ ٹولیوں کی ٹولیاں سفید بادلوں کی اس لمحے بھی گزر رہی تھیں۔

’’اسد! سب خواب سا نہیں لگتا۔ کتنی خوبصورت سرزمین ہے ہماری‘ ہر طرف جھرنے‘ آبشار‘ پرندے اور ہماری بہت ساری یادیں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں‘‘۔

’’عزہ! تم کب تک خود کو جھٹلاتی رہو گی؟‘‘ اسد شایان نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا‘ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر اسد شایان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

’’جب تک عزہ نور زندہ ہے تب تک اسد شایان میں یونہی ہنستی رہوں گی اپنی تقدیر پر‘ پتہ ہے اسد شایان......‘‘ اس نے جھک کر اپنی ہتھیلی کو دیکھا اور بہت غور سے اسد شایان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

’’ڈاکٹر اسد شایان! یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے ہاتھ کی لکیروں میں شادی کی لکیر بہت واضح ہے۔ یہ میں نہیں میری فرینڈ فریحہ کہتی ہے۔ بٹ آئی ڈونٹ بی لیواٹ‘‘۔ اس کے سامنے دور تک اتھاہ گہرا سمندر پھیلتا چلا گیا۔ سیاہ بادلوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں گزر گئیں‘ دل کے اندر کے گہرے سمندر میں بھی مدوجزر آیا مگر اس کی آنکھ میں کوئی نمی نہ تھی۔ تلاطم تھا تو اسد شایان کی بھوری سیاہ آنکھوں میں جہاں مایوسی کے بادل ٹھہرے ٹھہرے لگ رہے تھے۔

’’بہت دیر ہو چکی ہے۔ چلو عزہ! میں تمہیں ڈراپ کر دوں‘ میں جلدی جانا چاہتا ہوں‘‘۔ اس کے ہونٹوں پر گہرے

سمندر کا سا سکوت ٹھہر گیا۔

’’تمہیں تو ہمیشہ بس جلدی رہتی ہے‘ آج تم نے خود مجھے انوائٹ کیا تھا اسد شایان بس یہ شام آج میری ہے‘‘۔ اس نے اپنے پرس کو انگلی پر بہت تیز تیز گھماتے ہوئے ہنستے ہنستے کہا پھر دونوں ریت پر چلتے ہوئے ایک ٹیلے تک آئے تھے جہاں ان کی بہت ساری شامیں کسی سبجیکٹ کی ڈسکشن پر گزری تھیں۔ جہاں انہوں نے بیٹھ کر باتیں کیں تھیں۔ وہ لمحے جو گزر گئے تھے‘ وہ خواب جو بکھر گئے تھے‘ وہ موسم جو ٹھہر گئے تھے‘ وہ ان کہی باتوں کی خوشبو گزرتی لہروں کی آوازیں ابھی تک فضاؤں میں سب کچھ ٹھہر گیا تھا۔ چند لمحے زندگی کے کیا گزرے نجانے وہ کیا کیا پیچھے چھوڑ آئے۔ وہ حویلی کی شامیں‘ اسد شایان کی شوخیاں‘ وہ اجنبی شہر میں اچانک کسی شناسا کا مل جانا سب کچھ بیتے لمحوں کی ایک کہانی تھی۔ جو سب کچھ ایک لمحے میں ٹھہر گیا تھا۔

’’اٹھو چلو تم کیا سوچ رہی ہو‘ تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اور یوں بھی کل تمہیں چلے جانا ہے‘‘۔

’’اسد شایان! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم کچھ دیر اور ٹھہر جائیں‘ یہیں کہیں کسی اور ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر پھر ایک بار چائے پی لیں‘ پتہ نہیں کیوں اسد! اس بار گھر جانے کی خوشی تو ہے مگر دل دکھا دکھا سا لگ رہا ہے۔ یوں لگ رہا ہے واپسی بہت مشکل ہو جائے گی‘‘۔ اس کے قدم بہت بوجھل بوجھل اٹھ رہے تھے۔ اسد شایان کی نظریں بار بار اس کے پاؤں پر اٹک رہی تھیں‘ وہ شرم سے چہرہ موڑ گئی۔ اسد شایان نے اس کا بایاں ہاتھ تھام لیا تھا اور اس کی نظریں زمین پر تھیں۔ جبکہ عزہ نور کی آنکھیں بہت دور کسی گہرے سمندر میں اترتی لگ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں کی گرمی ان کی محبت کی غماز تھی‘ ان کے قدموں کی رفتار کسی منزل پر پہنچنے کی محتاج تھی۔ اسد شایان کی سانسوں کی رفتار تھک گئی تھی اور عزہ نور سب کچھ محسوس کرتے ہوئے بھی زمین پر پڑے ہوئے پتھروں کو اپنی ٹھوکروں سے ہٹاتے ہوئے اسد شایان کے ساتھ گزرتی چلی گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا سیاہ بادلوں کی ٹولیاں‘ گہرے سمندر کا اندھیرا‘ دودھیا سفید لہریں نرم مٹی کو بھگو رہی تھیں اور یہ سب کچھ وہ پیچھے چھوڑ کر آئی۔

اسد شایان نے اس کو اس کے ’’عزہ ولاز‘‘ میں ڈراپ کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ وہ بہت تھکی تھکی سی اپنے کمرے میں آئی‘ چینج کرنے کے بعد وہ بالکونی میں آ کر بے تحاشا روئی تھی۔

’’کیسے بتاؤں اسد شایان! کہ تمہارے بنا یہ زندگی ادھوری سی ہے‘ اگر تم میری زندگی میں نہ آ سکے تو کیا کوئی اور بھی نہیں آئے گا‘ یہ عزہ کا خود سے عہد ہے جو تم نہ جان سکو گے‘‘۔ سارے دن کی ہنسی دکھ کا بادل بن کر اس لمحے برس رہی تھی۔ وہ شایان کو جس زندگی کا دھوکا دے کر آئی تھی جب اس لبادے سے باہر آئی تو سمندر کا سیاہ اندھیرا اس کی آنکھوں میں اتنے گہرے بادل لایا کہ وہ برس برس پڑے‘ ملازم نے آ کر اسے اطلاع دی تھی۔

’’بی بی! آپ کی کال ہے بڑے چوہدری لائن پر ہیں‘‘۔ اس نے جلدی جلدی بھاگ کر اپنی آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مارے تھے اور فون کی طرف لپکی۔

’’جی بابا جانی السلام وعلیکم! آپ کیسے ہیں بابا؟‘‘

’’میں ٹھیک ہوں‘ تمہاری ماں بتا رہی تھی فون پر کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے‘‘۔

’’لیکن بابا! اب میں بالکل ٹھیک ہوں‘‘۔ اس کی آواز اور وہ خود نارمل ہو چکی تھی۔

’’عزہ! تم گاؤں آنے سے پہلے اپنی ماں سے بھی بات کر لینا۔ تم پہلے ہفتے میں اپنے شیڈول میں مظفر آباد بھی رکھنا‘ نئے پراجیکٹ کی تقریب میں تمہارا ہونا بہت ضروری ہے‘ لوگوں کو بھی تو پتہ چلے کہ عزہ نور کس کی بیٹی ہے‘‘۔ ان کی آواز میں بہت تکبر اور پیار جھلک رہا تھا‘ فون رکھ کر وہ تکیے پر سر رکھ کر بہت دیر تک روتی رہی تھی۔

''مجھے معلوم ہے بابا جانی! آپ اس افتتاحی تقریب میں عزہ نور کی زندگی کا فیصلہ کردیں گے' یہ اختیار میں نے آپ کو دے دیا ہے''۔ تواتر سے آنسو بہنے لگے۔ مسافتوں کا سفر ساتھ ساتھ چلنے لگا' آنسوؤں کی رفتار ابھی تھمی بھی نہ تھی کہ اس کے سیل پر اسد شایان کی کال آئی۔ وہ آنسو پونچھ کر بہت نارمل انداز میں بولی۔

''ہاں ہیلو شایان! اس وقت تم نے کیسے کال کی؟'' وہ اس کی آواز پر کچھ سوچ کر بولا۔

''کیا ہوا عزہ! کیا تم رو رہی تھیں؟'' عزہ نور ایک سیکنڈ کیلئے خاموش ہوگئی اور پھر بولی۔

''بس یونہی شایان! بابا اور اماں یاد آ گئے''۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''تھوڑی سی خوش فہمی ہوئی تھی کہ عزہ نور...... تم نے اونو میری ایک چھوٹی سی خوشی توڑ دی''۔

''وہ کیا شایان؟''

''میں یہ سمجھا کہ شاید تم یہاں سے چلے جانے پر اداس ہو''۔

''نہیں شایان! مجھے تو تمہاری زندگی سے چلا ہی جانا ہے' یو نو آئی ایم کمیٹڈ''۔

''شٹ اپ عزہ! دوبارہ یہ بات مت کہنا' چلے جانے کی بات تو بہت دور ہے میں تو تصور میں بھی یہ بات نہیں سوچ سکتا''۔

''بی پریکٹیکل شایان! عزہ نور تمہاری کبھی نہیں بن سکے گی' یو نو میں چوہدری نور الٰہی کی بیٹی ہوں' سیاست میں ان کا دور دور تک نام ہے' میرا شجرہ نسب چوہدریوں سے جڑا ہوا ہے' میں تمہیں کبھی نہیں مل سکوں گی''۔ وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''ڈونٹ وری عزہ! تم ایسا مت سوچو''۔ اسد شایان بڑے دھیمے لہجے میں بولا۔ اس کے دل کے اندر یوں لگا کہ کوئی شے ٹوٹ گئی ہو۔

''چھوڑو عزہ! میں تمہیں پک کرنے آ رہا تھا' تم عید کی شاپنگ کرتی جاؤ''۔

''نہیں اسد! مجھے کوئی خاص شاپنگ نہیں کرنی۔ دو چار ڈریس میں بوتیک سے لے چکی ہوں''۔

''دو چار ڈریس میری طرف سے لے لو عزہ' بولو آ جاؤں؟''

''ٹھیک ہے آ جاؤ''۔

☆

شاپنگ مال میں خاصی گہما گہمی تھی جب عزہ اور اسد شایان اتر کر مال کی جانب جا رہے تھے۔ عزہ نے ٹی پنک کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔

''ہائے عزہ! کیسی ہو تم؟'' بالکل سامنے شاویز آ گیا' عزہ ایک لمحے کیلئے دھک سے رہ گئی پھر جلدی سے گھبرا کر بولی۔

''شاویز! یہ ڈاکٹر اسد شایان ہیں اور اسد یہ ہمارے فرسٹ کزن شاویز ہیں' اسی شہر کراچی میں رہتے ہیں''۔ اسد نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا' شاویز نے ایک گہری سانس لے کر ایک ترچھی نظر عزہ پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔

''اسد شایان! یہ چوہدری شاویز میرا کزن ہی نہیں میرے باپ کی میرے لئے چوائس بھی ہے''۔

''او آئی سی' جبھی تمہارے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا' کم آن عزہ ڈونٹ وری' یہ اجڈ' جنگلی سا شاویز تمہیں حاصل نہیں کر سکے گا''۔

''واؤ' کیا تم سپر پاور ہو''۔ عزہ کے سہمے چہرے پہ تھوڑی سی ہنسی آ گئی۔

''بس عزہ! تم ہنستی رہو''۔ اسد کی براؤن آنکھیں عزہ کے چہرے پر پڑیں تو عزہ بلش ہو کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''اسد! میں اندر سے بہت ڈر گئی ہوں' اگر شاویز نے بابا کو بتا دیا تو......'' وہ گھبرا کر بولی۔

''تو کیا......؟ سر اٹھا کر جینا سیکھو' ہم نے ایک دوسرے سے محبت کی ہے فلرٹ نہیں''۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔

''اسد! دکھ تو مجھے اسی بات کا ہے کہ میں ہار گئی ہوں' تمہیں ہارے ہوئے دل کی خبر نہیں''۔ عزہ نور اپنے دل میں سوچ کے رہ گئی۔

''کہاں ہو عزہ؟ دیکھو یہ کتنا خوبصورت کارڈ ہے ناں''۔ تو عزہ نور چونک گئی۔

''اسد شایان! ہمیں بس جلدی گھر پہنچنا ہے' بابا کی کال آتی ہی ہوگی''۔ وہ گھبرائی گھبرائی بولی تھی۔

''کوئی بات نہیں تمہارے بابا تمہارے سیل پر بھی ٹرائی کر سکتے ہیں' ہم شاپنگ تو پوری کر کے جائیں گے''۔ اسد جھک کر کارڈ دیکھنے لگا۔ عزہ بڑی بے بسی سے اِدھر اُدھر نظر ڈال کر اسد شایان کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگی جو بہت پرسکون انداز میں کارڈ دیکھ رہا تھا۔

''دیکھو اسد شایان! میں یہ اماں کیلئے لے رہی ہوں' میرا خیال ہے یہ بہت خوبصورت ہے اور یہ میں مانی کے بچوں کے ڈریس لے رہی ہوں۔ مانی اب تک تو گاؤں پہنچ بھی چکی ہوگی''۔

''مانی کا کتنا بڑا بچہ ہے؟'' اسد شایان ایک سوٹ دیکھنے لگا۔

''بچہ......؟ بچے''۔ وہ مسکرائی۔

''مانی کے بچے......؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''مانی کے ایک نہیں اسد! تین بچے ہیں''۔ وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''او نو...... چار سال میں تین بچے''۔ وہ ہنسا۔

''اسد! تمہیں یہ کیسے یاد رہا کہ چار سال میں تین بچے؟'' اس نے سوالیہ انداز سے پوچھا۔

''تم سے جڑا ہوا ہر پل مجھے یاد رہتا ہے' بھئی ہم غریب لوئر کلاس کے لوگ بھی اس دن چوہدری نور الٰہی کی خوشی میں شامل تھے۔ یہ ہمارے باپ کے لئے بڑا اعزاز تھا کہ چوہدری نور الٰہی نے انہیں بلایا ہے' عزہ! پتہ ہے اس دن میں تمہاری صرف ایک جھلک دیکھنے کیلئے بابا کے ساتھ گیا تھا''۔ اس نے فخریہ انداز میں بتلایا۔

''شٹ اپ اسد! تم ہمیشہ مجھے ڈسٹرب کرتے ہو''۔ وہ رخ پھیر کر ہنسی۔

''کس لئے؟'' عزہ نور کچھ کپڑے بیگ میں ڈالتے ہوئے بولی۔

''کیوں بتاؤں یہ دل کا معاملہ ہے''۔ وہ ہنس کر آگے بڑھا۔

''اسد! ٹھہرو تھوڑی دیر' مجھے سب کیلئے کچھ نہ کچھ تو لینا ہے۔ دائی' چاچی' بابا اور مالی کے بچوں کیلئے' الگ الگ گفٹ پیک کروانے ہیں' اسد! اس میں تم نے کیا پیک کروایا ہے''۔ وہ پوچھ رہی تھی۔

''پتہ نہیں''۔ وہ بے نیازی سے بولا۔

''یعنی تم نے گفٹ خریدا' اسے پیک بھی کروایا اور تم یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ کس کیلئے ہے' امپاسیبل''۔ اس نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''اس میں اتنے حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ تم ادھر مانی کے بچوں کیلئے گفٹ لے رہی تھیں میں نے اُدھر

تمہارے لئے گفٹ پیک کروالیا''۔ بے حد سادگی سے بول کر ہنسا۔

''اوتھینکس اسد شایان! تو تم گفٹ دینا جانتے ہو''۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''نہیں یہ تو صرف آپ جانتی ہیں''۔ اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''اچھا ایسا کرو تم یہ سارے بیگز لے کر گاڑی میں چلو میں ایک چھوٹی سی چیز رہ گئی ہے وہ لے کر ابھی آتی ہوں''۔

وہ سارے بیگز اسد کے ہاتھ میں تھما کر شاپنگ مال کی بھیڑ میں نجانے کس طرف نکل گئی تھی' بہت دیر بعد پلٹی' اِدھر اُدھر نظر ڈالی' سڑک کے اس پار اسد نے بہت تیز ہارن دیا تو اس نے سامنے دیکھا۔

''بہت دیر لگادی تم نے''۔ شایان گاڑی کا ڈور بند کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں ویری امپورٹنٹ' یو ڈونٹ نو شایان''۔ اس نے شاپر بیک سیٹ پر ڈالتے ہوئے کہا تو شایان نے پلٹ کر اسے دیکھا اور بولا۔

''واٹ شایان......'' اس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی' اسے بہت جلدی تھی' وہ عزہ نور کو ڈراپ کرتا ہوا بہت تیزی سے آگے نکل گیا۔

بہت خوش خوش عزہ ''عزہ ولاز'' میں داخل ہوئی تو گارڈ نے بھاگ کر اسے اطلاع دی تھی۔

''بڑے صاحب بار بار آپ کو فون کررہے ہیں' آپ نے اپنا سیل آف کر رکھا ہے''۔ عزہ کا دل دھک سے ہوا۔

''او......نو''۔ گھبرا کر اس نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی روم میں گئی۔

ٹیلی فون کی بیل پر اس نے بھاگ کر ریسیور اٹھایا تھا۔

''جی بابا!'' عزہ کا دل ابھی تک دھک دھک کررہا تھا گویا وہ آج رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ اس نے دل میں سوچا کہ یقیناً شاویز نے بابا کو بتایا ہوگا اسد اور میرے بارے میں' وہ اپنی سانسوں کو قابو کرتے ہوئے بڑے پرسکون سے لہجے میں بولی۔

''السلام وعلیکم بابا جان! کیسے ہیں آپ؟''

''پتر میں ٹھیک ہوں پر تم اتنی دیر سے کہاں تھیں؟''

''بابا! میں شاپنگ کیلئے گئی تھی''۔

''وہ کون تھا پتر تیرے ساتھ؟'' چوہدری نورالٰہی کی آواز میں اس وقت بڑا رعب تھا۔

''بابا! وہ راستے میں ڈاکٹر شایان مل گیا تھا' اسی کے ساتھ میں نے شاپنگ کی''۔ وہ گھبرا کر بولی۔

''میں جانتا ہوں لیکن تم نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اب شایان سے نہیں ملو گی' پتر! وہ اس قابل نہیں نیچ قوم کا لوہار''۔ چوہدری نور نے اسے یاد دلایا۔

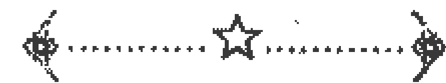
''پلیز بابا!'' اس کا غصے کے مارے برا حال تھا پھر بھی وہ ضبط کرگئی۔

''پتر! ایک بات یاد رکھنا کہ شاویز تیرا منگیتر ہے''۔ سن کر اس کی سانس تھم سی گئی۔

''ٹھیک ہے بابا! میں کل کی فلائٹ سے اسلام آباد پہنچ رہی ہوں' آپ ڈرائیور کو بھیج دیجیے گا''۔ وہ آہستہ سے فون رکھ کر بڑبڑاتے ہوئے پلٹی تھی۔

''شاویز کے بچے تو کبھی نہ میرے معیار پر پورا اترا ہے نہ اترے گا' تو کچھ بھی کرلے اپنی زندگی داؤ پر لگا دوں گی۔ جب میں اسد شایان سے دستبردار ہوسکتی ہوں تو تم کیا ہو' دیکھتی ہوں کہ تم کس طرح مجھے حاصل کرسکو گے۔ اگر اسد شایان نہیں تو تم بھی نہیں۔ اسد شایان سے نہ ملنے کی صرف ایک ہی شرط ہوگی کہ تم بھی پھر میری زندگی میں نہیں

آؤ گے۔ زندگی کا باقی سفر میں تنہا کاٹ لوں گی''۔ وہ تکیہ اٹھا کر دھڑ سے بیڈ پر گری تھی۔ خوشی تو اس کو کبھی راس آئی ہی نہیں تھی' کتنی خوش وہ اسد شایان کے ساتھ شاپنگ کرتی پھر رہی تھی کہ اچانک سامنے شاویز آ گیا' یہی خیال اس کے دل کو ملول کررہا تھا۔



روانگی سے قبل اسد شایان اسے ڈراپ کرنے کے لئے چلا آیا تھا۔ ڈرائیور جب گاڑی میں عزہ کا سامان رکھ رہا تھا تبھی وائٹ بلینو آ کر رکی' اسد شایان بڑھ کر عزہ کے قریب آیا۔

''عزہ! تم دس منٹ پہلے نیچے اتر آئی ہو' میں اگزیکٹ ٹائم پر پہنچ گیا ہوں' اگر تھوڑی سی بھی دیر ہوتی تو تم جاچکی ہوتیں''۔ ڈاکٹر اسد شایان کی نظر پھر اپنی گھڑی پر تھی۔

''ایک تو میں تمہاری اس گھڑی سے بہت تنگ ہوں' ہر وقت تم اسے کیوں دیکھتے رہتے ہو؟''

''میں اسے کہاں دیکھتا ہوں' دراصل میں اپنے دل کی دھڑکن کی رفتار گنتا رہتا ہوں' کس وقت عزہ نور سے ملنا ہے اور کس وقت چلے جانا ہے''۔ وہ بڑا سا بیگ جھک کر زمین سے اٹھاتے ہوئے بولا تو عزہ کے چہرے پر آپ ہی آپ ایک البیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی تو وہ جلدی سے بول پڑی۔

''یہ کیا اسد؟'' اس نے بیگ اٹھاتے ہوئے اسد کو مخاطب کیا۔

''اس میں تمہارے لئے کچھ گفٹ ہیں' یہ سوچ کر میں نے لئے ہیں کہ نجانے اب تم کب آؤ' ہوسکتا ہے یہ اب ہماری آخری ملاقات ہو' شاویز سے ملنے کے بعد میں اپنی ساری امیدیں ہار چکا ہوں' فیصلہ صرف تمہارے ہاتھ میں ہوگا''۔

''نہیں اسد شایان! تم کچھ زیادہ ہی سیریس ہوگئے ہو''۔

''عزہ! میں جانتا ہوں کہ چوہدری نورالٰہی کے نزدیک میری حیثیت ایک غیر مسلم کی سی ہے' جس کو انہوں نے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا ہے''۔

''سو واٹ''۔ عزہ نے اس کا بیگ تھام لیا تھا۔

''اسد شایان! میں آپ سے کبھی کمیٹڈ نہیں تھی پھر اتنی ناامیدی......'' اس کے ہونٹوں پر بہت تھکی تھکی سی مسکراہٹ آئی تھی جو عزہ کے اندر کی کمزور لڑکی کو ظاہر کررہی تھی۔

''چلو چھوڑو' میں بھی کیا بات لے بیٹھا' تم سے بات کچھ اور کرنے آیا ہوں اور کچھ کر جاتا ہوں''۔ وہ تھوڑا سنجیدہ ہو کے بولا۔

''کوئی بات نہیں یہ مرض بہت پرانا ہے نیا تو نہیں''۔ اس کی ہونٹوں کی ہلکی سی مسکراہٹ نے دل کا بھید کھولنے کی کوشش کی تھی۔

''گویا تم میرے دل کی بات بھی جانتی ہو؟'' وہ مسکرایا۔

''انسان کو سمجھنا اتنا مشکل نہیں''۔

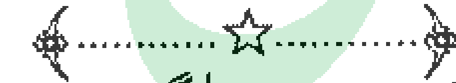
''چلو آؤ تم میری کار میں بیٹھو' یہ سارا سامان تمہارا ڈرائیور لے کر آ جائے گا' عزہ! میں نے تمہارے لئے کچھ گرم شالز اور سوئٹر بھی لئے ہیں' اس بار کچھ زیادہ سردی پڑ رہی ہے' رمضان اور عید دونوں ہی یخ اور سرد ہواؤں میں گزرے گی''۔

''سو واٹ' مجھے تو عادت ہے اس سردی اور ہواؤں میں رہنے کی' شاید میں نے اسی لئے سردی کیلئے کچھ بھی نہیں لیا

لاشیں لے کر جمع ہوئے اور شدید بارش میں بھیگ گئے۔ اس دن کسی گھر میں چولہا نہیں جلا۔ پینے کا پانی تک دستیاب نہیں تھا۔ تین دن تین راتیں بے یارو مددگار گزری تھیں۔ ان تین روز تک لوگ بے سروسامانی میں ملبے کے نیچے سے اپنے عزیزوں کی لاشیں نکالتے رہے۔ انہی میں ڈاکٹر اسد شایان بھی شامل تھا جو فوری طور پر کراچی سے مظفر آباد اپنی میڈیکل ٹیم کے ساتھ پہنچا۔ مظفر آباد کے ضلع میں سب سے زیادہ جانی نقصان ہوا تھا۔ 35 ہزار آٹھ سو تین افراد شہید ہوئے تھے۔ 21 ہزار آٹھ سو چھیاسٹھ افراد زخمی ہوئے تھے۔ ایک ہزار پانچ سو معذور ہوئے' ان معذور انسانوں میں چوہدری نور الٰہی بھی تھے جن کے دونوں پیر ملبے کے ڈھیر تلے دب کر ناکارہ ہو چکے تھے۔ انہی کی نشاندہی پر وہ بھاگتا ہوا عزہ نور کے کیمپ میں پہنچا تھا جہاں وہ بے سدھ خاموش بیٹھی ہوئی ملی۔

''عزہ...... عزہ!'' اس نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا تھا لیکن عزہ تھی کہ وہ بالکل خاموش اور ساکت تھی۔ وہ صرف سامنے کھڑے اسد شایان کو دیکھتی رہی۔ کیمپوں میں قیامت صغریٰ کا منظر تھا۔ ہر انسان زندہ رہنے کے لئے چیخ وپکار کر رہا تھا لیکن عزہ نور بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ عزہ کو اپنے باپ کے پیروں کے ختم ہونے کی اطلاع مل چکی تھی لیکن شایان کو دیکھ کر بھی اس میں زندگی کی کوئی رمق اور کوئی حرارت اس کے اندر نہیں جاگی۔ زندگی کے یہ کرب ناک لمحے اس وقت شدت اختیار کر گئے جب اسد شایان نے چوہدری نور الٰہی کو اپنا خون دیا تھا۔

''نہیں ڈاکٹر نہیں' یہ میرے گناہوں کی سزا ہے' تم صرف میری عزہ کو بچا لو' جہاں بھی ہے وہ! ... تم ڈھونڈ نکالو وہ زندہ ہے۔ میں نے اسے دیکھا ہے اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ ''کسی عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں'' یہ ارشاد نبویؐ میں بھول گیا تھا۔ ہمارے گناہوں کی یہ سزا ہے کہ ہم قبیلوں اور فرقوں میں بٹ کر یہ سوچنے لگے ہیں کہ ہم اعلیٰ ہیں۔ یہ قیامت صغریٰ دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہم صرف مسلمان ہیں۔ ڈاکٹر شایان ہو سکے تو تم مجھے معاف کر دینا۔ عزہ کو بچانے کی کوشش کرو۔ اسے یہاں سے لے کر کراچی چلے جاؤ۔ ہم لٹ گئے ہیں' سب ختم ہو گیا' صرف عزہ بچی ہے''۔ ڈاکٹر شایان کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ تھا۔ ان کا چہرہ درد اور دکھ سے بھیگ رہا تھا۔ سرد رات کی ہواؤں کے باوجود ان کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ نجانے کس پہر اسد شایان جب پلٹ کر ان کے بیڈ کی طرف آیا تو ڈاکٹر ان کی موت کی تصدیق کر چکے تھے۔ کوئی کسی کیلئے نہیں رُکتا' طبی امدادی کیمپ آہستہ آہستہ اپنا کام کر کے جا رہے تھے۔ کئی تنظیمیں اور حکومت اپنے فرائض میں رات دن مصروف تھیں۔ انہی دنوں عزہ نور کو وہ لے کر کراچی ہاسپٹل لوٹ آیا تھا جہاں عزہ نور کئی ہفتوں تک زیر علاج رہی تھی۔ عزہ کے کئی رشتہ دار عزہ سے رابطہ کر چکے تھے۔ کئی بار شاویز ہاسپٹل اس سے ملنے کیلئے آیا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ہر شخص کیلئے بیگانگی سی نظر آئی۔



''میں نہیں سمجھتا ڈاکٹر مریم! کہ عزہ نور کی یادداشت چلی گئی ہے' اس پر سکتے کی سی کیفیت ہے' وہ اتنے بڑے سانحے سے گزری ہے''۔ ڈاکٹر شایان نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی ڈاکٹر مریم کو بتایا۔

''لیکن ڈاکٹر شایان! اس طرح تم کب تک اسے ہاسپٹل میں رکھو گے' عزہ کے یہاں رشتے دار رہتے ہیں' اس کا فیانسی کئی بار چکر لگا چکا ہے' یو نو میں ان کی فیملی کو اچھی طرح جانتی ہوں''۔ ڈاکٹر مریم نے بڑی دزدیدہ نظروں سے ڈاکٹر شایان کا جائزہ لیا۔

''او کے ڈاکٹر مریم! میں چلتا ہوں''۔

''کیا مطلب؟ بی ہیو یور سیلف' میں ابھی آ کے بیٹھی ہوں اور تم چل دیئے''۔ وہ برا مان کر بولی۔ شایان نے اس کی اس بے تکلفی پر اُسے مسکرا کر ضرور دیکھا لیکن وہ باہر جا چکا تھا۔ ڈاکٹر مریم اسی ہاسپٹل میں اسد شایان کے ساتھ کام

کرتی تھی۔ وہ اسد شایان کی اسسٹنٹ تھی' شروع سے ہی اس نے اسد شایان سے فری ہونے کی کوشش کی لیکن ڈاکٹر اسد شایان ہمیشہ ہی سنجیدہ رہتا اور جب کبھی کبھار عزہ نور اسد شایان سے ملنے آتی تو مریم کو بہت ناگوار گزرتا۔ وہ بار بار اسد شایان پر کوئی نہ کوئی جملے بازی کرتی رہتی۔ عزہ نور کو مریم کے دل کی خبر تھی اس لئے وہ اکثر کہتی۔

''دیکھو شایان! تم بیکار اپنا اور اس کا وقت ضائع کر رہے ہو' تمہیں ڈاکٹر مریم سے اچھی شریک سفر نہیں مل سکتی' وہ میری کزن ہے اور بہت اچھی ہے''۔ تو ہنس کر ڈاکٹر شایان بولا۔

''دراصل عزہ نور! مجھے شریک سفر نہیں شریکِ روح چاہیے''۔ تو عزہ نور گھبرا کر ہنسنے لگتی۔

''میں نے جس کو دل کی گہرائیوں سے چاہا ہے صرف وہی میرا شریک سفر بن سکتا ہے۔ یوں تو زندگی میں بہت سارے مسافر آتے جاتے ہیں اگر ایسا ہے تو تم شاویز سے نہ ملنے کے بہانے کیوں ڈھونڈتی ہو''۔

''دیکھو اسد شایان! میری بات کچھ اور ہے۔ میرے فیصلے کچھ اور ہیں' میں نے کسی کو چاہا ہی نہیں''۔ وہ بڑی صاف گوئی سے مکر جاتی۔

''اور یہاں میری مجبوری ہے کہ میں کسی کو چاہتا ہوں اور وہ ہے عزہ نور''۔

''تم اپنے دل سے یہ یکطرفہ غلط فہمی دور نہیں کر سکتے؟''

''کبھی نہیں''۔ اس نے اپنی گاڑی کی اسپیڈ اور تیز کر دی تھی۔

''اسد شایان......'' وہ چیخی' اس نے بہت تیزی سے بریک لگائی تھی۔

''اگر تم نہ ملیں عزہ! تو یہ ہے ہماری زندگی کا آخری سفر''۔ اس نے عزہ کے چہرے کی طرف دیکھا جس کا چہرہ خوف سے زرد ہو رہا تھا۔

''ایک تو عزہ! تمہیں موت سے بہت ڈر لگتا ہے اور میں تقریباً ہر روز ایک انسان کی موت پر دستخط کرتا ہوں کہ اس کی زندگی ختم ہو چکی ہے''۔

''لیکن شاید تم یہ بھول چکے ہو ایک نئی زندگی جب جنم لیتی ہے تو میرے دونوں ہاتھ اسے سب سے پہلے تھام لیتے ہیں۔ میں ایک گائنی ڈاکٹر ہوں' مجھے زندگی سے پیار ہے' یو نو ڈاکٹر اسد شایان''۔ اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے تم زندگی بانٹتی رہنا لیکن جب تک شاید میری زندگی ساتھ چھوڑ جائے''۔

''یو آر ویری اسٹوپڈ' تم ہمیشہ الٹی سیدھی باتیں کرتے ہو' تم ان خوفناک باتوں سے مجھے کمزور نہیں کر سکتے''۔ عزہ نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا۔

''تو تم ہمیشہ مریم کی باتوں کو سیریس کیوں لیتی ہو۔ اس کی تو شروع سے یہ عادت ہے اس طرح کی الٹی سیدھی باتیں کرنے کی''۔ وہ ہنس پڑا تھا تو وہ بول پڑی۔

''دیکھو اسد شایان! میں اپنے باپ کی نظر میں گرنا نہیں چاہتی' میں نے ان سے وعدہ کیا ہے اور میں تمام عمر اس عہد کو نبھاؤں گی۔ شاویز میری زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔ تم نہیں تو اور کوئی بھی نہیں' یہ میرا خود سے وعدہ ہے''۔

''لیکن میں کسی سے کمیٹڈ نہیں ہوں۔ میری اپنی لائف ہے' پھر تم مجھے یہ سب ہر وقت کیوں یاد دلاتی ہو۔ آئندہ تم مریم کا نام میرے سامنے مت لینا' او کے''۔ اس نے انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے اپنی اور میری گفتگو میں تم شاویز کو بھی نہیں لاؤ گے' ہی از اونلی مائی فرسٹ کزن' نتھنگ ایلس''۔

''لیکن میں جانتا ہوں تم چوہدری نور الٰہی کے آگے سر بھی نہیں اٹھا سکو گی' یہ تو دور کی بات ہے''۔

تھا''۔ اس کے لہجے میں ایک خوشی اتر آئی۔

''مجھے معلوم تھا تم بہت کیئرلیس ہو وہ بھی صرف اپنی حد تک''۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر مسکرایا تو وہ رخ پھیر گئی۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو میں دوسروں کے سامنے خود کو بھول جاتی ہوں''۔ وہ ہنس کر دوبارہ پلٹی۔

''یہی تو تمہاری سب سے بڑی کمزوری ہے جس نے تمہیں بزدل بنادیا''۔ وہ دبے دبے لفظوں میں بولا۔

''غلط بالکل غلط میں نہ کبھی بزدل تھی نہ ہوں''۔ وہ بات گھما گئی۔

''تمہاری زندگی کے فیصلے دوسروں کے محتاج ہیں''۔ پھر وہ اسی موضوع پر پلٹ آیا۔

''ہم جس کے محتاج ہیں اس کے ہم پر احسانات ہیں اسی نے ہمیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا''۔ وہ سر جھکا گئی۔

''لہٰذا اسی لئے اپنی زندگی کے فیصلے دوسروں کے محتاج کردیئے جائیں''۔ اس نے رخ پھیر کر اس کی جانب دیکھا۔

''ہاں اسد شایان! کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جب ہم ہار جاتے ہیں''۔ وہ اسد سے نظریں چرا گئی۔

''آئی ڈونٹ بیلیو کہ ہم ہار جاتے ہیں سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہوتا ہے جیت کیلئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے عزہ نور''۔ اس نے ایک نظر فرنٹ سیٹ پر بیٹھی عزہ پر ڈالی تو عزہ نور سامنے دیکھتی ہوئی اس کا دھیان بٹا گئی۔

''دیکھ کر اسد شایان!''

''کیا ہوا؟'' اس نے بریک لگائی اور پھر پلٹ کر اسی سے پوچھا۔

''کیا ہوا؟'' اسد شایان کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں وہ نظریں چرائے چرائے بولی۔

''تم گاڑی بہت اسپیڈ کے ساتھ چلا رہے ہو''۔

''سو واٹ کیا مرنے سے ڈرتی ہو موت تو ایک دن آنی ہے آج یا کل مگر میں اکیلے نہیں مرنا چاہتا''۔ اس کی نظریں سامنے تھیں مگر ہونٹ مسکرا رہے تھے۔

''تو پھر ڈاکٹر مریم جو ہر وقت تمہارے فراق میں ماری ماری پھرتی ہے اس کے ساتھ تم یہ شوق بھی پورا کرلینا''۔ خود ہی وہ بات کہہ کر ہنسی تھی۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہے مریم تو کریک ہے''۔ وہ ہنس پڑا۔

''نو اسد شایان! وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے تم نجانے کیوں اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کررہے''۔ اس نے پلٹ کر اسد شایان کی طرف دیکھا۔

''ابھی تو میں تمہیں ہی نہیں سمجھ پایا مریم تو بہت مشکل تھیوری ہے جس کو اسٹڈی کرنا شاید اپنے بس کی بات نہیں عزہ نور تو میرے گاؤں کی سیدھی سادی لڑکی تھی میں نے صرف اس کو چاہا ہے''۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنی کار پارکنگ میں روک دی تھی۔

''چلو اترو جلدی فلائٹ اسلام آباد جانے والی فلائٹ کا اناؤنسمنٹ ہورہا ہے''۔ وہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولا تو وہ دو قدم چلنے کے بعد بولی۔

''عید کیلئے جو گفٹ میں نے تمہارے لئے لیا تھا وہ میں نے بیگ گاڑی میں چھوڑ دیا ہے واپسی میں اسے دیکھ لینا''۔ تو وہ بولا۔

''چلو واپسی کا سفر خود بخود کٹ جائے گا''۔

''ڈونٹ وری اتنا اداس ہونے کی ضرورت نہیں''۔ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''میں دو دن صرف مظفر آباد رکوں گی 7 اکتوبر کو ہاسپٹل کا افتتاح ہونے والا ہے پھر میں تم سے صبح کانٹیکٹ کروں

گی ابھی تو فل ٹائم بابا کے اردگرد رہنا ہے نجانے کیا کیا کہہ کر شاویز نے بابا کے کان بھرے ہوں گے اس لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ میں ان کے قریب رہوں''۔

''تو کیا ہوا شاویز ٹھیک ٹھاک بندہ ہے اچھی گزرے گی اس کی تمہارے ساتھ''۔

''شٹ یور ماؤتھ اور میرا سامان اٹھاؤ تم''۔ اس نے ٹرالی کی طرف اشارہ کیا جسے لوڈر تھامنے کیلئے آگے بڑھا تھا۔

''او کے عزہ! ٹیک کیئر''۔ اس نے بڑی حسرت بھری نظروں سے اوجھل ہونے والی عزہ سے کہا تھا۔

''بائے اسد شایان!'' اس کی نظریں خود بخود جھکتی چلی گئیں اور شایان کی نظروں کی تپش اس کے چہرے کو کملائے دے رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا اور شیشے کے اس پار چلی گئی۔

ڈاکٹر اسد شایان گاڑی کی طرف مڑا اور ڈور کھولتے ہوئے گنگنایا۔

''چلیں تو کٹ ہی جائے گا سفر آہستہ آہستہ''

پیچھے سیٹ سے اس نے پلٹ کر وہ بیگ اٹھایا جسے عزہ نور چھوڑ کر گئی تھی۔ بے اختیار اس نے اُسے کھول کر ایک کارڈ اٹھایا تھا جس پر لکھا تھا۔

''صرف عید کے دن کھولنا''

"Wishing you the best of every thing on Eid day and every day-"

''او عزہ! میں اتنے دن پاگل بنا رہوں گا چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی''۔ اس نے کارڈ واپس بیگ میں رکھ کر اپنی سیٹ سنبھالی۔ اس وقت بھی اسد شایان کے ہونٹوں پر بہت پیاری سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی پھر وہ گھر کی جانب چل پڑا۔

☆

عزہ جب اسلام آباد ایئرپورٹ پر اتری تو سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس نے فوراً بیگ کھولا بڑی سی شال لپیٹتے ہوئے وہ ہنس کر بولی۔

''تھینک یو اسد شایان!'' اس کے وجود کی بھینی بھینی مہک اس کے اردگرد پھیلنے لگی۔ اس نے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا دور دور تک اسد شایان کہیں نہیں تھا مگر اس کے وجود کی مہک اس کے دیئے ہوئے تحفے میں رچی بسی تھی وہ اسد شایان کے خیالوں میں گم صم سی بیگ اٹھائے ہوئے جب باہر آئی تو چوہدری نور الٰہی خود اسے لینے پہنچے ہوئے تھے۔

''او بابا!'' جب وہ دوڑ کر چوہدری نور الٰہی کے سینے سے لگی تو اسے یوں لگا جیسے شال میں بسی ساری خوشبو ہوا میں تحلیل ہوگئی ہو خود بخود اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

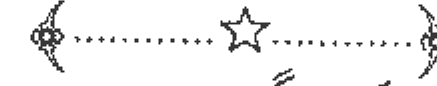
''یہ سب کیا ہے؟'' اس کے دل نے آہستہ سے سرگوشی کی۔ ہلکی ہلکی گرتی ہوئی بارش نے عزہ نور کی آنکھوں پر پانی کی بوندیں برسادیں تھیں جنہیں وہ صاف کررہی تھی۔

☆

یہاں آکر وہ بے حد خوش تھی۔ نئے ہاسپٹل کی افتتاحی تیاریاں خوب زوروں پر تھیں چوہدری نور الٰہی بے حد خوش تھے پر 8 اکتوبر کا دن خوش نصیبی کے بجائے پاکستان کی سیاہ ترین صبح کا خوفناک منظر ثابت ہوا۔ 8 اکتوبر 2005ء 3 رمضان المبارک بروز ہفتہ صبح 8 بج کر 52 منٹ پر 50 لاکھ لوگوں پر اس وقت قیامت ٹوٹ پڑی تھی 8 اکتوبر کے دن زمین کشتی کی طرح ڈول رہی تھی 255 آفٹر شاک ایک دن میں آئے۔ 8 اکتوبر کی رات بھی قیامت سے کم نہ تھی۔ آزاد کشمیر یونیورسٹی گراؤنڈ اسٹیڈیم جلال آباد پارک نیلم اسٹیڈیم اور یونیورسٹی کیمپس میں لوگ

''تو پھر ٹھیک ہے' میں بولنے کے بجائے ہمیشہ ان کے سامنے خاموش ہو جاؤں گی۔ لیکن عہد شکنی نہیں کر سکتی' سمجھے ڈاکٹر شایان''۔ اسد شایان نے ایک جھٹکے سے بریک لگائی۔

''تو تم بول سکتی ہو' بس تم اپنے عہد کو نہیں توڑنا چاہتیں' شاید اسی لئے تم نے اپنے ہونٹ ہمیشہ کیلئے سی لئے ہیں' لیکن میں بھی ڈاکٹر اسد شایان ہوں' تمہیں بولنے پر مجبور کردوں گا' تمہاری زندگی کا فیصلہ تم نے باہوش و حواس کرنا ہے۔ میں تمہیں روایات اور خاندانی رسم و رواج کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتا' سمجھیں عزہ نور''۔ تو چپکے سے عزہ نور اس کی فرنٹ سیٹ پر آکے بیٹھ گئی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا' تو وہاں کوئی نہیں تھا' عزہ نور کا بس ایک خیال اسے چھو کر گزرا تھا۔



تین ہفتے کے بعد عزہ نور ''عزہ ولاز'' شفٹ کر دی گئی۔ اسد شایان روزانہ ہی اسے چیک کرنے عزہ ولاز آتا۔ ایک نرس ڈیوٹی پر مقرر کر دی گئی تھی جو عزہ کے ساتھ ہی رہتی۔

''دیکھو عزہ! آج ٹھنڈ بہت زیادہ ہے یہ سوئٹر تم نے مجھے گفٹ دیا تھا۔ آج میں اس کو پہن کر آیا ہوں' کیسا لگ رہا ہوں؟'' لیکن عزہ کی آنکھوں میں ویرانی اور دکھ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

''تم نے آج کی دوالی؟'' اس نے عزہ کا ٹمپریچر لیتے ہوئے پوچھا۔

''سر! میڈم کو صبح سے ٹمپریچر ہے''۔ نرس فاطمہ نے ڈاکٹر شایان کو بتایا تھا۔

''لیکن اس وقت بہت معمولی ٹمپریچر ہے' تم رات پھر انہیں میڈیسن دینا''۔ اسد شایان نے نرس کو ہدایات دیتے ہوئے عزہ کی فائل بند کر کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔

''دیکھو عزہ! وقت بہت گزر چکا ہے اب تمہیں نارمل ہو جانا چاہیے۔ تم اپنی نارمل لائف پر لوٹ آؤ۔ تمہارا کلینک تمہارے بنا بہت اداس نظر آتا ہے۔ یونو عزہ! تمہارا اسٹاف تمہیں بہت مس کر رہا ہے اور عزہ پلیز تم پہلے والی عزہ بن جاؤ' میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں''۔ اسد شایان نے اس کے جھکے ہوئے سر کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اٹھایا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں ہنوز وہی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ رات کی تاریکی ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی نیلگوں آنکھوں میں گر رہی تھی اور ڈاکٹر اسد شایان کا دل اس وقت کسی کھنڈر کی طرح ویران ہو گیا۔ ماحول میں بڑی خاموشی اور اداسی طاری تھی۔ اس نے ونڈو سے پردے ہٹا کر باہر کی جانب دیکھا۔ بہت دور تک اضمحلال طاری تھا' سیاہ رات کی تاریکی میں کوئی بھی روشن ستارا سمندر کے سیاہ اندھیرے میں روشن نہ تھا۔ کرب و بے حسی کے سارے تار رات کے پہر سے جڑے ہوئے تھے۔ رات کسی پاگل کتے کی طرح سڑکوں پر چیخ رہی تھی جب اسد شایان اسے نیند کا انجکشن دے کر اس پر بلینکٹ ڈال کر کمرے سے باہر جانے کیلئے مڑا پھر فوراً ہی وہ نرس کے پاس آ کے بولا۔

''پیشنٹ کیلئے یہ بھی بہت ضروری ہے کہ وہ بہت پیس فل انوائرمنٹ میں رہے۔ فاطمہ آپ اس بات کا خیال رکھیں' اب میں چلتا ہوں''۔

''سر! میڈم دن میں بہت ڈسٹرب رہتی ہیں۔ اکثر لوگ ان سے ملنے آتے جاتے ہیں اور سوالات بھی کرتے ہیں۔ سر میں اس وقت کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میڈم اکثر پریشان ہو جاتی ہیں' ہر کوئی ان کو یاد دلانے کی کوشش کرتا ہے''۔ سسٹر فاطمہ نے ڈاکٹر اسد شایان کو انفارم کیا۔

''ٹھیک ہے فاطمہ! پھر بھی تم اپنی طرف سے کوشش کرو کہ عزہ زیادہ سے زیادہ ریلیکس رہے''۔

''سر! میری پوری کوشش یہی ہوتی ہے پھر بھی سر آپ انہیں دوبارہ کسی پرائیویٹ ہاسپٹل میں شفٹ کر دیں تو بہتر ہے''۔

''نہیں فاطمہ! ہم ایسا نہیں کر سکتے' عزہ کی باقی فیملی والے اسے یہاں لے کر آئے ہیں' میں صرف اس کا ڈاکٹر ہوں اور کچھ نہیں''۔

''لیکن سر......'' سسٹر کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھی کہ ڈاکٹر اسد شایان اسے اگنور کرتے جا چکے تھے۔



آج صبح ہی سے عزہ کی تائی' شاویز کی ماں آئی ہوئی تھیں۔

''یہ کیا تم ہر وقت سائے کی طرح اس کی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہو' یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے' جب یہ صدمے سے باہر آئے گی تو خود ہی بولے اور ہنسے گی اور میں تو سمجھتی ہوں کہ بس ایک دو ماہ میں شاویز سے اس کی شادی کر دی جائے' مجھ پر بھائی نور الٰہی کی طرف سے یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے''۔ تو چوہدری نور الٰہی کی بہن جو کہ عزہ کے ساتھ ہی آ گئیں تھیں بولیں۔

''اتنا بڑا دکھ ماں و باپ' بہن بھائی' اتنا بڑا کنبہ پورا کا پورا زمین میں سما گیا' کیسے وہ بے چاری ہوش میں آئے گی' پھر وہ ڈاکٹر اسد شایان اس کو روز دیکھنے آتا ہے' وہ تو یہی کہتا ہے کہ انہیں زیادہ تنگ نہ کرو''۔

''کوئی نہیں' ڈاکٹر تو ایسے ہی بول رہا ہے' ساری ذمے داری تو ہم پر آ گئی ہے پھر دیر کس بات کی' اگر یہ زلزلہ نہ آتا تو بھائی نور الٰہی نے اب تک ان کی شادی کر دی ہوتی''۔

''مجھے اس بارے میں کوئی خبر نہیں کہ بھائی کا ایسا ارادہ تھا''۔

''لو تاریخ رکھتے تو خبر ہوتی''۔

''میں تو مظفر آباد میں بھائی نور الٰہی کے ساتھ ساتھ تھی''۔

''ہاں تمہاری قسمت''۔

''کیا مطلب؟'' پھپھو زینب نے اپنی بڑی بھاوج سے پوچھا۔

''سب مر کھپ گئے نجانے تو کیسے بیٹھی رہ گئی''۔

''ہاں تجھے میری حیاتی کا بڑا دکھ ہے''۔

''پلیز! آپ لوگ ان کے سامنے یہ سب ڈسکس نہ کریں''۔

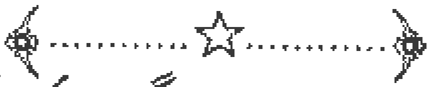
''لو کیوں اب ہم اپنے ہی گھر میں بات بھی نہ کریں''۔

''ہاں یہ سسٹر ٹھیک کہہ رہی ہے' ڈاکٹر بھی یہی کہتا ہے''۔ تو جھٹ تائی بولی۔

''وہ تو یہ بھی بولتا ہے کہ جب تک عزہ پہلے جیسی نہ ہو جائے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو کیا ہم شاویز کو بٹھا کر رکھیں گے' وہ اگلے ماہ یورپ ٹور پر جا رہا ہے' نجانے کب پلٹ کر آئے' میں تو اس کی شادی کر کے بھیجوں گی''۔ تو نرس ایک بار پھر بولی۔

''پلیز! آپ لوگ دوسرے روم میں چلی جائیں' دیکھیں میڈم اس ٹائم کچھ فیل کر رہی ہیں' ان کے چہرے سے فیل ہو رہا ہے''۔

''عزہ! پہچان میں تیری تائی ہوں''۔ لیکن عزہ کی نیلگوں آنکھوں میں سیاہ رات کے اندھیرے پھیل رہے تھے۔ وہ ان کی باتیں سن کر سر نیواڑے بیٹھی رہی۔



''ڈاکٹر اسد شایان!'' ڈاکٹر مریم ہاسپٹل کے روم میں بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

''ڈاکٹر مریم! میں صرف اپنے پیشنٹ کو چیک کرنے ہی آیا تھا' وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے' ڈاکٹر سکندر ان کی دیکھ

بھال کر رہے ہیں' میری ضرورت نہیں ہے اتنی' میں اب جا رہا ہوں''۔ اس نے ہاسپٹل کی راہداری میں تیز تیز چلتے ہوئے گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

''ڈاکٹر اسد شایان! آپ اس وقت کس طرف جا رہے ہیں؟'' ڈاکٹر مریم بھی اس کے ساتھ تیز تیز چلی۔

''واٹ ڈو یو مین میں کس طرف جا رہا ہوں؟'' ڈاکٹر شایان نے مڑ کر ڈاکٹر مریم کو دیکھا۔

''میرا مطلب ہے اگر آپ ڈیفنس کی طرف جا رہے ہیں تو مجھے قریب ہی نرسری تک ڈراپ کر دیں''۔

''نو سوری' میں ڈیفنس کی طرف جا رہا ہوں''۔ اسد شایان چلتے ہوئے بولا۔

''اس کا مطلب ہے آپ عزہ کی طرف جا رہے ہیں''۔

''شیور' میں رات میں ایک بار اسے لازمی چیک کرتا ہوں کہ اب وہ کیسی ہے''۔

''یہ کہو آپ عزہ سے ملنے کا بہانہ چاہتے ہو' آئی نو دیٹ''۔

''فی الحال وہ میری پیشنٹ ہے اور کوئی سوال؟'' وہ چلتے چلتے رک گیا۔

''اسد شایان! اگر میں آپ کے ساتھ عزہ سے جا کر مل لوں؟''

''نو سوری' آج ویسے بھی وقت بہت کم ہے' عزہ کو دیکھنے کے بعد مجھے کئی ضروری کام کرنے ہیں''۔ اس نے بے اعتنائی سے کہتے ہوئے آگے قدم بڑھا دیئے۔ لیکن مریم سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اپنے احساسات کو ظاہر کیے بغیر اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔

''وہ اہم کام کیا ہو سکتے ہیں؟'' وہ رک کر بولی تو وہ بولا۔

''دیکھو مریم! میرا پیچھا آپ چھوڑ کیوں نہیں دیتیں' آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے''۔

''یہی بات میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں ڈاکٹر اسد شایان! کہ آپ کیوں نہیں سمجھتے''۔

''کیا ہے سمجھنے کیلئے؟'' ڈاکٹر شایان جھنجلا کر پلٹا تو وہ بڑی بے حسی سے دیکھ کر مسکرائی۔

''عزہ نور کی بہت جلد شادی کر دی جائے گی' شاویز نیکسٹ منتھ اپنے بزنس ٹور پر جانے والا ہے''۔ اس نے یہ کہہ کر شایان کے چہرے پر ایک تجسس بھری نظر ڈالی تو وہ سوچ کر اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

''سو واٹ ڈاکٹر مریم! ایک دن تو ایسا ہونا ہے' آپ مجھے یہ ساری اطلاعات کیوں دے رہی ہیں؟'' اس وقت واقعی اس کا لہجہ مایوس کن تھا۔ جس کو مریم نے بھی محسوس کیا لیکن پھر بھی اپنے محسوسات چھپا کر بولی۔

''اسد شایان! آپ کو شاید یاد نہیں تھا شاویز ہمارا کزن ہے اور عزہ بھی میری کزن ہی ہوتی ہے''۔ چلتے چلتے مریم نے پھر ایک بار اسے چونکا دیا تھا۔

''یس آئی نو''۔ ڈاکٹر اسد شایان گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا تو مریم کو دل میں ایک خوشی سی محسوس ہوئی۔

''میں چاہتی ہوں کہ آپ عزہ نور کو بھول جاؤ' وہ آپ کی کبھی نہیں بن سکے گی''۔ مریم نے ایک بار پھر اس کے دل کو دکھا دیا۔

''ڈاکٹر مریم! میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ بحیثیت ایک ڈاکٹر کے میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ پورے ہوش و حواس میں آ کر کرے''۔ ڈاکٹر اسد شایان کا لہجہ بڑا مایوس کن تھا۔

''لیکن وہ عزہ کے اپنے ہیں' وہ عزہ کا برا تو نہیں چاہیں گے''۔ مریم نے ڈاکٹر اسد شایان کا دل ٹٹولا۔

''لیکن یہ کسی انسان کے ساتھ اتنا اچھا بھی نہیں ہوگا مریم! آپ خود سوچو ایک ڈاکٹر ہو' کیا آپ ان کا ساتھ دے سکتی ہو؟'' وہ اس بار مریم سے سوال کر بیٹھا۔

''میں نے خود کو اس معاملے سے بہت دور رکھا ہے' شکوک و شبہات انسان کو بہت دور لے جاتے ہیں اسی لئے میں چاہتی ہوں کہ میں عزہ نور کو جا کر آپ کے ساتھ دیکھ آؤں''۔

''ڈاکٹر مریم! آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟ آپ میرے اتنے قریب تھیں اور کسی کے دور ہو جانے کی فکر آپ نہ کریں''۔ ابھی اس نے جملہ پورا ہی کیا تھا بپ کی آواز پر اس نے سیل پر نمبر دیکھا اور وہ بہت تیز رفتاری سے اپنی کار کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

☆

رات بہت سیاہ اور تاریک تھی۔ سرد ہوائیں بھی چل رہی تھیں' وہ بہت تیز رفتاری سے کار ڈرائیو کرتا ہوا ''عزہ ولاز'' کے گیٹ پر رکا تو گارڈ نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ اگلے ہی لمحے عزہ کے روم میں موجود تھا۔

''کب اور کیسے؟ کیا آپ نے میڈیسن وقت پر نہیں دیں؟'' اس نے عزہ کے تھرمامیٹر لگاتے ہوئے سسٹر فاطمہ سے پوچھا تو وہ بولی۔

''سر! یہ بہت زیادہ ڈسٹرب ہیں' کل سے میڈم نے کچھ نہیں لیا نہ کوئی میڈیسن لے رہی ہیں نہ ہی کوئی لیکوڈ چیز اور گھر میں بھی ان کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں' جس کی وجہ سے یہ بے حد ڈسٹرب ہیں''۔ اس نے ایک نظر عزہ پر ڈالی اور ڈاکٹر شایان کو بتایا۔

''دیکھیے سسٹر! یہاں پر میں مجبور ہو گیا ہوں' یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے' کوئی بھی مجھ سے کوآپریٹ نہیں کر رہا' خود عزہ نے اپنے اوپر مایوسی طاری کر رکھی ہے''۔ ڈاکٹر شایان کی نظریں عزہ نور کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''لیکن ڈاکٹر! ان کی پھپھو بھی اتنی جلدی شادی کے لئے رضامند نہیں ہیں لیکن شاویز سر اور ان کی ماں کو نجانے کیوں اتنی جلدی ہے' سر میں جہاں تک سمجھی ہوں پیشنٹ کے ہوش میں آ جانے پر ایسا نہیں ہو سکے گا' شاید اسی لیے وہ لوگ جلد بازی سے کام لے رہے ہیں' سر پلیز یہ میری فیلنگز تھیں''۔ سسٹر فاطمہ نے بڑے التجائی انداز میں ڈاکٹر اسد شایان کو دیکھا۔

''یو رائٹ سسٹر!'' اس نے عزہ پر ایک غصے بھری نظر دوبارہ ڈالی۔

''سسٹر! آپ ان کا ٹمپریچر کم کرنے کی کوشش کریں''۔ ڈاکٹر اسد شایان خود بھی اس ٹائم سسٹر کی ہیلپ کرتے ہوئے بولا۔

''عزہ پلیز! تم کوآپریٹ کرنے کی کوشش کرو' تم اتنی تو سینس میں ہو کہ سب کو جانتی اور پہچانتی ہو پھر کس لئے ایسا کر رہی ہو؟ عزہ یہ سانحہ صرف تم پر نہیں گزرا' میں نے بھی اپنے گھر والوں کو کھویا ہے' میری ماں' میرا باپ' میرے جوان بہن بھائی سب اسی مٹی کے نیچے زندہ دفن ہو گئے' مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہے جتنا تمہیں لیکن ہم مجبور اور بے بس ہیں' یہ آفاقی سانحہ تھا' کوئی حادثاتی واقعہ نہیں''۔ ڈاکٹر شایان نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں کہہ کر اپنا چہرہ دوسری طرف کر کے دیکھنے لگا تو عزہ نور کی نظریں خود بخود اس کے چہرے کی طرف اٹھیں تو اس نے جلدی سے پلٹ کر عزہ کی آنکھوں میں دیکھا جہاں زندگی کی تھوڑی سی حرارت محسوس ہوئی تھی۔

''عزہ......'' ڈاکٹر شایان پلٹ کر بولا تو عزہ کی نظریں خود بخود واپس جھکتی چلی گئیں' ڈاکٹر شایان نے گہری سانس لی اور بہت دکھ بھری نظروں سے عزہ کو دیکھا۔

''میں جانتا ہوں عزہ! تم کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں' تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہارے آنکھ بند کر لینے سے' تمہاری خاموشی سے اسد شایان لوٹ تو جائے گا بٹ دس از ناٹ فیئر کہ عزہ نور تم سب جانتے ہوئے بھی خاموش ہو۔ ٹھیک

ہے عزہ نور! شاید اب ہمارے اور تمہارے درمیان دو چار دن باقی ہیں' میں یہ شہر یہ ملک ہی چھوڑ کر چلا جاتا ہوں مگر تم اپنی زندگی کا فیصلہ باہوش وحواس کرلو'۔ عزہ نور کو بہت شدید کھانسی' فلو اور بخار تھا۔ اس نے جان بوجھ کر آنکھیں بھینچ رکھی تھیں تاکہ وہ اسد شایان کو نہ دیکھ سکے مگر جب ڈاکٹر شایان جانے کیلئے مڑا تو عزہ نور جاتے ہوئے شایان کو دیکھ رہی تھی۔ جاتے جاتے ڈاکٹر شایان کو کچھ یاد آیا تو وہ پلٹا' عزہ نور کی بند ہوتی آنکھیں ڈاکٹر شایان نے دیکھ لی تھیں۔

''او آئی سی عزہ!'' ڈاکٹر شایان نے دل ہی دل میں کہا پھر کچھ سوچا اور گہری خاموش ہوئی عزہ کو دیکھا اور مایوسی سے لوٹ گیا۔ جب وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھا تو بڑی بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے ایک نظر ''عزہ ولاز'' پر ڈالی۔ دھول' مٹی' غبار' جنت نظیر علاقے' ٹوٹے پھوٹے مکانات' زخمی لوگ' لاشوں اور تباہی وبربادی کی شکل نوحہ کناں تھے۔ ہر طرف موت کا رقص' اداسی بال کھولے جیسے سو رہی ہو' یہ مناظر دل ودماغ پر ابھی تک نقش تھے۔ 8 اکتوبر کو زلزلے کے نتیجے میں بننے والی سب سے بڑی اجتماعی قبر اس آفات ناگہانی کا وہ بھی ایک حصہ تھا لیکن مسیحا بن کر وہ سب کو زندگی دے رہا تھا' اس نے بے بسی سے کار اپنی منزل کی سمت ڈال دی۔ ''عزہ ولاز'' کا بڑا سا گیٹ بند ہوا تب وہ سڑک پار جاچکا تھا۔



عزہ اس کے جانے کے بعد بے حد بے چین اور بے قراری اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک ہی جملہ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

''تم اپنی زندگی کا فیصلہ باہوش وحواس کرلو''۔

''تو وہ سب کچھ جانتا ہے میرے بارے میں پھر اگر میں اتنی بڑی قربانی دے بھی دوں' شاویز کی ہو جاؤں' اپنے باپ کے وعدے پر میں قربان ہو جاؤں پھر بھی ڈاکٹر اسد شایان مجھے معاف نہیں کرے گا''۔ عزہ کے چہرے پر دکھ اور اداسی چھلک رہی تھی۔

''کیا عزہ نور! تمہارے ایسا کرنے سے تم اس کے زخم بھر سکو گی' تم خود زخم خوردہ ہو' اسد شایان بھی تمہاری طرح خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ شاویز جو تمہاری زندگی میں کل آنے والا ہے اسے تمہارے دکھ اور خاموشی کا احساس ہے' بس وہ صرف تمہارے باپ کی چھوڑی ہوئی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے جو اس مٹی کے نیچے دب کر بھی ختم نہیں ہوئی۔ وہ مٹی کے ڈھیر آج بھی سونے کی کان کی طرح عزہ نور کا رستہ روک رہے ہیں۔ خاندانی رسم ورواج سب زندہ ہیں۔ تم دو چار دن میں شاویز کی بن جاؤ گی' کیا عزہ نور اس آفات ناگہانی سے یہ سونے کی کانیں اور رسم ورواج صفحہ ہستی سے مٹا نہیں سکتیں؟ نہیں نہیں عزہ نور یہ سب تمہارے فیصلے پر تم پر انحصار کرتا ہے''۔ عزہ نور کو شدید کھانسی آنے لگی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''پانی.....'' پہلی بار عزہ نور نے ایک لفظ سسٹر فاطمہ کے سامنے ادا کیا۔ سسٹر فاطمہ نے گھبرا کر عزہ نور کو دیکھا جس کا چہرہ بالکل نیلا پڑ رہا تھا' فاطمہ نے گھبرا کر اسد شایان کا سیل نمبر ملایا مگر وہ آف تھا۔ اس نے دوسرے نمبر پر بھی ٹرائی کیا' اس کے تینوں نمبرز آف تھے۔

''او مائی گاڈ! یہ کیا ہو رہا ہے''۔ فاطمہ نے جلدی سے شاویز کا نمبر ڈائل کیا۔

''جی سر! آپ جلدی آجایئے' عزہ بی بی کی طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں لگ رہی' آپ جلدی آجائیں''۔ شاویز فون اٹھائے لاؤنج کی جانب بڑھا' رات 3 بجے کا پہر تھا۔

''عزہ نور! تم کیوں بچ گئیں؟ اتنی بھیڑ میں تمہارا بچ جانا معجزہ نہیں میری بدنصیبی ہے' کاش تم اسی مٹی میں خاک ہو جاتیں تو تم تمام عمر ہمارے گلے سے تو نہ اٹکی رہتیں' کاش ایسا ہوتا عزہ! کہ میں اس چوہدری فیملی کا اکلوتا وارث کہلاتا اور اب مجھ سے سسٹر فاطمہ تمہاری زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے' خیر عزہ نور! میں اتنا ظالم بھی نہیں' تم خود ہی اس احساس کے ساتھ مرجاؤ گی کہ تم ایک ہاتھ سے معذور ہو' میں پھر تمہارے خون سے ہاتھ کیوں رنگوں' ڈاکٹر اسد شایان

بھی اب تو مایوس ہوتا جا رہا ہے' خیر اپنی وے''۔ اس نے اپنا سیل اٹھا کر بٹن پش کیا۔

''ہیلو ڈاکٹر مریم! عزہ نور کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اسد شایان کا سیل بند ہے تم کسی صورت سے اگر کانٹیکٹ کر سکتی ہو تو یار اسے جا کر دیکھ لو''۔ وہ نیند سے بوجھل آواز میں ڈاکٹر مریم سے مخاطب تھا۔

''ڈیٹ از ناٹ فیئر شاویز! وہ تمہاری فیانسی ہے اس وقت اسے تمہاری ضرورت ہے' تم وہاں پہنچنے کی کوشش کرو' میں بھی وہاں پہنچتی ہوں''۔

''او نو مریم! تم پہلے اس کی کزن ہو پھر دوست اور پھر اس کی ڈاکٹر۔ پلیز مریم! اس کی ہیلپ کرو' میں سونے جا رہا ہوں' تم اسد شایان سے کانٹیکٹ کرلو اور ہاں اب مجھے دوبارہ کال مت کرنا' میں سیل آف کر رہا ہوں''۔

''شاویز' شاویز..... میری بات تو سنو''۔ لیکن وہ سیل آف کر چکا تھا۔

''او مائی گاڈ! عزہ کو ڈپریشن کا دورہ پڑا ہو گا' شام میں اسد شایان اس سے مل کر آیا ہے اگر میں ایسا نہ کروں تو.....'' اس کے سیل پر بھی بپ کی آواز ہوئی تو اس نے جھک کر دیکھا' اس نے غیر ارادی طور پر کال اٹھا کر ریسیو کی۔

''ڈاکٹر مریم!''

''یس!''

''ڈاکٹر عزہ نور کی طبیعت اس وقت بہت خراب ہے' پلیز کچھ میری ہیلپ کریں''۔

''او نو! بے چاری عزہ سب کچھ ہار چکی ہے' رشتے دار' گھر اور اسد شایان کو بھی اور اب زندگی ہار دے گی ایک دن۔ بہت زیادہ حساس ٹوٹ کر چاہنے والی فیلنگز رکھتی ہے' میں جانتی ہوں عزہ! تمہیں اسد شایان کو کھو دینے کا جو دکھ ہے اس نے تمہیں ہر طرف سے مایوس کر دیا ہے لیکن تمہارا فیصلہ ٹھیک ہے تم نے ٹھیک سوچا ہے' اسد شایان کے ساتھ تمہیں قدم قدم پر اپنی محرومی کا احساس ہو گا اور چوہدری شاویز کی بیوی بن کر تم ایک اچھی زندگی گزار لوگی' یہ میں جانتی ہوں''۔ اس نے جلدی سے ایمرجنسی میں کال کی اور عزہ ولاز پہنچی تھی۔ وہ اسد شایان کے سامنے افیشنٹ بننا چاہتی تھی' اس نے بھاگ کر عزہ نور کو ایمبولینس میں ڈالا اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے ہاسپٹل لے آئی تھی۔ عزہ ابھی تک بے ہوش تھی اور اسی بے ہوشی کی حالت میں اسے ہاسپٹل لایا گیا تھا۔ ڈاکٹر مریم نے بہت دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیئے تھے مگر اس احساس کے ساتھ کہ اسد شایان اس کے رویئے کو محسوس کر سکے اور عزہ نور جب اس کی زندگی سے نکل جائے تو وہ اسے اپنی زندگی میں شامل کرے۔

''او نو.....'' اسد شایان کی نظر سامنے وال کلاک پر پڑی تو گھبرا کر اٹھا۔ ہاسپٹل جانے میں اسے بہت دیر ہو چکی تھی' بہت تیزی سے اس نے شاور لیا اور چینج کرنے کے بعد دوڑتا ہوا بغیر بریک فاسٹ کے وہ جلدی جلدی جانے کے لئے روم سے باہر آیا۔

''بریک فاسٹ تیار ہے سر!'' ملازم نے بڑھ کر ڈائننگ روم کا دروازہ کھولا۔

''تھینکس' آل ریڈی میں لیٹ ہو چکا ہوں''۔

OT میں جونہی وہ داخل ہوا سب سے پہلے خبر اسے مریم ہی دینا چاہتی تھی اس لئے وہ تیز تیز چلتی ہوئی اسد شایان کے پاس آئی۔

''ڈاکٹر اسد شایان! رات آپ نے اپنے سارے سیل بند کر دیئے تھے' مجھے جونہی اطلاع ملی میں عزہ نور کو لے کر ہاسپٹل پہنچی' رات پھر اسے ڈپریشن کا دورہ پڑا' وہ ابھی تک ایمرجنسی وارڈ میں ہے اور پہلے سے بہت بہتر ہے۔ اسد!

تم پریشان مت ہو میں جو کچھ اس کے لئے کر سکتی تھی وہ میں نے کیا ہے لیکن اسد شایان! ایسا کیوں ہوا؟ کل آپ اس سے ملنے گئے تھے۔ سینس اسد سینس"۔ ڈاکٹر مریم اس کے پیچھے لپکی مگر وہ بہت تیزی سے بھاگتا ہوا ایمر جنسی وارڈ کی جانب بڑھا تھا۔

عزہ نور سفید چادر اوڑھے بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں اس کی بند تھیں اور ابھی تک ایمر جنسی میں اس کے پاس ایک ڈاکٹر موجود تھا۔

"کیسی ہو عزہ؟" اسد شایان نے بھاگ کر اس کا ہاتھ پکڑا' عزہ نے آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔

"ڈاکٹر اسد شایان! آپ باہر آئیں"۔ ڈاکٹر محسن اقبال نے اسد شایان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا' اسد شایان نے مڑ کر انہیں دیکھا اور باہر نکل گیا۔

"دیکھو ڈاکٹر اسد شایان! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو' یہ تو آپ شکر کریں کہ بروقت ڈاکٹر مریم نے انہیں بچالیا اور اب یہ ڈاکٹر مریم کے ہی زیر علاج ہیں' ریلیکس ڈاکٹر اسد! اتنا گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔ ڈاکٹر محسن نے اسے تسلی دی۔ ڈاکٹر اسد شایان نے بے بسی سے ہاتھ ملا' اپنے سر کو تھام لیا۔

"کم آن ڈاکٹر اسد!" ڈاکٹر مریم نے اس کے قریب آ کے کہا تو اس نے چونک کر ڈاکٹر مریم کو دیکھا۔ ڈاکٹر اسد شایان کی آنکھیں ریڈ ہو رہی تھیں۔

"پہلی بار ڈاکٹر مریم! میں نے ایسا کیا کہ اپنے تمام سیل آف کر دیئے' کل میں زندگی سے بہت مایوس لوٹا تھا' میں کوئی کال کوئی آواز نہیں سننا چاہتا تھا' یہ میں نے کیا کیا؟ تھینکس ڈاکٹر مریم! کہ تم نے ڈاکٹر عزہ کو بچایا"۔ ڈاکٹر اسد شایان نے بڑی تشکر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ڈاکٹر مریم سے کہا۔

"تھینکس کس بات کا ڈاکٹر اسد! عزہ سے میرے کئی رشتے ہیں' کزن' دوست اور اب....." ڈاکٹر اسد شایان نے گھبرا کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا تو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اور اب یہ میری پیشنٹ ہے' ڈونٹ وری میں اس کا بے حد خیال رکھوں گی' ناؤ شی از پرفیکٹ"۔

"تھینکس ڈاکٹر مریم!"

"اوکم آن اسد!" وہ بے تکلفی سے بولی۔



شاویز کی ماں کا صبح صبح فون آیا تھا زینب پھپھو کے پاس۔

"رات کیا ہوا تھا عزہ کو؟ شاویز بتا رہا تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں"۔ تائی اماں نے پوچھا تو پھپھو بولیں۔

"لو یہاں تو قیامت سر سے گزر گئی اور تم پوچھ رہی ہو کہ کیا ہوا۔ ارے مریم کو ہم نے فون کیا گھبرا کر' ڈاکٹر اسد شایان کا تو فون ہی نہیں مل رہا تھا' ہم کہاں بھاگتے دوڑتے۔ میں نے سسٹر سے کہا مریم کو فون لگاؤ' مریم تو فٹافٹ ایمبولینس لے کر آئی اور اسے ہاسپٹل لے گئی' تب جان میں جان آئی' میرے بھائی کی آخری نشانی ہے وہ"۔ پھپھو رنجیدہ لہجے میں بولیں تو تائی اماں بولیں۔

"اسی لئے کہتی ہوں کہ اس کا نکاح شاویز سے ہو جائے' کم سے کم ایک سے بھلے دو تو ہوں گے اور وہاں تو گھوڑے بیچ کر سوتی ہو' یہاں تو میری دو دو بیٹیاں ہیں' کوئی نہ کوئی تو اس کو سنبھال لے گا"۔

"میں ہاسپٹل عزہ کے پاس جا رہی ہوں"۔ پھپھو بولیں تو تائی اماں غصے سے بولیں۔

"ہاں جاؤ تم' تم ہی لوگوں کا کیا دھرا ہے سارا' عزہ کی تم بڑی مالک بنی پھرتی ہو"۔

"کیا مطلب ہے بھابی! عزہ میرے بھائی کی نشانی ہے' میرا خون ہے"۔

"ہاں ہم تو جیسے اس کے دشمن لگتے ہیں' ٹھیک ہے میں فون رکھتی ہوں"۔ تائی اماں نے غصے سے کہا اور فون رکھ دیا۔

زینب پھپھو کچھ سوچتی ہوئی خود سے بولیں۔

"طبیعت اس کی ٹھیک نہیں' بھابی کو شادی کی پڑی ہے' ساری دولت جو ہاتھ آئے گی اس لئے' خود عزہ بھی تو چپ لگا کر بیٹھ گئی ہے ورنہ پھر میں بتاتی سب کو' کس چیز کی کمی ہے عزہ کے پاس۔ میری سونے جیسی عزہ کو خاندان اور رسموں کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا"۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ انہیں اپنا وقت یاد آ گیا۔ خاندان میں کوئی رشتہ نہ ملا' لاکھ غیروں کے رشتے آئے' ابا اور بھائی کو تو بس اپنوں میں دینا تھا۔ یوں وہ گھر میں بیٹھ کر بوڑھی ہو گئیں' ساری امیدیں سارے خواب ٹوٹ گئے۔ کسی ایک لڑکی کے دل سے کوئی پوچھے کہ کتنے ارمان ہوتے ہیں کہ اس کا اپنا گھر ہو' لیکن نہ اماں ان کے حق میں بے بس رہیں' ابا رسموں کے غلام بنے رہے' بھائی چوہدری نور الٰہی اپنی پگڑی کو نیچے نہ کر سکا اور ان کو اپنے سے نیچی ذات میں نہ بیاہ سکے' آخری وقت میں کیسے بھائی نور الٰہی معافی مانگ رہا تھا۔

"مجھے معاف کر زینب! یہ رسم و رواج سب جھوٹے ہیں' ذات پات کچھ نہیں' اللہ اور اس کا رسول اور قرآن ایک ہیں' عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں' معاف کر دے زینب! میری عزہ کو تو بچا لینا' مجھ سے جو غلطی ہوئی ہے وہ تم مت دہرانا"۔

"لیکن عزہ کچھ بولے تو میں کچھ کروں' مجھے تو بھابی آنکھیں دکھاتی ہیں' شاویز بھی اکڑ کر چلتا ہے"۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے سر پر چادر ڈالی اور ڈرائیور کے ساتھ ہاسپٹل کیلئے نکلیں۔



میڈیکل رپورٹ کے مطابق عزہ نور صرف شدید ڈپریشن میں مبتلا تھی۔ دوسرے ہی دن عزہ نور اسپیشل وارڈ میں شفٹ کر دی گئی۔ ڈاکٹر مریم تمام حالات سے بخوبی واقف تھی اسی لئے اس نے مریض کی ذہنی کیفیت پر ایک لمبا ڈسکشن ڈاکٹر اسد شایان سے کیا تھا۔ ڈاکٹر مریم کا کہنا تھا کہ وہ جس بھی حالت میں ہے اور اس کی فیملی والے اس کی زندگی کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں مگر ڈاکٹر اسد شایان کا کہنا تھا کہ ذہنی طور پر مریض متاثر ہو سکتا ہے اور اس کا کوئی بھی ری ایکشن ہو سکتا ہے۔

"لسن ٹو می اسد شایان! یوں تمہارا بار بار اس سے ملنا اس کی ذہنی کیفیت کو متاثر کر رہا ہے"۔

"نو ڈاکٹر مریم! میں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز اس کے ذہن کو ڈسٹرب کر رہی ہے' میں اس کا ڈاکٹر ہوں' میں نے بہت مشکل وقت میں اس کا ساتھ دیا ہے' میں اس حالت میں اسکو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ سوری ڈاکٹر مریم! اور نہ ہی میں کسی کو اس کی اجازت دے سکتا ہوں۔ کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ عزہ نور کس مٹی کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی ہے"۔ اسد شایان دکھی لہجے میں بولا تو ڈاکٹر مریم پھر بول پڑی۔

"ڈاکٹر اسد شایان! یہ میرا فیصلہ نہیں پورے بورڈ کا فیصلہ ہے اور ڈاکٹر عزہ نور کی میڈیکل رپورٹ ٹاپ ٹین کے چھ ڈاکٹرز پر مشتمل ہے پھر تم کیسے انکار کر سکتے ہو"۔

"ڈاکٹر مریم! آپ کیوں نہیں سمجھتیں..... عزہ نور بول سکتی ہے' سمجھ سکتی ہے' وہ نارمل پوزیشن میں ہے"۔ وہ بہت جذباتی انداز میں ڈاکٹر مریم سے مخاطب تھا۔

"دیکھو ڈاکٹر اسد شایان! میں کچھ نہیں کہہ رہی' جو رپورٹ کہہ رہی ہے وہ کہہ رہی ہوں اور اب تمہیں بھی اسے فالو کرنا ہے' دیٹس اٹ"۔ یہ کہہ کر ڈاکٹر مریم اپنی سیٹ سے اٹھی۔

"ڈاکٹر مریم! آپ مجھ سے سینئر ہیں' بٹ اٹ ناٹ مینس کہ آپ مجھے اس کیس سے الگ کر دیں۔ آپ نے

فیصلہ لیتے ہوئے مجھ سے یہ بات پوچھی کہ آپ بیرون ملک علاج کیلئے اس کو بھیج رہی ہیں‘‘۔

’’کیا مطلب ہے ڈاکٹر اسد! یہ فیصلہ میرا نہیں‘ یہ تجویز خود شاویز نے ڈاکٹرز کے سامنے رکھی تھی‘ جس کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا کہ دو چار دن کے بعد ریکوری کے بعد عزہ نور کو شاویز کے ہمراہ باہر بھیج دیا جائے‘ یہ ان کا اپنا ذاتی معاملہ ہے میں انٹرفیئر نہیں کر سکتی‘‘۔

’’دیٹ از ناٹ فیئر ڈاکٹر مریم! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے‘ ایز اے ڈاکٹر مجھے اس ٹیم میں شامل کرنا چاہیے تھا‘ مجھے انفارم کیے بغیر اس میں آپ انوالو ہوئی ہیں‘‘۔

’’آپ غلط سمجھ رہے ہیں ڈاکٹر اسد شایان! میرا اس میں کوئی کردار نہیں ہے‘‘۔

’’مگر میری بدنصیبی تو ہے مگر میں خود شاویز اور چوہدری فیملی سے بات کروں گا کہ عزہ نور میری پیشنٹ ہے اور میں اتنی بڑی تبدیلی کی اجازت نہیں دے سکتا‘‘۔ ڈاکٹر اسد شایان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

’’تو پھر ٹھیک ہے تم خود شاویز اور اس کی فیملی سے بات کرو‘‘۔

’’شاویز سے نہیں میں اس کی گارجین زینب پھپھو سے بات کروں گا‘‘۔

’’وہ بدحواس‘ خبطی عورت کیا تمہیں جواب دے گی‘‘۔ مریم دل میں سوچ کر اپنا رخ پھیر گئی‘ تو اسد شایان بہت غصے سے ڈاکٹر مریم کے روم سے باہر نکل گیا۔ اسد شایان کے جاتے ہی ڈاکٹر مریم نے شاویز سے رابطہ کیا تھا۔

’’ہیلو شاویز! ڈاکٹر اسد شایان‘ عزہ نور کے معاملے میں زیادہ انوالو ہو رہا ہے‘‘۔ مریم کی آواز بہت مدھم سی شاویز کے کان میں پڑی تو وہ آفس میں کام کرتے کرتے چونک کر بولا۔

’’سوواٹ...... اگر وہ ایسا کر رہا ہے تو مجھے عزہ نور کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے‘‘۔

’’تم سمجھنے کی کوشش کرو شاویز! حالات بدل بھی سکتے ہیں‘‘۔

’’مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ میں آ رہی ہے‘‘۔

’’شاویز! تم بالکل بزنس مائنڈڈ ہو چکے ہو‘ ٹھیک ہے میں تائی جی سے آ کر خود بات کروں گی‘ میں ہاسپٹل سے سیدھی تمہاری طرف آؤں گی‘‘۔

’’او کے‘‘۔ لائن ڈسکنکٹ ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر مریم کے دل کا رابطہ دماغ سے ٹوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ گھٹن اور احساس کی وجہ سے پریشان کھڑی سوچ رہی تھی۔

’’عزہ نور! تمہیں اسد شایان کی زندگی سے جانا ہی جانا ہے‘ میں چاہتی ہوں جب تمہاری آنکھ کھلے اور جب تمہارا ذہن جاگے تو اسد شایان تمہاری دسترس سے بہت دور ہو چکا ہو اور اس کیلئے میں ہر تعاون شاویز کے ساتھ کروں گی‘ جو ہمارا نہ ہو سکا وہ کسی اور کا ہو کیسے ممکن ہے‘‘۔ آہستہ آہستہ دل کے اندر سرد رات میں بھی آگ سی دہکنے لگی۔

’’بس عزہ نور! تمہاری زندگی کا کھیل ختم ہو جائے گا‘‘۔ دل کے اندر تپش سی بھرنے لگی۔ کشادہ ہال اور فریش ایئر میں بھی اس کا دم گھٹ رہا تھا‘ حسد کی آگ چہروں سے ملکوتی نور چھین لیتی ہے‘ ایک ایسی ہی جھلسی ہوئی ہلکی سی لہر ڈاکٹر مریم کے چہرے پر نمایاں ہوئی تو پاس سے گزرتے ڈاکٹر رحیم نے رک کر مریم سے پوچھا۔

’’یو آر آل رائٹ ڈاکٹر مریم!‘‘ وہ قریب آ کر ٹھہر گیا۔

’’ایم آل رائٹ ڈاکٹر رحیم!‘‘ وہ جھلسی ہوئی نیند سے چونک پڑی۔

’’چہرے سے آپ بہت ٹینس نظر آ رہی ہیں‘‘۔

’’او نو‘‘۔ ڈاکٹر مریم نے بن کو کھینچ لیا اور انگلیوں کے کونوں سے بالوں کو برش کرتے ہنس کر بولی۔

’’یس ڈاکٹر رحیم! کچھ تھوڑی سی فیملی پرابلم چل رہی ہے شاید اسی وجہ سے آپ کو ایسا محسوس ہوا‘‘۔

’’او کے ٹیک کیئر ڈاکٹر مریم! اور ہاں ہاؤ از یور پیشنٹ؟‘‘ وہ دوبارہ پلٹ کر بولا تو مریم بالوں میں بن لگاتے ہوئے پلٹ کر بولی۔

’’او عزہ نور...... ‘‘ وہ بے ہوش ہیں۔

’’ویری سیڈ...... ڈاکٹر اسد شایان بہت ایموشنل ہے ان کے بارے میں‘ وہ شاید ایک دوسرے کو جانتے ہیں‘‘۔

’’شاید...... آئی ڈونٹ نو‘‘۔

’’او کے‘‘۔ ڈاکٹر رحیم آگے بڑھتے چلے گئے۔

’’اسد شایان! اب تم کبھی بھی عزہ نور تک نہیں پہنچ سکتے‘ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں‘‘۔ مریم نے اپنے ہاتھ پر بندھی ہوئی واچ پر نظر ڈالی اور پرس اٹھا کر روم سے باہر نکلی تھی تبھی زینب پھپھو راہداری سے ہوتی ہوئیں چار بجے عزہ نور کے روم میں آ گئیں تھیں۔ ڈاکٹر مریم کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ باؤلی سی پھپھو‘ عزہ نور کو دیکھنے کیلئے آ سکتی ہیں۔ مریم کے جاتے ہی زینب پھپھو‘ عزہ کے روم میں داخل ہوئیں تھیں لیکن ڈاکٹر اسد آف ہونے کے باوجود ابھی ہاسپٹل میں ہی موجود تھا۔ اسے ایک جھلک زینب پھپھو کی بھی نظر آئی تو وہ اپنی واچ پر نظر ڈالتے ہوئے عجلت میں ان کے قریب چلا آیا۔

’’سلام پھپھو جی!‘‘ پھپھو گھبرا کر مڑیں تو ڈاکٹر شایان پر نظر پڑی جو عزہ کے روم کے سامنے ہی نظر آیا تھا۔

’’وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہے عزہ؟‘‘ پھپھو زینب تھوڑا سا چل کر اس کے قریب آ گئیں۔

’’پھپھو جی! وہ پہلے سے بہت بہتر ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ وہ بیمار ہی نہیں تو......‘‘ ڈاکٹر اسد شایان نے انہیں حیران کر دیا۔

’’لیکن اپنی مریم تو کہتی ہے کہ عزہ نور بیمار ہے‘‘۔

’’بالکل نہیں...... آپ یقین جانئے مجھ سے زیادہ عزہ کو کوئی نہیں جان سکتا‘‘۔ ڈاکٹر شایان کے چہرے پر بے بسی صاف نظر آ رہی تھی۔

’’میں جانتی ہوں ڈاکٹر اسد! کہ آپ اور عزہ ایک دوسرے کے بہت قریب رہے ہیں اور یہ بات میرا بھائی نور الٰہی بھی جانتا تھا مگر ہم کیا کریں ڈاکٹر! ذات پات‘ رسم و رواج کے ہم آج بھی غلام ہیں‘‘۔

’’میں کیا کہہ سکتا ہوں یہ آپ لوگوں کی اپنی سوچ ہے‘‘۔

’’نہیں اس میں میری سوچ کو شامل مت کرو‘ عورت ہر طبقے کی مظلوم ہستی ہے۔ رسم و رواج ہمارے مردوں کی شان سمجھے جاتے ہیں‘ میں خود اس زندگی کا ایک حصہ ہوں‘‘۔ پھپھو زینب کو اپنی کہانی یاد آنے لگی۔ وہ ایک لمحے کو عزہ کو بھی بھول چکی تھیں۔ تبھی ہاسپٹل کے ٹائم کے مطابق انسانوں کا جم غفیر گزرا تو زینب پھپھو چونک کر عزہ کے روم کی جانب بڑھیں۔ ڈاکٹر اسد شایان بھی ان کے ساتھ عزہ کے روم میں گئے تھے۔ عزہ نور پہلے سے بہت بہتر اور بیڈ پر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ ڈاکٹر اسد شایان اور پھپھو کی آمد اتنی غیر متوقع تھی کہ اس نے انہیں دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔

’’اب کیسی ہے میری بیٹی عزہ؟‘‘ زینب پھپھو اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔

’’کیسی ہیں عزہ آپ؟‘‘ ڈاکٹر اسد شایان کی آنکھوں کی تپش عزہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ ہلکی ہلکی پلکیں جلیں اور پھر اس نے ڈاکٹر اسد شایان کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا تو اسد شایان نے بڑے غصے سے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے الجھا کر ونڈو سے باہر دیکھا۔ عزہ نور کی نظریں ابھی تک جھکی ہوئی تھیں۔

"دیکھو عزہ بیٹی! ڈاکٹر اسد شایان تم سے جو کچھ کہنا چاہتے ہیں تم ان کی بات کا جواب دو۔ میں تھوڑی دیر کیلئے باہر چلی جاتی ہوں"۔ زینب پھپھو یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"دیکھو عزہ! تم جو کچھ کررہی ہو یہ ٹھیک نہیں ہے' تمہارے اس طرح کرنے سے کیا تم سمجھتی ہو کہ ہمارے درمیان جو رشتہ ہے اس کی کوئی بنیاد نہ ہوگی' تو عزہ نور! تم یہ جان لو کہ تم خود کو نہیں ڈاکٹر اسد شایان کو دھوکا دے رہی ہو اور میں تمہیں اس طرح خود کو سیکریفائس نہیں کرنے دوں گا۔ عزہ! ایک حد ہوتی ہے' میں تھک گیا ہوں' مجھے خود بھی دھوکا ہونے لگا ہے کہ واقعی عزہ نہ سن سکتی ہے نہ بول سکتی ہے اور اگر یہ سچ ہے عزہ! تو پھر تمہاری یہ انگلیاں کیوں کانپ رہی ہیں"۔ تو گھبرا کر عزہ نے اپنی مٹھی بھینچ لی۔

"عزہ! بولو جواب دو...... یوں خاموش رہ کر زندگی کا کوئی حل نہیں نکل سکتا' ٹھیک ہے میں تمہاری زندگی سے دور چلا جاؤں گا مگر اس احساس کے ساتھ کہ یہ تمہارا فیصلہ تھا' اس میں شک وشبہات کی کوئی گنجائش نہ رہتی"۔ لیکن عزہ نور اپنی انگلیوں کے ناخنوں سے کھیل رہی تھی۔ تبھی زینب پھپھو دوبارہ پلٹ کر آگئی تھیں۔

"عزہ! میں تیرے ساتھ ہوں' جو کہنا ہے کہہ' اپنے دل کی بات کر' کوئی زور زبردستی نہیں چلے گی' میں جو چاہوں گی وہی ہوگا۔ بھائی تمہیں میرے سپرد کرکے مرا ہے"۔ تب عزہ نور نے پوری آنکھیں کھول کر پھپھو کو دیکھا تھا اور اسے بھی احساس ہوا کہ کوئی اس کا اپنا ہے ورنہ ابھی تک تو اسد شایان کے علاوہ کوئی اس کا ہمدرد نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں عزہ! اور پھپھو' عزہ بالکل ٹھیک ہے' نارمل ہے' اس کو کوئی بھی تکلیف نہیں ہے"۔

"لیکن ڈاکٹر مریم تو کہتی ہے کہ عزہ بیمار ہے"۔

"نہیں عزہ بالکل ٹھیک ہے آپ اس سے خود پوچھئے' یہ چپ کی اداکاری کیوں کررہی ہے آئی ڈونٹ نو۔ پھپھو! میں رنگ کرتا رہوں گا"۔ اسد شایان نے پھپھو سے کہا اور عزہ پر ایک حسرت بھری نظر ڈال کر جانے لگا تو عزہ کی نظریں اس کے تعاقب میں پیچھے پیچھے اٹھی تھیں۔

"عزہ! تو ٹھیک ہے' ڈاکٹر شایان صحیح کہتا ہے۔ بول عزہ! ورنہ بہت دیر ہوجائے گی۔ تیری تائی بہت زور وشور سے شادی کی تیاریاں کررہی ہے' مجھے شاویز بالکل پسند نہیں۔ میں جانتی ہوں تجھے اسد شایان پسند ہے۔ سب کچھ ختم ہوگیا عزہ! کچھ بھی نہیں بچا' پھر یہ انا اور ضد کیوں؟ دیکھ تو سہی کتنا دکھی سا آتا ہے اور پھر چپ چاپ چلا جاتا ہے۔ عزہ! اگر یہ سچ ہے جو ڈاکٹر شایان کہہ کر گیا ہے تو عزہ بول دے' ابھی بھی وقت ہے"۔ زینب پھپھو کی آواز پر سسک کر رونے لگی اور اس نے سر اثبات میں ہلایا کہ یہ سچ ہے۔

"ناں عزہ ناں...... اس طرح مت رو' تیرے ساتھ کوئی بھی ناانصافی نہیں ہوگی' میں جو ہوں تیرے ساتھ۔ اسی طرح سے میری ماں جائی تھی میرے ساتھ کل لیکن میرے باپ نے اس انسان کو گولیوں سے چھلنی کروادیا تھا کہ اس نے میری طرف نظر ڈالی تھی"۔ عزہ نے پھپھو کے دونوں ہاتھ تھام رکھے تھے لیکن دکھ سے پھپھو کے ہاتھ سے اس کے ہاتھ چھوٹ گئے تھے کہ کل ان پر کتنا بڑا ظلم ہوا تھا۔

"میں ڈاکٹر سے بات کرتی ہوں' تم گھر چلو میں یہاں نہیں رہنے دوں گی تمہیں"۔ اور پھر پھپھو زینب دوسرے دن عزہ نور کو ہاسپٹل سے گھر لے آئیں۔

"اماں! یہ کیا ہوا؟ یہ عزہ نور کو پھپھو اٹھا کر لے آئیں ہیں اور ڈاکٹر اسد شایان نے ریلیز کرنے کی خود بات کی تھی۔ اپنی مریم جو مصیبت میں کل کام آئی کیا اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے' وہ ہمارا بھلا چاہتی ہے۔ اماں! سوچنے کی

بات ہے جو مریم کہہ رہی ہے وہ ٹھیک ہے' ہم جتنی جلدی ہوسکے اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں گے' ویسے اماں ایک بات بتادوں میں عزہ کو ساتھ لے کر نہیں جاسکتا' آپ تو جانتی ہیں سب کچھ' میں ایک بیمار لڑکی کے ساتھ کیسے گزارا کرسکتا ہوں"۔

"نہ شاویز! اس کی قدر تو کرنی پڑے گی اتنی بڑے دھن دولت کی مالک ہے"۔

"لیکن اماں! شاید آپ بھول چکی ہیں وہ ایک ہاتھ سے مفلوج ہوچکی ہے"۔

"نہیں شاویز! اللہ سے بڑی امید ہے"۔ وہ دکھ بھرے انداز میں بولیں تو شاویز رعونت سے بولا۔

"مجھے صرف اس کی دولت سے دلچسپی ہے اماں! یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو ورنہ کیا میں جانتا نہیں ہوں کہ یہ شہر کی پڑھی لکھی لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں"۔

"اچھا وہ سب ٹھیک ہے بس تو چپ کر' میں سب کچھ کرلوں گی۔ تیری زینب پھپھو بڑی ضدی اور اڑیل عورت ہیں"۔

"کیا ضدی اور اڑیل عورت ہیں"۔ چوہدری شاویز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگی۔

"میں سب جانتا ہوں زینب پھپھو کے ساتھ جو ابا اور تایا نے سلوک کیا"۔

"چپ کر شاویز! ایسی باتوں کو منہ پر نہیں لاتے' گڑھے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ شاویز پتر"۔

"ہاں ماں جی"۔ وہ بڑی گہری سوچ لے کر اٹھا تھا کہ مریم کی کال آگئی۔

"شاویز! جتنی دیر کرو گے تم کمزور ہوتے چلے جاؤ گے اور عزہ نارمل نہیں رہے گی۔ یونو اسد شایان نے میڈیکل رپورٹ میں یہ ثابت کردیا ہے کہ عزہ نور پرفیکٹ ہے جبکہ وہ نارمل نہیں ہے"۔

"تو اس میں میں کیا کرسکتا ہوں؟ تم مجھے بتاؤ"۔

"میں تمہیں صرف انفارم کرنا چاہ رہی تھی کہ عزہ نور گھر منتقل ہوچکی ہے"۔

"آئی نو مریم! اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' وہ ایک بے بس اور مجبور لڑکی ہمارے رحم وکرم پر زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔ یونو میں کل بھی اس کا فیانسی تھا اور آج بھی ہوں"۔

"لیکن شاویز! جتنی دیر ہوگی عزہ نور تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی"۔

"نہیں تم اس کی فکر نہ کرو' نہ وہ چل سکتی ہے نہ بول سکتی ہے' صرف بیٹھی ہے"۔ اور اس نے سیل آف کردیا۔



عزہ کو گھر آئے ہوئے آج چوتھا دن تھا' شاویز' پھپھو سے بہت تیز لہجے میں بول کر گیا تھا کہ کیا ضرورت ہے اسے گھر میں لانے کی' پھپھو بھی شدید برہم ہوکر بولیں۔

"شاویز! یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے تم دخل مت دینا"۔ زینب پھپھو کو بھی غصہ آگیا تھا۔

"عزہ میری منگیتر ہے' میں جیسا چاہوں گا ویسا ہی رکھوں گا اسے' آپ مداخلت نہ کریں"۔

"ہاں منگیتر ہے منکوحہ تو نہیں ہے تیری"۔ زینب پھپھو تڑپ کے بولیں تھیں۔

"دیکھیں پھپھو! آپ حد سے بڑھ رہی ہیں' مجھے آپ ابھی جانتی نہیں ہیں"۔ چوہدری شاویز نے انگلی اٹھا کر انہیں وارن کیا۔

"شاویز! یہ دھمکیاں کسی اور کو دئیے' میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تو اگر چوہدری کا بیٹا ہے تو میں بھی اسی کی بہن ہوں۔ مت بھول وہ کہانی جو تیرے تایا اور تیرے باپ نے کی تھی"۔ زینب پھپھو اس لمحے بہت مضبوط نظر

آ رہی تھیں۔ شاویز نے غصے سے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا اور آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"ہم اپنی غیرت کے نام پر ہی کچھ کرتے ہیں جو آپ کے ساتھ ہوا"۔ وہ پیٹھ پھیر کر جونہی مڑا زینب پھپھو بہت تیز لہجے میں بولیں۔

"غیرت نہیں ہوس' لالچ"۔ زینب پھپھو کے اندر ایک لاوا سا اُبل رہا تھا' شاویز مڑ کر بولا۔

"اب ڈھول پیٹنے سے کیا ہوتا ہے پھپھو! آپ کے بال سفید ہو گئے اب اللہ اللہ کرو۔ پچھلی باتوں کو مت اکھاڑو ورنہ اس "عزہ ولاز" کے بجائے ایدھی ہوم میں نظر آئیں گی' کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہے اس کے سوا آپ کا۔ آپ کی قسمت کہ سب مر کھپ گئے"۔ اس نے پھر منہ پھیر لیا تھا۔

"لیکن شاویز! تو بھی ایک بات سنتا جا' جب تک میں زندہ ہوں تو نور الٰہی کی دولت میں سے ایک ٹکڑا بھی نہیں پائے گا"۔

"تو جاؤ پھپھو! مظفر آباد اور لودھی آباد جاؤ اور وہاں جا کر کھنڈروں پر محل تعمیر کراؤ' ہے کوئی تمہارا نام لینے والا"۔

"اللہ کی ذات ہے شاویز! اتنا گھمنڈ مت کرو اور کیا عجب کہ عزہ خود اٹھ کھڑی ہو"۔ وہ دکھی دکھی لہجے میں بول کر آبدیدہ ہو گئیں لیکن شاویز' عزہ نور پر ایک نظر ڈالتا ہوا زینب پھپھو کا دل دکھا کر جا چکا تھا۔ زینب پھپھو بہت دیر تک روتی رہیں۔ آنسو پونچھ کر اٹھیں تو عصر کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ جائے نماز اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ عزہ نور نے آج شاویز اور پھپھو کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سن لی تھی۔

"شاویز! تم ٹھیک کہتے ہو' مظفر آباد' لودھی آباد گاؤں اور اب کراچی میں موجود جائیداد کے تم ہی وارث ہو۔ آج بھی عورت کتنی بے بس اور مجبور ہے۔ ہم کتنے بھی ترقی پسند معاشرے میں آنکھ کھولیں' ڈاکٹرز انجینئرنگ کی ڈگری ہاتھ میں تھام لیں مگر ہم رہیں گے اسی معاشرے کی محکوم قوم اور اس محکومیت کو عورت کی کمزوری نے مضبوط بنایا۔ کل زینب پھپھو تھیں' آج اسی صف میں ڈاکٹر عزہ نور بھی شامل ہو گئی ہے جسے یہ خوف ہے کہ ہر طرف سے انگلیاں اٹھیں گی کہ چوہدری نور الٰہی کی بیٹی نے لودھی آباد کے ایک لوہار سے عشق کیا اور مر گئی۔ نہ میں مرنا چاہتی ہوں اور نہ زندہ رہنا چاہتی ہوں لیکن شاویز میں یہ چاہتی ہوں کہ ڈاکٹر اسد شایان مجھ سے مایوس ہو کر لوٹ جائے' پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ عزہ نور کیا ہے اور تمہاری دسترس کیا وہ تمہاری نظر سے کتنی دور ہے۔ میں تمہارے مکروہ چہرے سے نقاب اتار دوں گی کہ تم مجھ سے نہیں میری دولت سے پیار کرتے ہو"۔ عزہ نور زینب پھپھو کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک تکیے میں سر دیئے روتی رہی تو سسٹر فاطمہ نے اسے بہت پیار سے سمجھا کر پانی پلایا۔



مریم ابھی ہاسپٹل میں ہی تھی تھیٹر روم سے جونہی وہ باہر آئی تو بیپ کی آواز پر اس نے اوور کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اسکرین پر جگمگاتے نمبر کو دیکھا' شاویز کی کافی مس کال تھیں' اس نے موبائل کو سائلنس پر کر رکھا تھا جونہی اسے فرصت ملی اس نے شاویز کو کال بیک کی۔

"کیا ہوا شاویز! خیریت؟" مریم بڑی بے تابی سے بول کر چپ ہوئی تو شاویز بولا۔

"مریم بول شایان کو راستے سے ہٹوا دوں"۔ شاویز غرائی ہوئی آواز میں بولا تو مریم سہم کر بولی۔

"کیسی باتیں کرتے ہو شاویز! کسی کو جان سے مارنا بچوں کا کھیل ہے"۔

"پھر تم کیوں بیچ میں اسد شایان کو لائی ہو"۔ وہ بہت غرائی ہوئی آواز میں مخاطب ہوا۔

"میرا مطلب یہ تھوڑی ہے شاویز! بس میں تو عزہ نور کی نیچر سے واقف ہوں' نارمل والی پوزیشن میں تو وہ تمہیں

بھی قبول نہیں کرے گی"۔ مریم کی آواز مدھم پڑنے لگی۔ تو وہ بہت کاٹ کھانے والے انداز میں بولا۔

"کیا مطلب ہے مریم! میں عزہ نور کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا' ہمارے خاندان کی بیٹیاں باہر نہیں بیاہی جاتیں' اس بات کا دھیان رکھنا"۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔ تو مریم نے بھی پلٹ کر جواب دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ اگر کوئی دھمکی دینی ہے ناں شاویز تو اسد شایان کو دو جو ہر روز کسی نہ کسی بہانے سے "عزہ ولاز" چلا آتا ہے' تم روک سکتے ہو تو اسے روکو' میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا جو تم سوچ رہے ہو' وہ تمہارا اور عزہ کا معاملہ ہے لیکن میں یہ تمہیں بتا دوں شاویز! ڈاکٹر اسد شایان ایسا آدمی ہی نہیں"۔

"تو پھر عزہ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے اُسے' کیا پورے شہر میں دوسرے ڈاکٹر مر گئے ہیں جو وہ وہاں پر روز پہنچا ہوا ہوتا ہے"۔

"اس پر میں کیا کہوں یہ تم عزہ سے پوچھو"۔

"اس سے پوچھنے کیلئے عمر پڑی ہے' ابھی تو میں اسد شایان سے پوچھوں گا"۔ اس کا لہجہ غصے سے بھرا ہوا تھا۔

"نہیں شاویز! تمہیں اسد شایان سے یہ بات نہیں پوچھنی چاہیے' واقعی عزہ بیمار ہے نجانے کیوں اسد شایان وہاں چلا جاتا ہے' شاید زینب پھپھو نے اسے زیادہ سر پر چڑھا لیا ہے حالانکہ میں اسد شایان کو بتا چکی ہوں کہ عزہ' شاویز کی فیانسی ہے لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی"۔

"تو بول مریم! سمجھا دوں اُسے' چھ کی چھ گولیاں اس کے سینے میں اتار دوں گا"۔ شاویز غصے سے بولا تو مریم تڑپ کر بولی۔

"نہیں نہیں شاویز! ایسا مت کرنا' یہ گاؤں گوٹھ نہیں شہر ہے' یہاں تم کسی بھی مصیبت میں پڑ جاؤ گے"۔ مریم بے حد پریشان ہو کر بولی تو شاویز کو بہت زور کی ہنسی آئی۔

"یہاں بھی یہ سب چلتا ہے' پولیس تھانہ کچہری میری مٹھی میں ہے' تم فکر ہی نہ کرو بس حکم کرو"۔

"پلیز میرے کہنے اور بتانے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تم جاؤ اور جا کے اسد شایان کو مار دو' میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم جلد از جلد عزہ کو اپنا لو ورنہ اگر عزہ کھڑی ہو گئی اور ہوش میں آ گئی تو تم کچھ نہیں کر سکو گے"۔ وہ رکی تو شاویز پھٹ پڑا۔

"کیا کر لے گی عزہ' بول انکار کرے گی' اسی دن مار دوں گا اور پھپھو زینب انہیں میں اٹھوا کر پھینکوا دوں گا' تمہیں تو میری طاقت کا اندازہ ہو گا"۔

"ہاں شاویز! مجھے تو ہے مگر عزہ نور بہت مضبوط اور پاور فل لڑکی ہے' تم اسے نہیں جانتے' اگر وہ ایک بار نہ کہہ دے تو نہ ہے' اگر ہاں کہہ دے تو ہاں ہے"۔

"تو پھر دیکھ عزہ نور کیسے ہاں نہیں کہتی' میں آج ہی رات اسد شایان کو راستے سے ہٹاتا ہوں پھر زینب پھپھو کی باری ہے"۔ اس نے غصے سے سیل آف کیا۔

"شاویز' شاویز...... میری بات تو سنو"۔ لیکن شاویز سیل آف کر چکا تھا۔

"نہیں تمہیں شاویز تم ایسا نہیں کرو گے"۔ اسد شایان کے لئے وہ تڑپ کر بولی۔



اسد شایان کسی پیشنٹ کو چیک کرنے گیا تو مریم بوکھلائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"ڈاکٹر اسد شایان!" وہ گھبرائی ہوئی آگے بڑھی۔ ڈاکٹر اسد شایان نے ڈاکٹر مریم پر ایک نظر ڈالی۔

''ڈاکٹر اسد! مجھ سے ملے بغیر مت جایئے گا پلیز''۔ اس کی نظروں میں بے قراری تھی۔

''کیا ہوا ڈاکٹر مریم! عزہ تو ٹھیک ہے؟'' ڈاکٹر نے ایک گہرا سانس لیا۔

ڈاکٹر اسد شایان اپنے پیشنٹ سے فری ہو کر ڈاکٹر مریم کی طرف آیا تو ڈاکٹر مریم ہاتھ پر اپنا کوٹ ڈالے ہوئے اسی کے انتظار میں کھڑی ہوئی نظر آئی۔

''خیریت ہے ڈاکٹر مریم! آپ اب تک گھر نہیں گئیں''۔ اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔

''ڈاکٹر اسد!'' مریم ایک لمحے کیلئے ٹھہر کر بولی تو ڈاکٹر اسد شایان بہت گھبرا کر بولے۔

''مریم! سب خیریت تو ہے' عزہ نور تو ٹھیک ہے؟'' لہجہ پریشان کن تھا۔

''ہاں عزہ نور ٹھیک ہے اسے کچھ نہیں ہوا''۔

''تو پھر ایسا کیا ہے؟ جلدی بولو''۔ وہ بہت بے قرار سا بولا۔

''ڈاکٹر اسد! میرے موبائل پر کوئی تمہیں جان سے مارنے کی دھمکی دے رہا تھا''۔ مریم نے سہم کر کہا تو اسد شایان ہنس کر بولا۔

''واٹ...... مجھے کوئی جان سے مارنے کی دھمکی دے رہا ہے تمہیں' یونہی کوئی ڈرا رہا ہے اور وہ یقیناً ہم میں سے کوئی ہوگا جس نے یہ شرارت کی' اونو مریم! ایسا کچھ نہیں ہے کم آن بی ریلیکس' تم اس قدر سہمی ہوئی نظر آ رہی ہو۔ فارگیٹ اٹ' چلو کیفے ٹیریا میں اچھی سی چائے پیتے ہیں۔ کم آن مریم''۔ وہ آگے بڑھا مگر مریم بڑے تھکے قدموں سے اس کے ساتھ چل تو رہی تھی لیکن بہت کھوئی کھوئی سی۔

''ڈاکٹر اسد! آج آپ اپنی گاڑی میں مت جائیں پلیز کسی سے لفٹ لے لیں یا ٹیکسی سے جائیں''۔

''او ڈاکٹر مریم! آپ اتنی کمزور ہیں''۔ اسد شایان کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی ہنسی پھیلتی چلی گئی' مریم اس ہنسی کی بہت دیوانی تھی۔

''کیا ہوا ڈاکٹر مریم! تمہارا چہرہ اس وقت زرد کیوں ہو رہا ہے''۔

''نو ایسا تو کچھ نہیں''۔ ڈاکٹر مریم نے اپنی دونوں آنکھیں رگڑیں۔

''دراصل آج نائٹ میری نہیں تھی بس میں تمہاری وجہ سے آ گئی تھی''۔

''وہ بھی اس خوفناک خبر کو لے کر کہ کوئی تمہیں میرے قتل کی دھمکیاں دے رہا ہے' اونو مریم فارگیٹ اِٹ''۔ وہ اپنے کندھے اچکا کر ہنس کر بولا تو مریم بھربھری ریت کی طرح اندر سے ٹوٹ کر گرنے لگی۔ اسے شاویز کی دلیری سے خوف آ رہا تھا اور ادھر اسد شایان اپنی ہتھیلی پر جان لے کر اسے نظر انداز کرتا ہوا چابی گھماتا ہوا اپنی کار کی طرف بڑھا تو وہ دور تک اسد شایان کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اسے یوں لگا کہ جیسے اس کا دل پتھر کا سا ہو گیا ہے۔ جسم و جاں میں کوئی حرکت بھی نہیں۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے شاویز کو رنگ کیا لیکن سیل اس کا بزی تھا۔ ڈاکٹر مریم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اسد شایان کو روک لے مگر وہ ایسا نہ کر سکی اور نہ اسد شایان نے اسے کوئی اہمیت دی۔

☆

عزہ' شاویز اور پھپھو کے درمیان ہونے والی گفتگو پر کسی گہری سوچ میں گھری ہوئی بیٹھی تھی۔

''میرا بہروپ اب وہ بہروپ نہ رہا' عزہ نور تمہاری چپ کی لگائی ہوئی آگ میں سب کچھ جل رہا ہے اور تم خود تماشہ بنی بیٹھی ہو۔ کیسا بہروپیا ہے شاویز' اس کے اندر اتنی کڑواہٹ' مریم ایک محبت کرنے والی ڈاکٹر ہی نہیں میری کزن بھی ہے' مسیحا بن کر وہ سکھی نہیں ہمیں دکھی دیکھنا چاہتی ہے' کیا اچھا ہوتا کہ ڈاکٹر مریم مجھے دواؤں کے بجائے

تسلیاں دیتی اور ڈاکٹر اسد شایان جو پل پل میرے لئے جیتا ہے مجھے مرنے نہیں دیتا' میں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی تھی 8 اکتوبر کے زلزلے میں' میں سب کچھ کھو چکی تھی بس مجھے اتنا یاد ہے کہ اسد شایان نے مجھے سمیٹ لیا تھا' میرے زخموں پر اس نے ہمیشہ پیار کا مرہم رکھا' میں اس کی مقروض ہوں مگر یہ سچ ہے اسد شایان خود زندہ رہنے کے لئے انا محبت کو مار دیتی ہے۔ انا اور محبت کی اس جنگ میں اسد شایان میں جیت گئی ہوں اور تم ہار گئے ہو''۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ زینب پھپھو نماز پڑھ کر اس کی طرف آ گئی تھیں' عزہ اپنے آنسو ان سے نہ چھپا سکی۔ زینب پھپھو نے ایک نظر اس پر ڈالی اور بڑے پیار سے اس کے پاس آ کے بیٹھ گئیں۔

''عزہ! تم نے سنا شاویز کیسے بات کر رہا تھا۔ عزہ! اپنا حق چھین کر لیا جاتا ہے' کبھی کوئی جاگیردار' وڈیرہ ہاری کو دو وقت کی روٹی اپنے گھر سے نہیں دیتا' کھیتوں میں ہل چلا کر وہ اپنا پیٹ بھرتا ہے' چڑیا پیڑ سے اتر کر دانے کی تلاش میں نکلتی ہے۔ عزہ! میرا بھی حق کوئی طشتری میں لا کے پیش نہیں کرے گا' اپنا حق چھین کے لینا پڑتا ہے' ورنہ دیکھ میری مثال اپنی خالہ کی مثال' عزہ آنکھیں کھول ورنہ بہت دیر ہو جائے گی''۔ پھپھو عزہ کے سر پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں تو وہ ان کے جواب میں سسک کر رونے لگی۔

''پھپھو! میں بے حد مجبور و بے بس ہوں' مجھ پر رحم مت کھائیں' جو کرتا ہے شاویز اسے کرنے دیں''۔ وہ بے دھیانی میں بہت چیخ کر بولی تو زینب پھپھو حیران و پریشان سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''عزہ! تو ڈاکٹر شایان سچ کہتا تھا کہ تو نے چپ کا ڈھونگ رچا رکھا ہے''۔ وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ عزہ نور سسک سسک کر پھپھو کے ہاتھ تھامے روئے جا رہی تھی۔

''بس عزہ! بس مت رو میری بچی' تو' تو بہت بہادر ہے' تو نے تو سب کو مرتے اور اجڑتے دیکھا ہے عزہ......!''

''یہی تو دکھ ہے پھپھو! میں نے بابا کو مرتے دیکھا ہے میں ان کی بے بسی نہیں بھول سکتی۔ پھپھو! وہ پورے دبے ہوئے زمین میں اور بے بسی سے چیخ رہے تھے' زمین ہل رہی تھی پھپھو اور میں مدد کیلئے چیخ رہی تھی۔ پھپھو! میں نے درخت تھاما تو وہ زمین سے اکھڑ کر نیچے گر گیا' میں اس درخت کی شاخوں سے لپٹی اپنی زندگی بچا رہی تھی اور زمین کانپ رہی تھی اور جب کانپتی ہوئی زمین ٹھہری تو سب کچھ دھواں دھواں تھا۔ میرے بابا کی آواز آج تک سنائی دیتی ہے مجھے' یوں لگتا ہے کہ میں کسی ویران کھنڈر میں کسی روح کی طرح بھٹکتی پھر رہی ہوں''۔ وہ پہلی بار پھپھو سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی پھر بھی دل نہ بھرا۔

''سچ پھپھو! میرا دم گھٹتا ہے میرا دل چاہتا ہے میں کسی ویرانے میں چلی جاؤں اور اتنا چیخ چیخ کر روؤں کہ کوئی میری آواز نہ سنے' بس پھپھو! بس ایک بار مجھے کسی ویرانے' کھنڈر یا قبرستان میں لے جائیں جہاں میں اتنا روؤں' اتنا روؤں کہ پھر رونے کی کوئی آرزو نہ رہے''۔

''نہیں عزہ! آنسو کبھی ختم نہیں ہوتے' آنکھیں بظاہر سوکھ جاتی ہیں مگر دل اندر سے روتا رہتا ہے۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود سمندر خشک نہیں ہوا میری جان۔ تمہارا دل بھی ایسا ہی ایک سمندر ہے جہاں آنسو کم نہیں ہوتے' بظاہر آنکھیں خشک رہتی ہیں مگر ہمیشہ ریت پر ابر برسنے کو تیار رہتا ہے میری چندا''۔ انہوں نے پیار سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور عزہ کو اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

☆

زینب پھپھو نے آج صبح اس کی مرضی سے ناشتہ بنوا کر میز پر لگوایا تھا۔

''عزہ! چلو تم اب اس کمرے میں ناشتہ نہیں کرو گی' اٹھو اور چل کر ڈائننگ ٹیبل پر آؤ اور جلدی آؤ میں تمہارا انتظار

کررہی ہوں''۔انہوں نے دونوں ہاتھوں سے ونڈو سے کرٹن سمیٹ دیئے تو ہلکی پھلکی دھوپ کی تپش شیشے کو چھونے لگی اور باہر سرد موسم کے بھیگے ہوئے سرخ' نیلے' پیلے' اودے گلاب دور تک ''عزہ ولاز'' کی کیاریوں میں جھوم رہے تھے۔

''دیکھو عزہ! باہر آؤ تم اور نظر ڈالو ان پھولوں پر' کیسے موسم میں کھلے کھلے سے پھول لگ رہے ہیں' تم تو اس گھر کا سب سے خوبصورت پھول ہو عزہ! بس تمہیں کملانے نہیں دوں گی۔ جلدی آؤ عزہ! میں ٹیبل پر ناشتہ لگوا چکی ہوں اور تمہارا انتظار کررہی ہوں''۔ وہ یہ کہتی ہوئیں باہر چلی گئیں۔ تو عزہ نور نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور شیشے کے اس پار دیکھا جہاں زندگی آواز دے رہی تھی۔ پرندے چہچہا رہے تھے' شاخوں پر ہلکی ہلکی دھوپ اترتی بھلی لگی تو وہ ایک نظر ڈالتی ہوئی اٹھی تو سسٹر فاطمہ نے اس کے چینج کیلئے وارڈ روب سے ایک لائٹ پنک کلر کا ڈریس اسے تھماتے ہوئے کہا۔

''میم! آپ جلدی سے چینج کرکے ڈائننگ ٹیبل پر آجائیں اب آپ کو وہیل چیئر کی ضرورت نہیں''۔ اس نے ایک نظر سسٹر فاطمہ پر ڈالی اور آگے بڑھی۔ جب وہ چینج کرکے باہر آئی تو پھپھو ٹیبل پر بیٹھی اس کا انتظار کررہی تھیں۔ وہ جونہی چیئر پر بیٹھی سسٹر فاطمہ نے اخبار اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ چائے کا سپ لیتے ہوئے اس نے اخبار پر ایک نظر ڈالی' ہاتھ میں چائے کا کپ کانپنے لگا' اس نے جلدی سے کپ رکھ دیا۔

''اونو پھپھو جان! آج ڈاکٹر اسد شایان پر قاتلانہ حملہ' وہ بال بال بچ گئے' قاتل فرار ہونے میں کامیاب۔ حملہ اس وقت ہوا جب وہ اپنی نائٹ ڈیوٹی سے واپس کسی پرائیویٹ پیشنٹ کو دیکھنے کیلئے جارہے تھے' اسد شایان کے سیکریٹری کا بیان''۔ ابھی تک اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں اور نظریں اسی خبر پر ٹکی ہوئی تھیں۔

''ایسے کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ وہ انسان تو کیا جانوروں سے محبت کرنے والا انسان ہے' گھر میں پلی ہوئی بلی کے بیمار ہونے پر وہ کتنا افسردہ اور دکھی تھا پھر ایسے انسان کا بھلا کون دشمن ہوسکتا ہے اور وہ پیشنٹ کون تھا؟ یقیناً وہ مجھے دیکھنے آرہا ہوگا' شاویز کل اسی وقت تو پھپھو سے لڑ جھگڑ کر نکلا تھا۔ او مائی گاڈ تو شاویز تم اتنی حد تک جاسکتے ہو''۔ اس کا سر چکرانے لگا تو وہ کرسی تھام کر وہیں بیٹھی رہی۔

''کیا ہوا عزہ؟'' زینب پھپھو گھبرا کر اپنی کرسی چھوڑ کر اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئیں تو اس نے اشارے سے اخبار پر لکھی ہوئی خبر کی جانب انگلی اٹھائی۔ پھپھو نے اخبار اٹھا کر خبر پر نظر دوڑائی تو وہ ایک دم سکتے کی حالت میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں اور پھر بولیں۔

''یہ شاویز ہے''۔

''نہیں پھپھو جان! کسی کا نام مت لیں' یہ معمولی بات نہیں ہے کسی نے اسد شایان کی جان لینے کی کوشش کی ہے اور اگر کچھ ہوجاتا تو......'' اس کی آنکھوں کے آگے ستارے سے ناچنے لگے' وہ نڈھال ہوکر کرسی پر ٹک گئی تو سسٹر اور پھپھو نے اسے سہارا دیا اور اس کے بیڈ روم میں لے جاکر لٹا دیا۔

''حوصلہ رکھو عزہ! شایان ٹھیک ہے تم اسے فون کرلو''۔

''نہیں پھپھو نہیں''۔ اس نے زینب پھپھو کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''پلیز پھپھو! اسے ہمارے اور آپ کے درمیان ہونے والی کسی بھی بات کا علم نہیں ہونا چاہیے''۔

''تو پھر دیکھ لو عزہ! بہت دیر ہوجائے گی''۔

''عزہ! آج تو وہ بچ گیا ہے' کل کیا ہوگا کون جانے' کس کا ہاتھ ہے۔ عزہ! میری ایک بات مان لو' شاویز نے یہی تو بہانہ بنایا ہے کہ تجھے لے کر باہر جائے گا اور وہاں تیرا علاج کرے گا۔ چھوڑ عزہ! یہ سب' تو اسد شایان کا ہاتھ

پکڑ اور یہاں سے نکل جا' کوئی کچھ نہیں کرسکتا تیری مرضی کے بغیر''۔

''نہیں پھپھو نہیں''۔ اسے جھرجھری سی آئی۔

''پھپھو! شاویز سے مجھے ڈر لگتا ہے وہ اسد شایان کو جان سے ماردے گا' پھپھو! میں نے آپ سے ایک بات چھپائی ہے''۔ اس کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

''پھپھو! یہ بات آپ صرف اپنے تک ہی رکھیں گی ناں''۔ وہ ہچکچا کر بولی تو پھپھو نے اسے تسلی دیتے ہوئے پیار کیا اور خود سے لگا لیا۔

''عزہ میری جان! تو میرے بھائی کی آخری نشانی ہے میں تیرے لئے جان دے سکتی ہوں' بول کے تو دیکھ'' عزہ نے چاروں طرف کمرے میں نظر دوڑائی' سسٹر کسی کام سے روم سے باہر گئی ہوئی تھی۔

''پھپھو! شاویز نے مجھے دھمکی دی تھی''۔

''کیسی دھمکی......؟'' پھپھو حیران ہوئیں۔ وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

''پھپھو! جب ڈاکٹر اسد شایان مجھے کراچی لارہا تھا تب شاویز نے کہا تھا۔ یاد رکھنا اسد شایان جس طرح ڈاکٹروں کی ٹیم میں بی ہیو کررہا تھا وہ بہت اسپیشل تھا اور جس طرح وہ پرسنلی طور پر یہاں سے لے کر جارہا ہے ڈاکٹروں کی ٹیم کے ساتھ یہ مجھے کچھ اچھا نہیں لگا۔ میں خاندان کے نام پر کسی بھی انسان کے ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا ہوں' یہ ذہن میں رکھنا تم میری منگیتر ہو میرے چاچا نور الٰہی کی بیٹی عزہ نور سمجھیں ہم اپنی خاندانی عزت پر جان دے بھی سکتے ہیں اور لے بھی سکتے ہیں' بھلے وہ آئے جائے تمہارا علاج کرے سب ٹھیک ہے' پر اس سے آگے نہ بڑھے' دھیان رکھنا کہیں تمہاری دولت پر اس کی نظر ہو' وہ دولت اب میرے خاندان کا ایک حصہ ہے وہ باہر نہیں جائے گی''۔ یہ کہہ کر عزہ رونے لگی۔

''پھپھو! مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے''۔

''پہلے تو نے مجھے کیوں نہیں بتایا عزہ! میں کچھ نہ کچھ تو تیرے لئے کرسکتی تھی''۔

''کیا کرسکتی تھیں آپ ہمارے لئے؟ اب ہمارا کوئی بچا ہی نہیں' وہ تو ڈاکٹر اسد شایان نے مجھے چلنے پھرنے کے قابل بنادیا ہے اس کی محبت نے مجھے سہارا دیا ہے ورنہ عزہ نور بھی مرکھپ گئی ہوتی' پھپھو ہمارے جیسے تو وہاں ہزاروں لوگ تھے' میں کیوں بچ گئی' پھپھو مجھے بھی مرجانا چاہیے تھا''۔ عزہ نور اپنا حوصلہ ہار بیٹھی تھی۔

''پھپھو! میں کوئی بھی رسک نہیں لینا چاہتی کہ شاویز' اسد کو نشانہ بنالے' یہ لوگ بہت ظالم ہیں مجھے سب معلوم ہے جو آپ کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا۔ سچ پھپھو! یہ لوگ دولت کی خاطر انسانوں کو ماردیتے ہیں اور الزام ذات برادری پر رکھ دیتے ہیں''۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

''نہ پتر نہ رو' شکر کر کہ ڈاکٹر اسد بچ گیا''۔

''جی پھپھو!'' وہ آنسو پونچھ کر بولی۔

''چل اٹھ جا اور اس سے بات کر اور اس کی خیریت معلوم کر''۔ پھپھو نے پیار سے چمکارا تو وہ آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں پھپھو نہیں' اگر اسد سے میں نے بات کی تو شاویز کو پتہ چل جائے گا اور آپ بھی کسی کو مت بتانا کہ میں بول سکتی ہوں' دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں''۔

''نہیں کسی کو پتہ نہیں چلے گا تو موبائل پر اسد سے بات کر''۔

"نہیں مریم ہر بات سن اور جان لیتی ہے اور اسد اتنی بڑی بات پر بوکھلا جائے گا کہ میں بول سکتی ہوں' پھپھو اسد کی زندگی کو خطرہ ہوگا' بس پھپھو اتنا سا کام کر دیں آپ کہ میری شاویز کے ساتھ شادی کسی طرح رکوا دیں' پھپھو مجھے وہ مار دیں گے صرف دولت کی خاطر وہ مجھ سے شادی کر رہا ہے"۔

"عزہ! تو ٹھیک کہتی ہے' چل چپ کر جا اپنا بہروپ کچھ دن اور اوڑھ لے' دیکھتی ہوں کہ چار دن میں کیا ہوتا ہے پولیس تحقیقات تو کر رہی ہے کہ حملہ کس نے کیا؟"

"پھپھو! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے شایان کو شاویز مار نہ دے۔ پھپھو! آپ شاویز کو یقین دلائیں کہ میں اس کی ہوں' اس کیلئے ہوں"۔

"ٹھیک ہے اب میں بھی تو دیکھوں گی"۔ وہ اسے پیار کرنے لگیں اور عزہ نوران سے لپٹی ہوئی سسک سسک کر رو رہی تھی۔

"پلیز پھپھو......! آپ اسے فون کریں کہ وہ کیسا ہے؟"

"ٹھیک ہے میں مغرب پڑھ کر آرام سے اس سے بات کروں گی اور دیکھو سسٹر تمہاری دوا لے آئی ہے تم لے کر تھوڑا آرام کر لو"۔

☆

بات اتنی آسان بھی نہیں تھی کہ کسی مقامی ہاسپٹل کے ڈاکٹر کو کوئی اپنی گولی کا نشانہ بنائے۔ آج بھی تمام ڈاکٹرز احتجاج کر رہے تھے۔ ایف آئی آر تو درج کر لی گئی تھی لیکن کیوں؟ کیسے؟ اور کون؟ کا سوال تمام ڈاکٹرز میں پھیلا ہوا تھا کہ عین ایسے موقع پر مریم دو دن کی لیو پر چلی گئی۔ ایمرجنسی کیس تھا ڈاکٹر اسد شایان او پی ڈی جاتے جاتے ایک لمحے کو رک گئے چونکہ ہمیشہ ڈاکٹر مریم ان کے ساتھ ہوتی تھی۔

"ڈاکٹر مریم......!" ایک لمحے کو وہ گہری سوچ میں ڈوبا تو مگر پھر فوراً ہی سرجن رحمٰن کے ساتھ آپریشن تھیٹر جا چکا تھا۔

دن کے ڈھائی تین کا پہر تھا جب اسد شایان ریلیکس ہونے کیلئے اپنے روم میں آیا تو پھپھو اس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"ارے پھپھو! آپ؟" وہ جلدی سے آ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو بیٹا تم؟ میں تو بے حد پریشان تھی' صبح سے گھر اور ہاسپٹل میں فون کر کر کے تھک گئی پھر میں نے فیصلہ کیا کہ خود ہی ہاسپٹل چلی آؤں"۔

"بس پھپھو! آپ کی دعا تھی جو میں بچ گیا' وہ میری ٹارگٹ کلنگ تھی لیکن ان لوگوں نے مجھے بچا لیا"۔

"اللہ ہمیشہ تمہیں اپنے امان میں رکھے مگر پھر بھی بیٹا! تم اپنا دھیان رکھو"۔

"پھپھو! میں تو ایک بے ضرر سا انسان ہوں' پتہ نہیں کسے مجھ سے تکلیف پہنچی"۔

"تم کیا کسی کو تکلیف دو گے' تکلیف تو تمہیں دشمن دینا چاہ رہے تھے مگر پھر بھی تم اس واقعے کو اتنا معمولی نہ سمجھو اور سوچو کہ کون ہو سکتا ہے"۔

"آپ یقین جانئے میرے ارد گرد تو ایسا کوئی بھی نہیں جس پر میں شک کر سکوں"۔

"گاؤں کی کوئی رنجش' دشمنی"۔

"نو پھپھو نو...... ایسا کچھ بھی نہیں ہے' وہ تو گاؤں ہی صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے"۔

"بس شایان! جتنی جلدی ہو سکے تم عزہ نور سے شادی کر لو۔ عزہ میری سرپرستی میں ہے' تم ملک سے باہر چلے

جاؤ"۔

"کیوں پھپھو! میں ملک سے باہر کیوں چلا جاؤں؟ ہمیں تو اب اپنے گاؤں کے چٹیل میدانوں سے بھی محبت ہو گئی ہے' ہماری تو وہاں آبائی نسلیں سو رہی ہیں"۔ ڈاکٹر اسد شایان کی آنکھوں میں اچانک سرخ سرخ دھاگے نظر آنے لگے تھے۔

"پھر بھی شایان! وہ زمین چٹیل میدان جس میں انسان دفن ہو گئے' سب کچھ ختم ہو گیا' لیکن شاویز اس زمین کی خاطر باغات اور محلوں کی زمین پر اپنے خوابوں کے محل بنانا چاہتا ہے' عزہ کو وہ حاصل کر کے مار دے گا' اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم عزہ کو اپنا لو شاید وہ رک جائے"۔

"نہیں پھپھو! ایسا کچھ نہیں ہوگا اب۔ عزہ نے وہ تمام زمینیں باہوش و حواس کسی ٹرسٹ کو دے دی ہیں' وہ وہاں جانا بھی نہیں چاہتی ہے' عزہ کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ شاویز جان چکا ہے عزہ کل بھی میری تھی اور آج بھی میری ہے' آپ جب چاہیں عزہ سے اجازت لے لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے"۔ اور پھر وہ اس کی زندگی میں پلٹ کر دوبارہ آ گئی لیکن عزہ اپنے اس ماضی کو تو نہیں بھلا سکی تھی اسی لئے وہ شہر میں ہونے والے حادثے سے بہت جلد ری ایکٹ کر لیتی اور اسد شایان اسے ہر بار سنبھال لیتا تھا۔

پھر ایک دن عزہ ہاسپٹل کے کوریڈور میں بھاگتی ہوئی شایان سے ٹکرائی تھی۔

"اسد! شاویز کو کسی نے گولی مار دی ہے' جلدی کرو ہم اسے بچا لینا چاہتے ہیں"۔ عزہ کا خون شاویز کے خون سے میچ کر گیا اور اس کی جان بچ گئی لیکن وہ مفلوج ہو گیا۔

☆

پھر ایک دن ٹوٹ کر اتنی بارش برسی کہ عزہ سندھ میں سیلاب کی تباہ کاریوں میں اپنے وجود میں ہونے والے وہ سارے کھنڈر وہ زمینوں کی کھڑکھڑاہٹ سمیت کر نیم بے ہوش ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر شایان نے ایک بار پھر عزہ کی جان بچالی تھی۔ بارش تھم چکی تھی' وہ طغیانی رات گزر تو گئی تھی لیکن اپنے پیچھے زندگی کی تباہ کاریاں چھوڑ گئی تھی۔ سورج گدلے پانی کو سکھا رہا تھا' ڈینگی وائرس سے بچاؤ کیلئے سرکاری اور نجی ٹیمیں مصروف تھیں۔

"دیکھو عزہ! کوئی کسی کیلئے نہیں رکتا۔ سورج پھر نکل آیا ہے عزہ! آؤ چلیں گھر' لوٹ چلیں۔ تمہیں یاد نہیں تم نے اپنی منی ایشل کیلئے شاپنگ بھی کرنی ہے۔ عید بہت قریب آ رہی ہے۔ چلو گھر لوٹ چلیں"۔

"پہلی پہلی بارش میں عید کا دن جب آیا تھا
برسا پانی اتنا تھا
آج پھر مٹی کا شہر پھر آباد ہوا ہے
بہتے پانی میں
رنگوں بھری برسات سجی ہے
جیون کے آنگن میں
رات ٹوٹ کر برسا پانی
میرے گھر کے آنگن میں
جاگ اٹھا ہے سارا وطن"

☆

نائلہ طارق

ناولٹ

عید قرباں اور یہ سفر مہرباں



''اور پھر...... وہ خواب اور اس میں ملنے والی بشارت...... پدرانہ شفقت اس کے سامنے گھٹنے ٹیک گئی' اللہ کی رضا اور اطاعت حاوی رہی' اللہ کی راہ میں قربانی کا یہ جذبہ کہ زمین آسمان عش عش کرا ٹھے۔ وہ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر...... اور ان کی اولاد بھی اللہ کی رضا میں راضی اور اطاعت گزار...... اللہ مہربان ہے' اس نے اتنے خوبصورت انداز میں اُس قربانی کو قبول کیا۔ آج عالم اسلام قربانی کے اسی جذبے سے سرشار اس مقدس فریضے کی ادائیگی کرتا ہے''۔ سر اُٹھا کر اس نے گھنے درختوں کی شاخوں سے چھن چھن کر بکھرتی کرنوں کو دیکھا تھا۔

''اللہ پاک ہے وہ اپنے پاک اور اطاعت گزار بندوں کو عزیز اور قریب رکھتا ہے''۔ دھوپ کی مدھم سنہری کرنیں اس کی شفاف آنکھوں کی نمی میں جذب ہوتی چلی گئی تھیں۔ خاموشی میں صرف اب مدھم ہوا سے سرسراتے پتوں کی آواز اور کوئل کی سریلی کوک گونج رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کے پیالے میں اپنا معصوم چہرہ ٹکائے وہ پلکیں جھپکاتا چند لمحوں تک دوبارہ اس کے کچھ بولنے کا منتظر رہا اور پھر اپنی گود میں رکھے روئی کے گالوں سے ڈھکے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''میں اب اماں سے ضد نہیں کروں گا' میں اپنے مکھن کو اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا''۔ اپنے سفید براق دنبے کے گرد بازو لپیٹتا وہ بولا تھا۔

''تمہیں یقیناً اپنی اماں کی بات ماننی چاہیے''۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے گیارہ سالہ کاشی کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ مکھن بہت چھوٹا سا تھا تب سے ہی تم اس کی خدمت اور حفاظت میں لگے رہے ہو اور اسی لیے تمہاری یہ قربانی بہت پسندیدہ اور اہمیت کی حامل رہے گی کیونکہ جس سے تم محبت کرتے ہو اسے اللہ کی راہ میں قربانی کر رہے ہو''۔ وہ نرم لہجے میں بولی تھی۔

''مگر میں اس کے بغیر کیسے رہوں گا؟'' کاشی کا چہرہ اتر گیا تھا۔

''کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ اللہ نے تمہیں اور تمہاری ماں کو اس قابل کیا کہ تم اس کی راہ میں قربانی کرو؟'' وہ نرمی سے بولی تھی۔

''پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے اور بھی زیادہ محبت کریں گے؟'' وہ فوراً بولا تھا۔

''اللہ تعالیٰ اب بھی تم سے محبت کرتے ہیں' تمہاری سوچ سے بھی زیادہ''۔ وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔

''مکھن! واپس آؤ''۔ کاشی چونک کر بدک کر بھاگتے دنبے کے پیچھے جانے کیلئے اٹھا تھا۔ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر سبک رفتاری سے چلتی وہ مسکراتی نظروں سے کاشی کو دیکھ رہی تھی جو اپنے مکھن کو آوازیں دیتا اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

☆

نہر کے ساتھ ساتھ چلتی وہ قریب سے گزرتے بچوں اور عورتوں کو مہربان مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی' کس طرح عقیدت کے ساتھ وہ سب اسے دیکھتے اور سلام دعا میں پہل کرتے تھے۔ عزت کے ساتھ اس کا اور اس کے باپ کا ذکر کرتے تھے' یہ چیز ان سب کی عزت اس کے دل میں بڑھانے کیلئے بہت تھی' ہر گزرتے لمحے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ۔ پیشانی سے ذرا اوپر اور چہرے کے گرد لپٹا سفید ریشمی کپڑا اور اس پر سر سے لے کر پیر تک بھاری سفید ہی چادر' یہاں کے باشندے دور سے ہی اسے پہچان لیتے تھے' پہلے اس کا باپ اور پھر وہ خود ان سب کیلئے مسیحا بن کر آئی تھی' اس کے چہرے کی نرمی اور تقدس' اس کے لبوں کی تراش میں ہمہ وقت سجی مسکراہٹ' اس کے لہجے میں شیرینی' مریض کی آدھی بیماری ختم کرنے کیلئے کافی ہوتی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی دور تک کھیتوں کے سلسلے نے تراوٹ سی آنکھوں میں

بھر دی تھی' اس گاؤں کے زمینی خزانے اللہ نے بے حساب کھول رکھے تھے مگر یہاں حکومت کرنے والوں کو نہ اس دھرتی کی قدر تھی نہ ہی ان محنت کشوں کی جو اپنا خون پسینہ اس مٹی میں ملا کر اس کی زرخیزی میں اضافہ کرتے تھے۔ چند ماہ پہلے تک اس کا اس دھرتی سے کوئی جذباتی رشتہ نہ تھا' اس کے آباؤ اجداد کی یہاں قبریں تھیں' اس کا باپ تعلیم کے حصول کیلئے شہر گیا تو وہیں کا ہو کر رہ گیا تھا' کئی سال گزرنے کے بعد جب وہ ساری ذمہ داریوں سے آزاد ہوا تو دل میں کہیں چھپی مٹی کی محبت اس شدت سے جاگی کہ اولادوں کی مخالفت کے باوجود وہ اسی گاؤں میں چلا آیا جہاں اس کی جڑیں تھیں' اپنی ماں کے آخری سفر پر روانہ ہونے تک وہ اپنی میڈیکل کی تعلیم مکمل کر چکی تھی' سو باپ کے نقش قدم پر چلتی وہ ان کا ساتھ دینے اس گاؤں میں آ پہنچی۔

وہ اپنے باپ کی آخری اولاد اور دیگر بہن بھائیوں سے زیادہ ان کے قریب تھی' سب کی طرح اسے بالکل اعتراض نہیں تھا کہ وہ شہر سے دور دراز اس چھوٹے سے گاؤں میں واپس کیوں پہنچے۔ خدا نے جو شفا ان کے ہاتھوں میں دی ہے اسے وہ کیوں اس پسماندگی میں ضائع کر رہے ہیں۔ بنیادی سہولتوں سے دور ان لوگوں کا مفت علاج کر کے کون سے خزانے ہاتھ آ جائیں گے۔ وہ جانتی تھی کہ عمر کے اس دور میں اس کا باپ اس گاؤں کیلئے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا' مٹی سے محبت اور وفاداری کے احساس نے انہیں اس کام کیلئے مجبور کیا تھا' وہ یہاں خوش تھے اور وہ اپنے باپ کی خوشی میں۔

چادر کے اندر ہاتھ باندھے وہ اب سہج سہج کر ناہموار راستے عبور کر رہی تھی' جیسے جیسے وہ حویلی کی جانب بڑھ رہی تھی اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ چوہدری تراب حقانی سیاست کا ایک بڑا نام تھے' اپنے گاؤں کیلئے وہی روایتی جاگیردار اور ملک کی عوام کیلئے وہی اسمبلی اور ایوانوں میں موجود سیاسی رہنماؤں جیسے۔ وہ جانتی تھی کہ حویلی سے بلاوا کیوں آیا ہے' کچھ دن پہلے ہی وجہ اسے اپنے باپ سے معلوم ہوئی تھی۔ اس گاؤں کی طرح پڑوسی گاؤں میں بھی علاج وصحت سے متعلق کوئی قابل ذکر ادارہ نہ تھا' پڑوسی گاؤں میں سرکاری اسپتال تھا مگر وہاں کوئی ڈاکٹر ٹکنے کو تیار نہ ہوتا' اعلیٰ حکام اگر خوابِ غفلت میں نہ ہوتے تو شاید ان دونوں جڑواں گاؤں میں لوگ بنیادی ضرورتوں کیلئے ترس نہ رہے ہوتے۔ جس ڈسپنسری میں وہ اپنے باپ کے ساتھ علاج ومعالجے کے لیے موجود اور اس کے ایک حصے میں رہائش پذیر تھی اس ڈسپنسری کی زمین کا آدھا حصہ پڑوسی گاؤں کی حدود میں موجود تھا۔ زمین کا یہ حصہ برسوں سے تنازعے کا شکار تھا' مزید پریشان کن چیز یہ کہ دونوں گاؤں کے چوہدری نا صرف سیاست کے میدان میں ایک دوسرے کے مخالف تھے بلکہ آپس میں کٹر دشمن بھی تھے' زمین کے تنازعے نے اس دشمنی کو اور چار چاند لگا ڈالے تھے' اب سب سے بڑا مسئلہ اس کے اور اس کے باپ کیلئے یہ تھا کہ تراب حقانی اس ڈسپنسری کو گرا کر اس زمین پر کوئی نیا ہی چاند چڑھانا چاہتے تھے اور یقیناً ابھی ان کے اس ارادے کی خبر پڑوسی گاؤں تک نہیں پہنچی تھی۔ تراب حقانی نے اس کے باپ کو پیشکش کی تھی کہ وہ انہیں اپنے گاؤں کے کسی دوسرے حصے میں ڈسپنسری بنانے کیلئے جگہ دے دیں گے' اپنے باپ کی طرح وہ بھی جانتی تھی کہ یہ صرف دلاسے ہیں' انہیں صرف ڈسپنسری گرا کر اس زمین کا ٹکڑا چاہیے' بالفرض اگر تراب حقانی گاؤں کے اندر جگہ دے بھی رہے ہیں تو اسے معلوم تھا کہ پڑوسی گاؤں کے لوگ مشکل میں گرفتار ہو جائیں گے۔ ڈسپنسری تک آنے کیلئے مریض کو بہت سفر کرنا پڑے گا' جبکہ ابھی دونوں گاؤں کی حدود پر اس ڈسپنسری سے دونوں ہی گاؤں

مستفید ہو رہے تھے۔ تراب حقانی نے اپنا فیصلہ سنا کر اگر اس کے باپ کو حکم نہیں دیا تھا بلکہ پیشکش پر سوچنے کا وقت دیا تھا تو صرف اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اس کا باپ کوئی معمولی انسان نہیں ہے۔ شہر کے عیش و آرام چھوڑ کر وہ یہاں آیا ہے تو صرف گاؤں کے لوگوں کی تکلیفیں کم کرنے کیلئے' تراب حقانی کی طرح پڑوسی گاؤں کے چوہدری سے بھی اس کے باپ کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ دونوں اپنی حویلیوں میں ہونے والی تقریبات میں اس کے باپ کو مدعو کیا کرتے تھے' شاید اس لیے بھی کہ ان دونوں کو اس کا باپ گاؤں والوں کی طرح کوئی رینگتی چیز نہیں نظر آتا تھا' نظر آ بھی نہیں سکتا تھا' اس کا باپ اپنے طور پر اپنے اخراجات سے اس ڈسپنسری کو چلا رہا تھا۔ جو کام دونوں گاؤں کے حکمرانوں کے کرنے کے تھے' ان میں سے کئی کام دونوں گاؤں کیلئے اس کے باپ کی کوششوں سے انجام کو پہنچے۔

اس کا باپ اور نہ ہی وہ اس پیشکش کو قبول کرنا چاہتی تھی' سوچنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا' اپنے باپ کے شہر جانے کی وجہ سے اسے آج حویلی کی طرف آنا پڑا تھا' اسے دوٹوک جواب تو تراب حقانی کو نہیں دینا تھا مگر اپنے انکار سے آگاہ ضرور کرنا تھا۔

یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ حویلی میں داخل ہو رہی تھی' اس سے پہلے وہ اپنے باپ کے ہمراہ ہی یہاں آئی تھی تراب حقانی کی دعوت پر' وہ اکثر شہر سے واپس آنے پر اس کے باپ کو یاد کیا کرتے تھے۔ پہلی بار بھی اسے اس حویلی کی امارت اور شان و شوکت نے متاثر نہیں کیا تھا' کیا فائدہ تھا ان اونچی دیواروں والے محل نما قید خانے کا' یہاں کے مکین اور ان کی اولادوں کی اولادیں بھی شہروں اور دوسرے ملکوں میں تھیں۔ یہاں صرف خادم اور خادماؤں کا ہی راج تھا۔ ملازم کی تقلید میں وہ مہمان خانے تک پہنچی تھی۔

''آپ نے کیوں زحمت کی؟ اگر ڈاکٹر صاحب خود آجاتے تو زیادہ اچھا ہوتا''۔ منقش کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے اس نے غلام مرتضیٰ کو دیکھا تھا جو جھجکتے ہوئے یہ بولا تھا۔

''کوئی بات نہیں' میں آئی یا بابا ایک ہی بات ہے' اور ویسے بھی بابا شہر گئے ہیں' رات تک ہی واپسی ہو گی' چوہدری صاحب سے میں بات کر لیتی ہوں''۔

''چوہدری صاحب یہاں نہیں ہیں' وہ تو تین چار دن بعد شہر سے آئیں گے''۔ غلام مرتضیٰ کی بات نے اسے حیران کیا تھا۔

''پھر تم کس کے کہنے پر صبح بلاوا لے کر آئے تھے؟'' رک کر اس نے سامنے سے آتے شخص کو دیکھا تھا جس کی شخصیت یقیناً دم بخود کر دینے والی تھی مگر اس کی پیشانی پر ناگواری کے بل واضح نظر آ رہے تھے۔ پیر پر پیر چڑھائے گردن اکڑائے وہ جس کرسی پر براجمان تھی حاتم حقانی نے اس مخصوص کرسی پر ہمیشہ اپنے باپ کو بیٹھے دیکھا تھا۔

''اس کرسی پر یہ عورت کس کی اجازت سے بیٹھی ہے؟'' کچھ فاصلے پر رک کر اس نے انتہائی سخت لہجے میں غلام مرتضیٰ سے پوچھا تھا جس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

''یہ تاجور بی بی ہیں' ڈاکٹر صاحب کی بیٹی' اس سے پہلے یہ حویلی آئی تھیں تو چوہدری صاحب نے خود ان کو اس کرسی پر بٹھایا تھا''۔

''بابا جان کا بس نہیں چلتا ورنہ ٹکے ٹکے کے لوگوں کو سر پر بٹھا لیں''۔ اس شخص کے تضحیک آمیز لہجے پر تاجور نے غلام مرتضیٰ کو دیکھا تھا جو شرمندگی سے نظر چرا گیا تھا' خاموشی سے وہ کرسی سے اٹھ کر غلام مرتضیٰ کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی جبکہ حاتم حقانی ناگوار نظروں سے اسے دیکھتا اسی منقش کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

''سوچنے کا وقت کافی مل گیا' اب کیا فیصلہ کیا ہے تمہارے باپ نے؟'' سخت اور کھردرے لہجے میں وہ

پوچھ رہا تھا۔

''میں آپ کے باپ کو یہی بتانے آئی تھی کہ ڈسپنسری کو ہٹانے کا فیصلہ بدل دیں' اسی میں دونوں گاؤں کی بہتری ہے''۔ بلاخوف و خطر وہ جس طرح بولی تھی سامنے بیٹھے شخص کے تاثرات بگڑ رہے تھے۔

''کیا اوقات ہے تمہاری جو ہمیں فیصلہ بدلنے کا مشورہ دے رہی ہو' ڈسپنسری کا بہانہ کر کے تم باپ بیٹی نے اس زمین پر قبضہ جما رکھا ہے''۔

''یہ الزام ہے' ہم یہاں مسیحائی کیلئے موجود ہیں' اس میں ہمارا ذاتی کوئی مفاد نہیں''۔ وہ کچھ ناگواری سے بولی تھی۔

''کسی کو ضرورت نہیں تمہاری مسیحائی کی' مجھے وہ زمین چاہیے اور ہر حال میں چاہیے''۔ وہ مشتعل ہوا تھا۔

''وہ زمین متنازعہ ہے''۔ اس نے یاد دلایا تھا۔

''جھگڑے بڑھیں گے' دونوں گاؤں کا امن تباہ ہو گا''۔

''تمہیں اس کیلئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں' جو کہا گیا ہے اس پر عمل کر کے ڈسپنسری خالی کرو''۔ وہ بگڑے انداز میں جھڑک رہا تھا۔

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں ڈسپنسری گرا کر آپ اس زمین کا کیا کریں گے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''میں پابند نہیں ہوں جواب دینے کا مگر پھر بھی بتا دیتا ہوں کہ اس زمین پر میں اصطبل بنواؤں گا''۔ وہ اکڑے بے نیاز لہجے میں بتاتا اس پر احسان کر رہا تھا۔

''یہاں اسکول اور ایک اور ڈسپنسری بنوانے کی ضرورت ہے' ڈاکٹرز کی' ٹیچر کی ضرورت ہے اور آپ.....'' تاسف کے ساتھ رک کر تاجور نے اس بدتہذیب اور بے حس شخص کو دیکھا تھا۔

''یہ زمین ہماری ملکیت ہے' ہمیں زیادہ معلوم ہے اسے کس طرح استعمال کرنا ہے''۔

''اس زمین پر کوئی تو ایسا کام کریں جو زمین کے اندر جانے کے بعد کام آئے''۔ اس کے مدھم تلخ لہجے پر وہ بھڑک کر کرسی سے اٹھا تھا۔

''غلام مرتضیٰ! اس کو باہر کا راستہ دکھاؤ''۔ خونخوار نظروں سے تاجور کو دیکھتا وہ بپھرے لہجے میں حکم دے رہا تھا۔

''میں بینائی رکھتی ہوں' دیکھ سکتی ہوں' یہاں بسنے والوں کی قابل رحم حالت بھی اور ان کی گردنوں پر چڑھ کر حکومت کرنے والوں کی بے حسی بھی''۔ سرد لہجے میں بول کر وہ سرعت سے جانے کیلئے پلٹ گئی تھی۔

''شکار پر جانے کا سارا انتظام مکمل ہو گیا ہے''۔ غلام مرتضیٰ اس سے مخاطب تھا جو لب بھینچے اس کی پشت کو ہی گھور رہا تھا جو یکدم رک کر پلٹی تھی۔

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جنگل میں شکار پر پابندی ہے''۔ براہ راست وہ حاتم سے مخاطب ہوئی تھی۔

''غلام مرتضیٰ! رات کا کھانا حویلی سے ڈاکٹر صاحب کے گھر جائے گا' ہرن کا گوشت انہیں بھی مرغوب ہو گا''۔ چبھتی نظروں سے تاجور کو دیکھتا وہ طنزیہ لہجے میں بول رہا تھا جبکہ وہ گہری سانس لیتی خاموشی سے جانے کیلئے پلٹ گئی تھی۔

''گردن کاٹ کر پھینک دینی چاہیے ایسی نڈر عورت کی' جسے بہت شوق ہوتا ہے مرد کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بحث کرنے کا''۔ رگوں میں جوش مارتے خون کے ساتھ وہ غرایا تھا۔

☆

''اکبر! شہر سے جو دوائیاں آئی ہیں انہیں ڈبوں میں ہی رہنے دینا' یہ جگہ خالی کرنی ہے' کیا کیا سمیٹتے رہیں گے''۔ ایکسپائر ہو جانے والی دوائیاں ایک طرف ڈالتے ہوئے اس نے ڈسپنسری میں کام کرنے والے لڑکے کو ہدایت دی تھی۔

''پتا نہیں ڈاکٹر صاحب کیوں اس ویرانے میں

جانے کیلئے تیار ہو گئے' جنگلی جانوروں کے خوف سے وہاں کون اپنے مریض کو لے کر جائے گا''۔ اکبر مایوسی سے بولا تھا۔

''سر جھکانے کے علاوہ ایک شریف انسان اور کیا کر سکتا ہے مگر تم فکر مت کرو' ڈسپنسری یا تو اپنی جگہ پر رہے گی یا پھر اس گاؤں میں ہی نہیں رہے گی''۔ اس کے سرسری انداز پر اکبر دنگ ہوا تھا۔

''آپ جانتی ہیں حکم عدولی کرنے والوں کے ساتھ حویلی والے کیا کرتے ہیں؟ اگر اس گاؤں میں ڈسپنسری نہ رہی تو وہ کہیں اور بھی ڈسپنسری نہیں بننے دیں گے''۔

''یہ سوچ ہے ان کی' اگر تمہیں کوئی خوف ہے تو تم آج ہی ہمارا ساتھ چھوڑ سکتے ہو''۔ وہ بولی تھی۔ جبکہ اکبر چونک کر کھڑکی کی طرف گیا تھا۔

''غلام مرتضٰی آ رہا ہے''۔ اس نے اطلاع دی تھی۔

''اس بددماغ نے شاید پھر کوئی پیغام بھیجا ہے''۔ کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ زیرلب بولی تھی۔

''تمہیں میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ بندوق کندھے سے لٹکا کر یہاں مت آیا کرو' باہر بھی کتنے بچے کھیل رہے ہیں' تمہیں دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے ہوں گے''۔ خشمگیں نظروں سے اس نے غلام مرتضٰی کو دیکھا تھا۔

''غلطی ہو گئی جی...... آئندہ احتیاط کروں گا''۔ غلام مرتضٰی نے دانت نکالے تھے۔

''میں نے آپ کی شکایت ان تک پہنچا دی ہے مگر وہ کچھ سننے کو تیار نہیں' آپ کو اسی جگہ جانا ہوگا''۔

''یہ کہاں کی انسانیت ہے' اس جنگل میں ڈسپنسری لے جانے کا حکم دے رہے ہیں' عقل ان کی گھاس چرنے گئی ہے''۔ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''اب یہ سب میں ان سے تو نہیں کہہ سکتا' میں جانتا تھا کہ آپ کے سامنے وہ اَڑ جائیں گے' ڈاکٹر صاحب بات کرتے تو شاید وہ بتھے سے نہ اکھڑتے''۔

''میں نے بھی ان سے طریقے سے بات کی تھی۔ بدتہذیبی کا مظاہرہ تو اس شخص نے کیا تھا' اسے اتنا نہیں معلوم کہ عورت سے کس طرح بات کی جاتی ہے' اس کی تعظیم کس طرح کی جاتی ہے''۔ وہ حیرت و ناگواری سے بولی تھی۔

''وہ بڑے لوگ ہیں' انہیں صرف اپنی تعظیم کروانے کی عادت ہے''۔ کام کرتے اکبر نے درمیان میں کہا تھا۔

''تو چپ کر' جانتا نہیں ہے کیا چوہدری اور ان کی اولادوں کو؟'' غلام مرتضٰی نے اسے گھرکا تھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! اب ان کا حکم ماننے میں ہی بہتری ہے' انہوں نے پیغام بھیجا ہے کہ بڑی عید کے بعد یہ جگہ بالکل خالی کر دی جائے' وہ یہاں کام شروع کروا دیں گے''۔

''تم انہیں جا کر میرا یہ پیغام دے دو کہ بڑی عید کے بعد ڈسپنسری نہ یہاں موجود ہوگی اور نہ ہی اس جگہ قائم ہوگی جو ہمیں دے کر وہ احسان کر رہے ہیں''۔ وہ بولی تھی۔

''مگر ڈاکٹر صاحب تو اس جگہ ڈسپنسری لے جانے پر رضامند تھے''۔ غلام مرتضٰی حیرت سے بولا تھا۔

''وہ رضامند ہوئے ہیں مگر میں نہیں' جا کر کہہ دو ہر ایک لفظ جو میں نے تم سے کہا ہے' بڑی عید کے بعد ڈسپنسری کا نام و نشان انہیں اپنے گاؤں کی سرزمین پر نہیں ملے گا''۔ وہ قطعی لہجے میں بولی تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ! ان کے سامنے ڈٹ کر آپ خطرہ مول لے رہی ہیں''۔ غلام مرتضٰی پریشان ہوا تھا۔

''اکبر! تو ہی کچھ سمجھا' چوہدری حاتم کے سامنے تو بڑے چوہدری بھی بھیگی بلی بن جاتے ہیں' اب اگر وہ درمیان میں آ بھی گئے تو بیٹے کے سامنے ان کی ایک نہیں چلے گی''۔

''غلام مرتضٰی! تم اپنے مالک کے پیغامبر ہو' تمہارا

کام صرف پیغام دینا اور لینا ہے''۔ اس کی گھبراہٹ پر تاجور ہلکا سا مسکرائی تھی۔

''آپ کا یہ پیغام ان تک پہنچانے کے بعد جانے میرا کیا حشر ہوگا' وہ ملازم تو اب بھی بستر پر پڑا ہے جو چوہدری حاتم کی ہدایت پر ہرن کا گوشت پکا کر ڈاکٹر صاحب کیلئے لایا تھا اور آپ نے وہ کھانا واپس لوٹا دیا تھا''۔

''اس بات پر انہوں نے اس ملازم پر تشدد کیا تھا؟'' وہ دنگ ہوئی تھی۔

''جم کر تواضع ہوئی تھی اس بے چارے کی''۔ وہ بتا رہا تھا۔

''میرے خدا......'' تاجور نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''ٹھیک ہے' تم ان سے جا کر بس اتنا کہو کہ مجھے ان سے روبرو بات کرنی ہے''۔

''آپ وہاں مت جائیں' پیغام میں جا کر دے دوں گا''۔ اکبر فوراً بولا تھا۔

''نہیں...... میں خود اس سے بات کروں گی' جب یہاں رہنا ہی نہیں ہے تو ڈر و خوف کیسا''۔ اطمینان سے بولتی وہ غلام مرتضٰی کو باہر چلنے کا اشارہ کرتی خود بھی آگے بڑھ گئی تھی۔

''میں اور میرا باپ ان کے زرخرید غلام نہیں اور نہ ہی طبیلے کے جانور کہ جہاں چاہے ہمیں ہنکار دیں' میں کل صبح ہی جا کر ان سے دوٹوک بات کروں گی''۔ اس کے قطعی لہجے پر نا چاہتے ہوئے بھی غلام مرتضٰی سر ہلاتا خاموشی سے چلا گیا تھا' واپسی کیلئے پلٹتے ہوئے وہ رکی تھی۔ جنگلے کے کھلے دروازے سے کاشی قلانچیں بھرتا آ رہا تھا اور اس کے تعاقب میں مکھن۔

''کاشی! تم بلاوجہ اس معصوم کو اپنے پیچھے تھکاتے ہو' دیکھو یہ کس طرح ہانپ رہا ہے''۔ مکھن کی پشت سہلاتے ہوئے وہ کاشی پر ناراض ہو رہی تھی۔

''عنقریب تمہیں اس کی قربانی کرنی ہے' اس کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھا کرو' اور تکلیف پہنچانے سے گریز کرو' ورنہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے''۔ اس نے نرمی سے سمجھایا تھا۔

ابھی تم اس سے جتنی محبت کرو گے اس کی پرواہ کرو گے اتنا ہی تمہیں ثواب ملے گا''۔

''مجھے ابھی معلوم ہوا ہے آپ یہاں سے جا رہی ہیں' اگر آپ یہاں سے چلی گئیں تو میں قربانی نہیں کروں گا''۔ کاشی منہ بسورتے ہوئے بولا تھا۔

''بری بات اس طرح نہیں کہتے' نیت میں فرق پڑتا ہے اور میں کہیں نہیں جا رہی یہیں موجود ہوں''۔ مسکراتے ہوئے اس نے کاشی کو تسلی دی تھی۔

☆

بڑی عقیدت کے ساتھ ملازم نے اس کے دوسرے پیر کے قریب چمڑے کا مخصوص لمبا سا جوتا بڑھایا تھا جس میں پیر ڈالتے ہوئے اس کی نظریں سامنے مرکوز تھیں جہاں وہ غلام مرتضٰی کے ہمراہ سفید لبادے میں سر اٹھائے چلی آ رہی تھی۔

''اس طرح زمین پر چلتی ہے جیسے اس پر احسان کر رہی ہے''۔ اسے دیکھتے ہوئے پہلا خیال حاتم حقانی کے ذہن میں یہی ابھرا تھا۔ جوتوں کی زپ اوپر تک چڑھاتے ہوئے ملازم پیچھے ہٹ گیا تھا اور اس کی پشت کی طرف آ کر جیکٹ پہننے میں مدد دینے لگا تھا۔ گھوڑے کے بری طرح ہنہنانے پر وہ جو رائفل چیک کر رہا تھا چونک کر اس جانب بڑھا تھا جہاں ملازم گھوڑے کی پشت پر زین کستا ضرور کوئی ایسی کوتاہی کر گیا تھا جو گھوڑے سے برداشت نہیں ہوئی تھی۔

تاجور کو سانپ سونگھ گیا تھا جب اس نے منہ کے بل گرتے ملازم کو ٹھوکریں کھاتے دیکھا تھا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھوڑے کو اذیت پہنچانے کی''۔ پے در پے ٹھوکریں ملازم کے نحیف وجود پر برساتا وہ دھاڑ رہا تھا۔

"نچلی ذات کے لوگو! تم لوگ جوتوں کے نیچے رکھنے کے قابل ہو۔" خونخوار نظروں سے وہ اس ملازم کو گھور رہا تھا جو ہاتھ جوڑے معافی کیلئے گھگھیا رہا تھا۔ کالر جھٹک کر ٹھیک کرتا وہ بگڑے تیوروں کے ساتھ ہی اس کی سمت آیا تھا جو لب بھینچے اس کے وحشیانہ سلوک کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی' بس یہ بتانے آئی ہوں کہ جو جگہ آپ ہمیں دے رہے ہیں وہ کم از کم انسانوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے......"

"تو کیا کروں؟ تم باپ بیٹی کو اپنی حویلی میں جگہ دے دوں۔" اس نے بھڑک کر تاجور کی بات کاٹی تھی۔

"معاف کیجیے گا مگر یہ حویلی بھی ہم جیسے انسانوں کیلئے کال کوٹھری سے کم نہیں۔" وہ نخوت سے بولی تھی۔

"ڈسپنسری سمیت ہم پڑوسی گاؤں میں منتقل ہو جائیں گے' کم از کم وہ جگہ ہمارے قابل تو ہو گی' وہاں قدر تو ہو گی ہماری۔"

"ہم سے بغاوت کر کے تم ہمارے دشمنوں کی زمین پر بسیرا کرنا چاہتی ہو۔" خونخوار لہجے میں وہ بولا تھا۔

"جب آپ اپنی غرض کیلئے دشمنوں سے گٹھ جوڑ کر کے اس کی زمین پر قبضہ جما سکتے ہیں تو ہم کیوں پیچھے رہیں' ویسے بھی وہ آپ کے دشمن ہیں مگر ہمیں کھلے دل سے قبول کر رہے ہیں۔" اس کے تیور خاطر میں لائے بغیر وہ بولی تھی۔

"ہم پڑوسی گاؤں میں رہ کر بھی یہاں کے لوگوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔"

"ایک بات میری غور سے سن لو' اس گاؤں سے نکل کر تم جہاں جاؤ گی میں وہاں آگ لگوا دوں گا' دو ہی راستے ہیں تمہارے پاس' یا تو راتوں رات یہ گاؤں چھوڑ کر اپنے باپ کے ساتھ شہر چلی جاؤ یا پھر اس جگہ ڈسپنسری شروع کرو جو میں نے تمہیں دی ہے' صرف اپنے باپ کی وجہ سے میں رعایت کر رہا ہوں' اس کا مطلب یہ نہیں کہ جوتوں سمیت میرے سر پر چڑھو۔" اس کے حقارت آمیز لہجے پر تاجور کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔

"جوتوں کے نیچے رکھنے کیلئے جوتوں سمیت سر پر چڑھنا ہی پڑتا ہے۔" اس کی مدھم آواز پر وہ پلٹتے پلٹتے رکا تھا۔

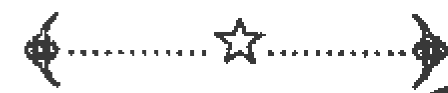
"اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری ہر بات مان لی جائے تو ٹھیک ہے۔" سرد لہجے میں بولتے ہوئے اس نے بغور تاجور کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"صرف ایک بار اپنی یہ چادر اتار کر میرے ہاتھ پر رکھ دو پھر جو چاہے منوا لو۔" اس کے چبھتے لہجے اور گستاخانہ نگاہوں نے تاجور کا چہرہ سرخ کیا تھا۔

"تمہارے خاندان کی کتنی عورتوں نے اب تک اپنی چادر تمہارے حوالے کی ہے؟" تاجور کا مدھم لہجہ شعلہ بار تھا جبکہ حاتم حقانی کی آنکھوں سے شعلے ابل پڑے تھے۔ تاجور کی طرف اس کا ایک ہی قدم بڑھا تھا جب غلام مرتضیٰ سرعت سے درمیان میں آیا تھا۔

"ان کو معاف کر دیں' یہ نہیں جانتیں مالکوں سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔" غلام مرتضیٰ لجاجت سے بولا تھا جبکہ وہ خونخوار نظروں سے اسے گھور رہا تھا جو بڑے سکون کے ساتھ اس کی آنکھوں میں ہی دیکھ رہی تھی۔ ایک جھٹکے سے غلام مرتضیٰ کو پرے ہٹاتا وہ گھوڑے کی سمت گیا تھا اور ایک ہی جست میں اس کی پشت پر تھا۔

"غلام مرتضیٰ! اس عورت کا چہرہ اچھی طرح از بر کر لو تاکہ آدھی رات کے اندھیرے میں اسے میرے قدموں تک لانا پڑے تو تمہیں کوئی دشواری نہ ہو۔" تاجور کے چہرے پر نظر جمائے وہ بلند آواز میں غلام مرتضیٰ سے مخاطب ہوا تھا' اور اگلے ہی پل اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا حویلی کا پھاٹک عبور کر گیا تھا۔



اونچے گھنے درختوں کے جھنڈ کے درمیان اس قدرتی تالاب کے کنارے وہ درخت کے چوڑے تنے سے پشت لگائے بیٹھی تھی۔ درخت کی گھنی شاخوں سے چھن کر آتی کرنوں نے ماحول میں ہلکا ہلکا اندھیرا اجالا سا پھیلا رکھا تھا۔ ٹھنڈی پرسکون ہواؤں میں ابھرتی پرندوں کی مدھم چہچہاہٹ سماعتوں میں رَس گھول رہی تھی' جنگلی پھولوں کی مہک فضا میں رچی بسی تھی' گھٹنوں سے ٹکی کتاب کا ورق پلٹتے ہوئے اس نے کاشی کو دیکھا تھا جو اپنے مگن کے ساتھ تالاب کے کنارے اچھل کود میں مصروف تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ دوبارہ کتاب کی طرف متوجہ ہوئی تھی مگر اگلے ہی پل فائر کی بھیانک آواز نے ماحول کو منتشر کر دیا تھا' سہمے کھڑے کاشی کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتی وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔ تجسس کے ساتھ اس کے قدم جنگل کے اندر ہی اندر بڑھتے چلے گئے تھے۔ آہستہ آہستہ نیم تاریکی گہری ہوتی چلی جا رہی تھی' سورج کی روشنی گھنے درختوں کے درمیان راستہ بنانے میں ناکام تھی' پراسرار خنک خاموشی میں جنگلی پرندوں کی وقتاً فوقتاً ابھرتی آوازیں' یکدم ہی اس کے قدم رک گئے تھے' اس کے دل میں پہلی بار خوف جاگ اٹھا تھا۔ عقب میں اسے سوکھے پتوں کے چرچرانے کی ایسی آواز سنائی دے رہی تھی کہ جیسے وہ بھاری قدموں تلے کچلے جا رہے ہیں۔ ساکت کھڑی وہ سانس روکے سامنے درخت پر لپٹے سیاہ سانپ کو تک رہی تھی' وہ سانپ سے خوفزدہ نہیں تھی کیونکہ سانپ کو وہ دیکھ رہی تھی مگر اسے نہیں جو اَب بالکل اس کی پشت کے قریب تھا۔ اس کا وجود بالکل سن تھا خنکی کے باوجود اس کے چہرے پر خوف کا پسینہ پھوٹ پڑا تھا' اس نے چیخنا چاہا تھا مگر آواز حلق میں ہی گھٹ گئی تھی' اس کے دل کی دھڑکن اس وقت بالکل رک گئی تھی جب ایک سخت گرفت نے اس کا رخ پھیرا تھا' سر اٹھائے وہ پھٹی پھٹی نظروں سے انتہائی قریب موجود شخص کو دیکھ رہی تھی جسے اس تاریکی میں پہچاننا مشکل نہیں تھا' وہ اس وقت بھی حرکت نہیں کر سکی تھی جب دو سرد ہاتھ اسے اپنے چہرے کے گرد محسوس ہوئے تھے۔

"تمہارے چہرے پر میں یہی خوف دیکھنا چاہتا تھا۔" اس کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو پر نظر جمائے وہ سلگتے لہجے میں بولا تھا۔

"جو طمانچہ تم نے میرے چہرے پر مارا تھا اس کا جواب اس خاموشی اور تنہائی میں' میں تمہیں بہت اچھی طرح دے سکوں گا۔" اس کا آنسوؤں سے بھیگتا چہرہ اپنے ہاتھوں میں جکڑے وہ مدھم آواز میں غراتا اس کے چہرے کی جانب جھک ہی رہا تھا کہ اس کے حلق سے فلک شگاف چیخ ابھری تھی' پوری قوت سے اسے پیچھے ہٹانے کے باوجود بھی وہ بھاگنے میں ناکام رہ گئی تھی' دو قدم بھی وہ طے نہ کر سکی تھی جب وہ دوبارہ اس کے لرزتے وجود کو اپنے شکنجے میں جکڑ گیا تھا۔

"چیخنا بند کرو۔" اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ جمائے وہ دھاڑا تھا مگر اگلے ہی پل جانے کیا ہوا تھا اپنے سر کے گرد ہاتھ رکھے وہ تڑپ کے پلٹا تھا' دوسری جانب لڑکھڑا کر سنبھلتے ہوئے تاجور کی نظر سامنے کھڑے کاشی پر ساکت ہوئی تھی جو شدید غصے میں کانپتا' گہرے گہرے سانس بھرتا ایک اور پتھر اٹھا چکا تھا۔ اس چھوٹے سے لڑکے کے تیوروں نے حاتم کو دنگ کیا تھا اور اگلے ہی پل غیض وغضب میں پاگل' جب اسے اپنا ہاتھ اپنے ہی خون سے بھیگا نظر آیا تھا۔

"کاشی......" حلق کے بل چیختی وہ اس سے پہلے کہ حاتم کو روکتی فائر کی آواز کانوں کو سن کر گئی تھی' پرندے اپنے گھونسلے چھوڑ کر شور مچاتے تتر بتر

ہوگئے تھے۔

لرزتے قدموں کے ساتھ وہ کاشی کی سمت بڑھی تھی جس کی وحشت زدہ نظریں اپنے قدموں میں ساکت ہوئے مکھن پر جمی تھیں۔ گھٹنوں کے بل خون میں لت پت مکھن کے قریب بیٹھتی تاجور نے بدحواس ہوکر اس کے بے جان وجود کو ہلا جلا کر دیکھا تھا مگر نہ مکھن نے کوئی حرکت کی تھی نہ اس کی کھلی آنکھوں میں زندگی کی کوئی جھلک نظر آئی تھی۔

''کاشی! مکھن مر گیا...... تمہارا مکھن چلا گیا''۔ کانپتی آواز میں تاجور نے اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے قریب کرنا چاہا تھا مگر وہ اپنا ہاتھ چھڑاتا بہت خاموشی سے مکھن کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ تاجور کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے تھے وہ کتنی محبت کرتا تھا مکھن سے' وہ کتنا پرجوش تھا اسے خدا کی راہ میں قربان کرنے کیلئے' کتنی شدت سے اسے انتظار تھا اس دن کا جب اسے سنتِ ابراہیمی پر عمل کرنے والوں میں شامل ہوجانا تھا اور اب وہ کیسی بے بسی اور لاچاری سے گھٹنوں میں سر دیے کرسکتا سب کچھ گنوا گیا تھا۔ ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہ اس کی سمت پلٹی تھی جو خاموش تماشائی بنا تمسخر بھری نظروں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''اب تک تو تم مجھے شیطان صفت انسان دکھائی دیتے تھے مگر تم تو انسانیت کے درجے سے بھی گرے ہوئے ہو' تم نے ایک جانور کو نہیں مارا' اللہ کی ناراضگی مول لی ہے' وہ قربانی کا جانور تھا' اس کی حیثیت کے سامنے تم جیسی وحشی درندے کی کوئی اوقات نہیں تھی۔ تم نے ایک بے زبان کی جان لی ہے' ایک معصوم یتیم بچے کے دل پر قیامت ڈھائی ہے' میں خدا سے تمہاری شکایت نہیں کروں گی بلکہ دعا کروں گی کہ تم جیسے سفاک انسان کو ابھی اور اسی وقت غرق کردے''۔ سر سے پیر تک کانپتی وہ حلق کے بل چیخ رہی تھی۔

''ضرور...... تم دعا کرو' میں یہیں رک کر اپنے غرق ہونے کا انتظار کرتا ہوں''۔ استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے حاتم نے اپنا ہاتھ قریبی درخت سے ٹکا دیا تھا مگر اگلے ہی پل ہاتھ کے نیچے کسی لجلجی سی چیز کے کلبلانے پر وہ چونکا تھا مگر تب تک وہ سانپ اپنا کام دکھا چکا تھا۔ تکلیف سے کانپتا ہاتھ دوسرے ہاتھ میں پکڑے وہ بلند کراہ کے ساتھ اپنے گھٹنوں پر گرا تھا۔

''وہ مرجائیں گے''۔ کاشی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ ہلایا تھا جو شدید نفرت انگیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو اَب نڈھال ہوتا پشت کے بل گر چکا تھا۔ وہ بالکل بھی اس غلیظ انسان کی مدد نہیں کرنا چاہتی تھی جس کے نزدیک غریب کی حیثیت کیڑے مکوڑوں جیسی تھی' وہ ایک قدم بھی اس کی جانب نہیں بڑھانا چاہتی تھی جس نے اپنے ناپاک ہاتھوں سے اسے چھوا تھا' وہ ہرگز اس شخص کی اذیت دور نہیں کرنا چاہتی تھی جس نے قربانی کے جانور کا تقدس پامال کرڈالا تھا۔ مگر...... اس کا پیشہ اس چیز کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے کسی کو مرتا ہوا دیکھے۔ اس کی روح میں موجود مسیحائی نے اسے آگے بڑھنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے تاجور نے اپنی چادر کا کنارا چیرنے کی کوشش کی تھی تاکہ اس کے بازو پر باندھ کر زہر پھیلنے سے روک سکے مگر چادر مضبوط اور بھاری تھی' آخری منظر جو حاتم نے دیکھا وہ یہ تھا کہ وہ اپنے چہرے کے گرد بندھا ریشمی کپڑا اتار کر اس کے بازو پر لپیٹ رہی تھی' اس کے بعد وہ مکمل غافل ہوگیا تھا۔

☆

''اب تو کاشی کا بخار بالکل غائب ہوگیا ہے''۔ تھرمامیٹر ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے بمشکل چہرے پر مسکراہٹ لاکر کاشی کو دیکھا تھا جس کی آنکھوں میں اب بھی موٹے موٹے آنسو تیر رہے

تھے۔

''تھوڑا سا دودھ پی لو پھر دوا کھانی ہے''۔ نرم لہجے میں اسے مناتے ہوئے اس نے دودھ کا گلاس کاشی کے ہاتھوں میں پکڑایا تھا اور پینے کی تاکید کرتی اس کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔ پردہ ایک طرف سرکا کر وہ اس کی طرف بڑھی تھی جو چمڑے کے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اور قریب ہی موجود اکبر اسے انجکشن لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔ خاموشی کے ساتھ وہ اس کے نڈھال چہرے کو دیکھ رہی تھی جو بالکل زرد ہو رہا تھا۔ سارا گھمنڈ اور دبدبہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا یا کچھ وقت کیلئے غائب ہوگیا تھا۔ وہ بالکل اس وقت ہوش میں تھا مگر نظر نہیں ملانا چاہتا تھا وہ الگ بات تھی۔

''ڈاکٹر صاحب ان کو دیکھ چکے ہیں' ویسے بھی اب کافی وقت گزر چکا ہے' ڈاکٹر صاحب نے صرف آدھا گھنٹہ مزید ان کو روکنے کا کہا تھا''۔ انجکشن لگانے کے بعد اکبر نے کہا تھا۔

''بابا مطمئن ہیں تو ٹھیک ہے' غلام مرتضیٰ کافی دیر سے باہر انتظار کر رہا ہے' تم ان کو اپنے ساتھ گاڑی تک لے کر جانا''۔ اکبر کو ہدایت دیتی وہ جاتے جاتے رکی تھی۔

''اور ہاں...... غلام مرتضیٰ سے کہنا اپنے مالک سے پوچھ لے اگر وہ مطمئن نہ ہوں تو ان کو سیدھا شہر کے کسی مہنگے ہاسپٹل کے قابل ڈاکٹر کے پاس لے جائے''۔ ایک تیکھی نظر اس کی بند آنکھوں پر ڈالتی وہ بولی تھی اور اکبر کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتی واپس پردہ پھیلاتی چلی گئی تھی۔ بوجھل آنکھیں کھول کر اس نے ایک نگاہ پردے پر ڈالی تھی اور پھر بھاری ہوئے سر کو سنبھالتا اٹھ بیٹھا تھا۔ اس کا بازو اس قدر سوج کر پھولا ہوا تھا کہ آستین کا کپڑا کاٹنا پڑا تھا' اس نے کوشش کی تھی اپنے ہاتھ کو حرکت دینے کی مگر کچھ تکلیف اور دقت کا سامنا تھا۔ چادر ایک طرف ہٹاتے ہوئے اسے پردے کے پیچھے سے تاجور کی مدھم آواز سنائی دی تھی جو اکبر سے مخاطب تھی۔

''یہ چادر انہیں پہنا دو' ساری دوائیاں اور ان کے کھانے پینے کی ہدایات غلام مرتضیٰ کو اچھی طرح سمجھا دینا''۔ دوبارہ کاشی کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے خود دودھ کا گلاس اس کے منہ سے لگایا تھا اور پھر کچھ چونک کر اسے دیکھا تھا جو اکبر کے ساتھ آگے بڑھنے کے بجائے سامنے رک گیا تھا۔ تاجور نے اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹالی تھیں جو شانوں کے گرد سیاہ چادر لپیٹے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔ دوسری جانب سہمی نظروں سے اسے دیکھتا کاشی' تاجور کے پہلو میں سمٹ گیا تھا۔

''مجھے معاف کردو''۔ دھیرے سے کاشی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

''میں جانتا ہوں میں نے تمہارا بہت بڑا نقصان کردیا ہے' میں جانتا ہوں میں بہت برا ہوں مگر تم تو بہت اچھے ہو' کیا تم مجھے معاف نہیں کروگے؟'' اس کے التجائی لہجے پر تاجور نے دنگ نظروں سے اس کی آنکھوں میں چمکتی نمی کو دیکھا تھا اور پھر کاشی کو جو اس کے پیچھے چہرہ چھپانے کی کوشش کررہا تھا' دوسری جانب حاتم نے چند لمحوں تک کاشی کا ہاتھ لبوں سے لگائے رکھا تھا اور پھر خاموشی سے اٹھ گیا تھا۔

''آپ کا ہاتھ چند گھنٹوں میں بہتر ہونا شروع ہوجائے گا' دوائیاں وقت پر لیجیے گا''۔ عقب سے ابھرتی تاجور کی مدھم آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا تھا مگر وہ کاشی کی طرف متوجہ تھی۔ سر سے پاؤں تک وہ شرمندگی اور ندامت کا شاہکار بنا ڈسپنسری سے نکل گیا تھا۔

☆

سرسبز کھیتوں کے درمیان چلتے ہوئے اس کی نظریں سامنے اس سفید گھوڑے پر تھیں جو برق رفتاری سے قریب آرہا تھا مگر آہستہ آہستہ اس کی رفتار کم ہوتی جا رہی تھی۔ اسے نظرانداز کرتی وہ سر جھکائے تیز قدموں

کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔

''جنگل کی طرف تنہا مت جایا کرو''۔ اس کے لہجے میں حکم یا کوئی سختی نہیں تھی مگر پھر بھی کچھ تھا جو وہ رُک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''احسان مند ہوں تمہارا''۔ اِدھر اُدھر لہراتے گھوڑے کو قابو کرتا وہ مزید بولا تھا۔

''معافی کا طلبگار بھی ہوں' خدا سے معافی مانگ لی ہے' تم بھی معاف کر دو گی تو تمہاری سمت آنے کے راستے میرے لیے آسان ہو جائیں گے''۔

''اور اگر میں معاف نہ کروں تو......؟'' وہ کچھ طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

''تو پھر میں خدا سے تمہاری شکایت نہیں کروں گا بلکہ دعا کروں گا کہ وہ تمہارا دل میرے لیے صاف کر دے''۔ حیران نظروں سے تاجور نے اس کے چہرے اور آنکھوں میں بکھرتی مدھم مسکراہٹ کو دیکھا تھا اور پتا نہیں کیوں تاجور کو محسوس ہوا تھا کہ خدا نے اس کی دعا قبول کر لی ہے تب ہی وہ چونک کر بلند آوازوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی' ششدر کھڑی وہ کاشی کو دیکھ رہی تھی اور اسے بھی جو کاشی کے تعاقب میں بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔

''یہ بالکل میرے مکھن جیسا ہے ناں......؟ اب کل عید پر میں قربانی کر سکوں گا''۔ خوشی سے اچھلتا وہ چیخا تھا۔

''یہ کون لایا ہے؟'' دنگ نظروں سے وہ اب تک سفید براق دنبے کو ہی تک رہی تھی۔

''وہ لائے ہیں اسے میرے لیے''۔ ایک پل کو رک کر کاشی نے اس کی سمت اشارہ کیا تھا جو گھوڑے پر سوار دور ہوا میں دوڑتا جا رہا تھا۔

☆

عیدالاضحیٰ کا دن آ چکا تھا' مقدس مذہبی تہوار کا دن' بڑی عید کا دن۔ جس کے استقبال کی رونق کل رات سے کچھ زیادہ عروج پر تھی۔ وہ خوش تھی مگر دل بوجھل بھی تھا کہ آج یہاں اس کی آخری رات گزرے گی۔ اپنے باپ کے سمجھانے کے باوجود وہ اب یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی' اپنا سامان سوٹ کیس میں بھرتے ہوئے اسے کاشی کی پکاریں سنائی دی تھیں' جو وہ کچھ عجلت میں باہر بھاگی آئی تھی۔

''آپ آخری بار میرے مکھن کو دیکھ لیں' تھوڑی دیر بعد یہ ذبح ہونے والا ہے''۔ پرجوش انداز میں کاشی اس کا ہاتھ کھینچتا مکھن تک پہنچا تھا۔

''شکر ہے تم خوش ہو' اب ایسے ہی خوشی کے ساتھ اپنے مکھن کی قربانی کرنا...... رونا بالکل نہیں''۔ تاجور نے مسکراتے ہوئے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''میں تو بالکل نہیں روؤں گا' دوست نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خوش رکھنے کیلئے ڈھیر ساری چیزیں دیتے ہیں تو کیا ہم ایک من پسند چیز اللہ کی راہ میں قربان نہیں کر سکتے''۔ وہ اٹھلا کر بولا تھا۔

''کیوں نہیں کر سکتے' ہم سب مسلمانوں کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس سنت پر عمل کریں' جیسے تم کر رہے ہو''۔ وہ مسکرائی تھی۔

''ویسے یہ کون سے دوست ہیں تمہارے جن کے ایک بار سمجھانے پر تمہارے آنسو غائب اور مسکراہٹ نمودار ہو گئی؟''

''وہی دوست جو میرے مکھن کو ذبح کریں گے' انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مکھن کو بہت پیار سے ذبح کریں گے''۔

''مجھے اب بھی سمجھ نہیں آیا تم کس دوست کی بات کر رہے ہو؟'' مسکراہٹ چھپاتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''وہی جو اس دن جنگل میں آپ سے ہاتھا پائی کر رہے تھے''۔ کاشی کے جھلائے انداز پر تاجور نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور اگلے ہی پل کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی تھی' جنگلے کے پار اکبر سے عید ملتے حاتم کی نظریں اس کے ہنستے چہرے پر ساکت ہوئی تھیں یکدم ہی کوئی تیز دھار چھری بہت نرمی سے اسے اپنی شہ رگ میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔

☆

فرنی پیالیوں میں نکالتے ہوئے اسے ایک بار پھر کاشی کی پکاریں سنائی دی تھیں۔ باہر آتے ہوئے اس سے پہلے کہ وہ کاشی سے کوئی سوال کرتی اس کی نظر جنگلے کے اندر داخل ہوتے حاتم تک گئی تھی۔

''مکھن ذبح ہو گیا مگر چھری ان کے ہاتھ پر بھی لگ گئی' بہت خون بہہ رہا ہے''۔ کاشی کے حواس اڑے ہوئے تھے جبکہ وہ ایک بار پھر حاتم کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو ہاتھ پر کپڑا لپیٹے شرمندہ چہرے کے ساتھ قریب آ رُکا تھا۔

''آپ اندر آ جائیے''۔ سنجیدگی سے تاجور نے اسے ڈسپنسری میں جانے کا راستہ دیا تھا۔

''کاشی! بھاگ کر جاؤ اور اکبر ملے تو کہو فوراً یہاں پہنچے''۔ کاشی کو ہدایت دے کر وہ حاتم کی طرف آئی تھی جو اس کا ہی منتظر کھڑا تھا۔

''آپ کا ہاتھ تو کافی زخمی ہو گیا ہے''۔ اس کے خون آلودہ ہاتھ سے کپڑا ہٹاتے ہوئے وہ بولی تھی جبکہ اس کی تشویش پر حاتم نے چونک کر ہلکے نیلے دوپٹے میں قید اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''آپ بیٹھ جائیں''۔ اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتی وہ چند لمحوں کیلئے کہیں غائب ہو گئی تھی مگر پھر واپس لوٹ آئی تھی۔ اپنا ایک ہاتھ اس کے ہاتھ کی پشت کے نیچے رکھے اور دوسرے ہاتھ سے وہ بہت احتیاط سے اس کی ہتھیلی کا زخم صاف کرتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کے نرم لمس میں جادو تھا' طمانیت انگیز کیفیت حاتم کے دل و دماغ پر طاری ہونے لگی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے چہرے پر وہ تحریر تلاش کرے جس نے اس جیسے اڑیل انسان کا دل اپنے قدموں میں جانے کب جھکا لیا تھا''۔ مگر یہ سچ تھا کہ وہ ایک بار کے بعد دوبارہ نظر بھر کے اس کے چہرے کو دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا تھا حالانکہ وہ بہت قریب تھی' اس کی چوری نہیں پکڑ سکتی تھی مگر...... اپنے زخم پر مرہم رکھتے اس کے ہاتھ پر نظر جمائے وہ بالکل خاموش اور ساکت تھا۔

''پہلی بار ذبح کیا ہے؟'' اس کے ہاتھ پر سفید پٹی لپیٹتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں پہلی بار...... ذبح کیا بھی اور ہوا بھی''۔ اس کے مدھم بھاری لہجے پر تاجور نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔ کام مکمل کر کے وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی تھی جبکہ وہ خود بھی کرسی سے اٹھ گیا تھا۔

''سنا ہے پہلی بار آپ کی صورت میں حویلی کے کسی فرد نے گاؤں والوں کے ساتھ عیدگاہ میں نماز پڑھی' ان کے درمیان وقت گزارا' کہیں آپ کے والد محترم آپ کو الیکشن کا امیدوار تو نہیں بنانے والے؟'' اس کے ہلکے سے طنزیہ لہجے پر حاتم کو اس کی جانب دیکھنا پڑا۔

''ہم اگر جاگیردارانہ خصلت کو بھول کو عام انسان بننا چاہیں تو بھی شک کی نظر سے ہی دیکھا جاتا ہے''۔ اس سنجیدہ لہجے پر تاجور کچھ شرمندہ سی ہوئی تھی۔

''ڈسپنسری کل تک بالکل خالی ہو جائے گی' بابا اس گاؤں میں رہنا چاہتے ہیں' انہیں فرق نہیں پڑتا جگہ کوئی بھی ہو مگر میں آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتی''۔ نظر جھکائے وہ ہلکی آواز میں بول رہی تھی۔

''میں آپ کے دشمنوں کی زمین پر بھی نہیں جا رہی' میں دشمنی بڑھانے کی وجہ نہیں بننا چاہتی' مجبوراً مجھے شہر ہی جانا ہے''۔ خاموش ہو کر تاجور نے نگاہ اٹھائی تھی مگر زیادہ دیر تک ان گہری آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔

''خدا کی قسم...... مجھے اپنے دشمن صرف اس لیے عزیز ہو گئے ہیں کیونکہ ان کی زمین پر تمہارے قدم پڑتے ہیں''۔ اس کے مضبوط اٹل لہجے پر تاجور دنگ

ہوئی تھی۔

''نہ تم کہیں جا رہی ہو اور نہ ہی یہ ڈسپنسری تم سے چھینی جا رہی ہے۔ اس گاؤں میں زندگی کو زندہ رہنے کیلئے آگ، ہوا، مٹی اور پانی کی طرح تمہاری بھی ضرورت ہے کم از کم میرے لیے تو......'' وہ یکدم ہی رُکا تھا۔

''آج شام ہی بابا جان یہاں پہنچ رہے ہیں، تم سے ملنا چاہتے ہیں، خود آئیں گے تمہارے پاس، اگر تم اجازت دو''۔

''کیوں...... کوئی نیا فیصلہ سنانے؟'' وہ حیرت چھپائے بولی تھی۔

''فیصلہ تو تم نے کرنا ہے، وہ تو صرف میری التجا تم تک لے کر آئیں گے''۔ گہرے لہجے میں وہ بولا تھا۔

''ٹھیک ہے لیکن التجا اگر مجھے گراں گزری تو انکار کیلئے تیار رہیے گا''۔ سنجیدگی سے بولتے ہوئے تاجور نے بغور اس کی آنکھوں کی بجھتی قندیلوں کو دیکھا تھا۔

''ذبح تو ہو چکا ہوں، انکار کرکے بالکل ہی گردن تن سے جدا کر ڈالو گی کیا؟'' مدھم سوالیہ لہجے پر تاجور نے اس کے بجھے تاثرات کو دیکھا تھا۔

''آپ کو انکار کا خدشہ ہے تو خدا سے میری شکایت نہیں بلکہ دعا کر لیجیے گا''۔ اس کے مسکراتے لہجے پر حاتم نے چونک کر اس کے چہرے پر بھی موجود مسکراہٹ کو دیکھا تھا اور پھر یکدم ہی ہر بوجھ سے آزاد پرسکون ہو گیا تھا۔

''معافی چاہتا ہوں، عید کے دن اس حلیے میں تمہارے سامنے آ کر میں نے تمہاری عید خراب کر دی''۔ کچھ شرمندگی کے ساتھ حاتم نے اپنے سفید لباس پر نظر دوڑائی تھی جس پر قربانی کے خون کی سرخ چھینٹیں نمایاں تھیں۔

''اس حالت میں تو میں واقعی تمہیں وحشی درندہ ہی نظر آ سکتا ہوں''۔ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ حاتم نے اسے دیکھا تھا۔

''نہ میری عید خراب ہوئی ہے اور نہ ہی میرے سامنے کوئی وحشی درندہ موجود ہے، مجھے بس یہ نظر آ رہا ہے کہ اس بڑی عید کے دن میرے سامنے ایک بڑا انسان موجود ہے جو پہلے جانے کہاں چھپا تھا''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''شکریہ...... تمہارے یہ جملے میرے لیے بہت خوبصورت اعزاز کی طرح ہیں، میں اسے ہمیشہ اپنے دل میں سنبھال کر رکھوں گا''۔ جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ بولتا وہ اس کے ساتھ ہی باہر جانے کیلئے آگے بڑھا تھا۔

''عید کے بعد گاؤں میں کیمپ لگنے شروع ہو جائیں گے، میں نے سارا انتظام کر لیا ہے، شہر سے ڈاکٹرز کے ایسے بہت سے گروپ یہاں آنے کیلئے تیار ہیں جو تمہارے اور ڈاکٹر صاحب جیسا ہی خدمت خلق کا جذبہ دل میں رکھتے ہیں''۔ ایک نگاہ تاجور کو دیکھتا وہ بولا تھا۔

''اس دوران میں کوشش کرتا رہوں گا کہ جو دوسری ڈسپنسری میں بنوا رہا ہوں وہاں مستقل بنیادوں پر ڈاکٹرز دستیاب ہو جائیں، اسکول میں اساتذہ کا اضافہ اور تعلیم کا نظام بہتر ہو جائے''۔

''خلق خدا کیلئے آپ کی یہ کوشش، ایثار و قربانی آپ کو نجات دیں گے''۔ اس کے مدھم لہجے پر حاتم نے اسے دیکھا تھا۔

''سچ کہوں...... کسی حد تک میری ان کوششوں کا مقصد یہ بھی ہے کہ تم میرے بارے میں کچھ اچھا سوچو، کیونکہ میں تمہارے لئے بہت اچھا سوچتا ہوں''۔ اس کے گہرے لہجے پر تاجور نے ایک مسکراتی نگاہ اس سروقد شخص پر ڈالی تھی جو کم از کم اس کی نظروں میں اپنی قامت سے مزید بلند تر ہو گیا تھا۔

☆

ثنا خان صنعا

افسانہ

دھنک رنگ ساتھ ساتھ

''اُف! آج کے بعد میری توبہ جو میں تم دونوں کے ساتھ آؤں ریلی''۔ سقینہ نے برا سا منہ بنا کے کہا اور چپس کھانے لگی۔

''جی...... جی! ہم تو جیسے ماہی بے آب کی طرح



تڑپتے' مچلتے ہیں ناں تمہارے ساتھ کو' ہماری ڈبل توبہ جو تمہیں اپنے ہمراہ لائیں' اتنی پھوہڑ لڑکی ہو تم کچھ کچھ شک تو تھا مگر آج ثبوت بھی مل گیا''۔ تیاری سے لیس یشل بُری طرح تپ گئی تھی سقینہ کے اعتراض پر پھر ایک زبردست ''جھاڑ'' پلانے کے بعد ٹائر کی طرف دوبارہ مشغول ہوگئی جہاں پہلے ہی اتباع اپنی سی کوشش میں مصروف تھی۔

''ٹائر وغیرہ تو ٹھیک ہے یار' بونٹ بھی چیک کرلیا پانی کی کمی ہے گاڑی میں' اب کیا کریں؟'' اتباع نے بھی اچھی طرح چیکنگ کرنے کے بعد ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

''مگر اس ٹائم پانی کہاں سے ملے گا' پوری گلی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی ہے' ایک ہم بے چین روحوں کی مانند اِدھر اُدھر منڈلا رہی ہیں''۔ سقینہ نے کوفت سے کہتے ہوئے چپس کا خالی پیکٹ ہوا میں اچھالا۔

''ہاں اور اس وقت تمہیں ہی سب سے زیادہ بے چینی تھی کہ یار بڑی عید آنے سے پہلے مارکیٹ کا چکر لگا لیں''۔ یشل نے سقینہ کی نقل اتارتے ہوئے کہا تو اتباع کی ہنسی چھوٹ گئی...... سقینہ چڑ گئی۔ اتباع اپنی نگاہیں تمام کوٹھیوں پر ڈالتی ایک کا دروازہ بجانے لگی۔

''جی بی بی! کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' چوکیدار نے گیٹ کے چھوٹے دروازے سے منہ نکال کر کہا۔

''وہ پانی چاہیے ہماری گاڑی میں پانی نہیں' پلیز ایک بوتل دے دیں''۔ اتباع نے قدرے عجلت سے کہا۔

''اشرف! گیٹ کھولو آکاش کو گاڑی نکالنی ہے''۔ اندر سے ایک رعب دار مردانہ آواز ابھری۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا تو انیس صاحب کی نظر اتباع پر پڑی۔

''یہ کون ہیں؟''

''وہ صاحب! پانی چاہیے انہیں''۔ چوکیدار نے وضاحت دی۔

''جاؤ پھر جلدی سے پانی لاؤ' آؤ بیٹا! آپ اندر آ جاؤ''۔ انہوں نے گیٹ کیپر کو حکم دے کر شفقت سے اسے کہا۔

''تھینکس انکل! مجھے پانی دے دیں' اصل میں میری کزن وہاں ویٹ کر رہی ہیں کہیں ان کا وزن نہ کم ہو جائے''۔ اتباع نے معذرت کرتے ہوئے وضاحت دی تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اتباع کے آخری الفاظ پر۔

''اٹس او کے بیٹا''۔ اتنے میں گیٹ کیپر پانی لے آیا تو وہ تھینکس کرتی چلی گئی۔

اتباع جب پانی کی بوتل لے کر ان کے قریب پہنچنے لگی تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا' یشل اس شخص سے الجھ رہی تھی جن کے گھر سے وہ پانی لے کر آئی تھی' وہ سرعت سے ان کے قریب پہنچی۔

''کک...... کیا ہوا؟'' اس نے یشل سے پوچھا۔

''لو کر لو بات' یک نہ شد تین شد''۔ آکاش نے اتباع کے حسین سراپے کو دیکھ کر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''اے مسٹر! جو بھی کہنا ہے اونچا کہو' بڑبڑا کیوں رہے ہو؟'' سقینہ نے غضبناک لہجے میں کہتے ہوئے ایک ہاتھ کمر پر ٹکایا تو آکاش ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اتباع کو مدد طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''خدا کی پناہ کچھ بتاؤ گی بھی یا بس ایکسرے کرتی رہو گی''۔ اتباع نے سقینہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

''ہم تمہیں دیکھنے ذرا آگے ہوئیں تو ان محترم نے اپنی پھٹ پھٹی ہماری گاڑی میں دے ماری' انہوں نے سوچا ہوگا کہ اب گاڑی کے مالک کو زحمت دوں کہ گاڑی ذرا سائیڈ پہ کرلیں' کیوں نہ میں ہی اسے ''ہمیشہ'' کیلئے سائیڈ پہ لگا دوں' مگر ہم

اسے ایسے ہی نہیں جانے دیں گے' یہ اپنی گاڑی ہمیں دے اور ہماری ٹھیک کروا کے ہمارے ایڈریس پر پہنچا دے بس فائنل......'' یشل نے اس کی نئی نکور 2D کو پھٹ پھٹی سے تشبیہ دے کر آکاش کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اس لڑکی کو غصے میں یا تو نظر آنا بند ہو جاتا ہے یا پھر کم دکھتا ہے مگر آخری جملے پر وہ بوکھلا گیا۔

''دیکھیں آپ پیسے رکھ لیں میں یہاں موٹر مکینک کو بھی بھیج دیتا ہوں' مجھے جانے دیں میں آل ریڈی بہت لیٹ ہو گیا ہوں پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ......'' آکاش نے التجائیہ انداز میں کہا تو اتباع کو ترس آ گیا۔

''او کے مسٹر! جائیں اور اپنا راستہ ناپیں' ہم آپ سے کچھ نہیں لینا چاہتے' مزید اپنا اور ہمارا وقت ویسٹ مت کریں''۔ لائٹ یلو کلر کے سوٹ میں ہم رنگ بال اور لائٹ گرین آنکھیں' نازک سے سراپے میں بالکل غیر متوقع طور پر اچانک ہی وہ آکاش کے دل میں دھم سے اُتر کر وہاں کی جاگیر کی بلا شرکت ملکہ بن گئی' آکاش پُر شوق نظروں سے اسے دیکھتا ممنونیت سے بولا۔

''تھینکس' ورنہ آپ کی فرینڈز سے بچنا محال تھا' کیا بلی کے پنجے تیز ہوں گے جو ان کے لہجے' الفاظ اور انداز ہیں' آپ تو رحمت کا فرشتہ بن کے آئیں''۔ آخر میں محض سقینہ اور یشل کو چڑانے کے لئے اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کے دعائیہ انداز میں منہ پر ہاتھ پھیرے' حسب توقع وہ چڑ گئیں۔

''یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ پنجے تیز لہجے کے دیکھے اگر اتباع ہمیں فورس نہ کرتی تو حقیقتاً تیز پنجے کھا کے دیکھتے''۔ یشل نے غصے سے اس کی گاڑی پر ہاتھ مارا مگر اگلے ہی لمحے ''سی'' کر کے رہ گئی اور اپنا ہاتھ سہلانے لگی۔ پاس کھڑے آکاش نے ایک بھرپور نظر اتباع کے سراپے پر ڈالی اور یہ کہتا مڑ کر گاڑی میں بیٹھنے لگا۔

''پلیز! اپنی فرینڈز کو بھی اپنا ہم خیال کول ما[illegible] اپنے جیسا بنا لیں ورنہ سسرال جا کے ناک کٹوا[illegible] گی''۔ پھر زن سے گاڑی بھگا لے گیا جبکہ وہ دان[illegible] پیستی رہ گئیں اور اتباع مسکرا کے گاڑی میں پا[illegible] ڈالنے لگی۔

☆☆☆

''ارے نہیں یار سقینہ! فائق بہت سوٹ کر[illegible] گا تمہارے ساتھ' ہر لحاظ سے بیسٹ ہے' واؤ [illegible] کے 4 روز بعد شادی' مزہ آ جائے گا' آپس کی با[illegible] ہے سقینہ تو جائے گی تو میری باری آئے گی ناں'' یشل نے فائق احمد کو ہر طرح سے او کے کر دیا تا[illegible] سقینہ کا دل ہر طرح سے مطمئن اور راضی ہو جائے کمرے میں داخل ہوتے عثمان ملک نے اس بات سن کے محظوظ ہوتے ہوئے اپنے برابر کھڑ[illegible] حفصہ بیگم کو کہا۔

''تو پھر کیا خیال ہے بیگم! یشل کیلئے آیا ہوا معیب[illegible] پر پوزل قبول نہ کر لیں؟'' یشل تو پہلے ہی پپا کو اندر دا[illegible] ہوتے دیکھ کر خجل سی ہو کے اتباع کی گود میں منہ چھپا[illegible] تھی' پپا کی بات سن کر فوراً رفو چکر ہو گئی' اتباع' سقینہ [illegible] ساتھ مما بھی ہنسنے لگیں۔

''بیٹا! میں یہ چاہتا ہوں کہ سقینہ کے ساتھ مل کر [illegible] لوگ شاپنگ مکمل کر لو کیونکہ منگنی کے بجائے ڈائریک[illegible] شادی کا کہا ہے ارسلان نے''۔ عثمان ملک نے صو[illegible] پر بیٹھتے ہوئے اتباع اور سقینہ کو بانہوں کے گھیرے م[illegible] لیتے ہوئے کہا۔

''ہم تو اتنے ایکسائیٹڈ ہو رہے ہیں' پہلی [illegible] خوشی ہے گھر کی''۔ اتباع نے فرط جذبات سے [illegible] ہوئے سقینہ کو درمیان میں گھسیٹا تو وہ پپا کے سا[illegible] شپٹا گئی۔

''جو تم سب کی خوشی' میں بھی اسی میں خوش''۔ [illegible] نے پیار سے سقینہ کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

☆☆☆

''آہم......ایکسکیوزمی!'' آکاش نے گلا کھنکارتے ہوئے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر انہیں مخاطب کیا تو سقینہ اور اتباع دونوں نے متوجہ کرنے والے کو دیکھا اور حیران رہ گئیں۔

''جی فرمائیں؟'' اتباع نے سوٹ واپس ہینگ کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا۔

''جی! وہ مجھے اپنی بھابی کیلئے گفٹ خریدنا ہے' یو کین ہیلپ می پلیز......'' آکاش نے انہیں شاپنگ مال میں دیکھ کر مدد چاہی سوان کے پاس جا پہنچا' اتباع نے مدد کرنے کا سوچا۔

''او کے' آپ یہ خرید لیں''۔ اتباع نے نہایت شائلش سا جیولری سیٹ اسے دکھاتے ہوئے کہا جو کہ سقینہ پسند کر چکی تھی۔

''مگر یہ سیٹ میں بک کروا چکی ہوں''۔ سقینہ نے کہا۔

''ہم کوئی اور دیکھ لیں گے' تم انہیں ٹرخاؤ یہاں سے''۔ اتباع نے سقینہ کے کان میں سرگوشی کی تو وہ چپ ہو گئی۔

''آئی ایم ویری تھینک فل' اگر مائنڈ نہ کریں تو یک کپ کافی ہو جائے''۔ آکاش نے دل سے انہیں آفر کی۔

''نو جی' اس کی تو عادت ہے ہر کسی کی ہیلپ کرنا''۔ سقینہ نے جھٹ سے انکار کیا' دل تو اتباع کا بھی نہ تھا کہ آفر قبول کی جائے' وہ بے مزہ ہو کے رہ گیا۔

☆☆☆

''ہائے سقینہ! جلدی سے ٹیکسی کرواؤ کافی ٹائم ہو گیا' موسم اتنا دلکش ہو رہا ہے لگتا ہے بادل صاحب گرج چمک کے ساتھ اپنا پیار ٹھنڈی اور ننھی بوندیں برسا کر ہم پر نچھاور کرنے والے ہیں''۔ اتباع نے شاپنگ بیگ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل کرتے ہوئے خوشی سے کہا تو سقینہ بھی مسکرا دی۔

''اُف' بارش کے بعد وہ ست رنگی دھنک کتنی خوبصورت لگتی ہے ناں' جلدی گھر چلو مجھے چھت پر جانا ہے''۔ اتباع آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے چہکی' اسے شروع سے بارش کے بعد قوس قزح بہت پسند تھی' اسی طرح ست رنگی چوڑیاں' دھنک رنگ دوپٹے' پھول غرض ہر وہ منظر ہر وہ چیز جو دھنک رنگی ہو اسے بہت اٹریکٹ کرتی' سقینہ نے مال کی سیڑھیاں اتر کر ایک ٹیکسی روکنا چاہی مگر اچانک سے برسنے والی چھماچھم بوندوں نے لوگوں میں ایک ہلچل مچا دی' وہ ایک سائیڈ پر کھڑی ہو گئیں کہ قریب ہی ایک وائٹ کرولا رُکی۔

''اتباع! تم لوگ اکیلی ہو......'' فائق نے گاڑی کا شیشہ نیچے اتار کر دیکھا سقینہ کے خوبصورت چہرے کو مگر مخاطب اتباع کو کیا۔

''واٹ' اکیلی کیوں ہم دو ہیں اور کہا جاتا ہے' ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں''۔ سقینہ نے اپنی طرف سے تو منہ میں کہا مگر فائق کا دھیان اسی پر تھا سو فوراً سن لیا۔

''بالکل میڈم! جہاں آپ جیسی شیر دل لڑکی ہو وہاں دس بندوں کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اینی وے اگر گاڑی نہیں ہے تو جلدی سے بیٹھو بارش تیز ہو گئی ہے''۔ فائق نے پچھلا ڈور کھولا' وہ جیسے ہی گاڑی میں بیٹھیں فائق کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر براجمان ہوئے شخص کو دیکھ کر چونک گئیں۔

''ان سے ملیں' یہ ہے آکاش بیگ اور آکاش! یہ میری منگیتر سقینہ اور یہ میری کزن بھی' سالی بھی' بہن بھی اتباع عذیر......'' آکاش بھی انہیں سلام کرنے کو مڑا تو وہ بھی ٹھٹک گیا' اس حسین اتفاق پر وہ دل سے اللہ کا شکر گزار ہوا کہ وہ فائق کی کزن ہے۔

''امیزنگ یار! ان سے یہ میری تیسری ملاقات ہے''۔ آکاش نے ڈرامائی انداز میں فائق سے کہا۔

''پلیز اب یہ مت کہیے گا کہ یہ ہوا اور یوں ہوا''۔

اتباع نے مداخلت کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا اٹھا۔

''بھابی! آپ کو تو گفٹ یقیناً پسند آیا ہوگا''۔ اس نے شرارت سے سقینہ کو چھیڑا۔

............☆☆☆............

''مگر دیان! تم نے تو کہا تھا کہ......'' اتباع کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا۔

''وہ سب وقتی تھا میں نے بکواس کی تھی' تم پلیز میرا خیال دل سے نکال دو میں شادی کر چکا ہوں اور زارا بہت گریٹ لڑکی ہے بالکل میری آئیڈیل' مجھے امید ہے تم بہادر بنو گی' اس چیپٹر کو کلوز کر دو' میری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی''۔ دیان اس لمحے اتباع کو نہایت سفاک اور بے رحم سا لگا' اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو پایا کیونکہ اسے ہمدردی سے چڑ تھی سو اب بھی سنبھل کر دیان سے بولی۔

''اٹس او کے دیان ملک! آج کے بعد میرا تم سے کوئی تعلق نہیں نہ ہی کبھی تم میری آواز سن پاؤ گے گڈ بائے''۔ اس نے سختی سے کہہ کر موبائل آف کر دیا اور کچھ دیر رونے کے بعد وہ آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی کہ اسے سقینہ' یشل کی خوشیوں میں بھرپور طرح سے خوش ہونا تھا' اشتہار بننا اسے کبھی پسند نہ تھا۔

............☆☆☆............

یشل اور سقینہ دونوں جڑواں تھیں' دیان ملک ان کا بڑا بھائی تھا' اتباع اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی مگر اس کی ماں کو سسرال والے پسند نہ کرتے تھے پھر ایک خاندانی جھگڑے میں اتباع کے والد گولیاں لگنے سے موقع پر ہی دم توڑ گئے' اب سدرہ ملک کو ان کے سسرال والوں نے اُسی دن گھر سے نکال دیا۔ سدرہ اپنے بھائی کے پاس آ گئیں' وہ پریگننٹ تھیں پھر شوہر کی وفات نے انہیں اندر سے توڑ ڈالا تھا۔ پھر ایک شام ایک گوری چٹی کشمیری پٹھانوں جیسی بچی کو جنم دے کر وہ بھی اپنے میاں کے پاس جا پہنچیں۔

حفصہ ملک نے اس پیاری مگر ماں باپ کے بغیر ... سی اتباع کو گود میں لیا اور رونے لگیں' سدرہ ان کی کالج کی فرینڈ تھی' ان کے پاس چار سالہ دیان ڈیڑھ برس کی سقینہ اور یشل تھیں' وقت پلک جھ... گزر گیا اور اتباع جانتی تھی کہ وہ اپنے ننھیال ... وہ انہیں اپنا مما پپا ہی مانتی' اسی طرح وقت گزرتا ... اور بچے جوانی پر قدم رکھ چکے تھے۔ کس طرح ... دیان کو پسند آئی اور اس نے اپنی خواہش کا اظہار ... سے کر دیا' عثمان ملک بے حد خوش ہوئے' پھر اس ... لندن جانے سے پہلے ان کی منگنی کر دی کیونکہ دیان ... تین سال کیلئے اسٹڈی کرنے جانا تھا' اتباع کا ... مطمئن تھا کہ وہ ہمیشہ یہیں رہے گی مگر اسے دیان ... محبت نہ تھی' ایک انسیت ضرور تھی پھر وہ سوچتی ہم... بنے گا محبت خود ہی ہو جائیگی مگر آج دیان کے فون ... اسے بہت رونا آیا کہ وہ ایسی ہے کہ بناء کسی وجہ ... دیان اسے چھوڑ گیا' وہ قسمت کا لکھا سمجھ کے چپ ... گئی کہ یہی اس کے نصیب میں تھا۔

............☆☆☆............

''اتباع! یہ دیکھو مہندی کے فنکشن پر ہم دونو... کیلئے میں سیم ڈریس لائی ہوں''۔ یشل نے ست ر... جھلمل کرتے چنری سوٹ کو اس کے آگے پھیلایا تو ... بے دلی سے مسکرا دی اور چہرے پر بشاشت لا... ہوئے وہ سوٹ دیکھنے لگی۔

''واؤ' بہت خوبصورت ہے اور نیو ورائٹی ... ہے''۔

''شکر تمہیں پسند آ گیا اور ہاں دیان بھائی کا فو... آیا تھا جب میں اور مما بازار سے آئے تھے' چلو چل ... پوچھتے ہیں کہ کب آ رہے ہیں تمہارے پردیسی پیا؟ یشل نے وہ دوپٹہ اٹھا کر اس کے سر پر اوڑھاتے ہو... چھیڑا اور باہر چلی گئی۔

اتباع کپڑے سیٹ کر رہی تھی جب سقینہ تیز... سے کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم نے بتایا کیوں نہیں' بولو اتباع' ہم تمہارے کچھ نہیں لگتے جو اتنی بڑی بات تم سہہ گئیں''۔ سقینہ نے اتباع کے ہاتھ سے کپڑے چھین کر بیڈ پر پھینکے' پھر دونوں کندھوں سے اسے پکڑ کر کہا سقینہ کی آنکھ سے آنسو نکل کر دوپٹے میں جذب ہو گئے۔

''پلیز رو مت سقینہ! مجھے دکھ تمہارے رونے پر ہو گا' پھر ساری قسمت کی بات تھی پاگل ورنہ میں اسی میں خوش تھی کہ ہمیشہ یہیں رہوں گی مگر میرے اللہ کی رضا کچھ اور ہے تو میں بھی اُس کی رضا میں راضی ہوں' آئندہ پلیز تم کبھی میرے سامنے دیان کا ذکر مت کرنا کہ اس نے اچھا نہیں کیا پلیز......'' اتباع نے سقینہ کو سمجھایا اور آخر میں التجا کی۔

''ٹھیک ہے اللہ تمہیں بے پناہ خوشیاں دے گا ہر طرح کا سکون اور جان نثار کرنے والا پیارا سا ہمسفر دے گا' دیان کی قسمت اچھی نہیں تھی بس......'' سقینہ نے اتباع کے گرد بازو لپٹاتے ہوئے کہا۔

............☆☆☆............

''ارے واہ' کیا حسین اتفاق ہے یعنی جو لڑکی پہلی ہی نظر میں مجھے بطور بہو پسند آئی تھی اور میں نے چپکے سے اللہ سے دعا بھی مانگ لی تھی کہ مجھے یہ بیٹی بہو بنانی ہے وہ تو میری بیٹی ہی نکلی' تیرا احسان مالک''۔ انیس صاحب چائے کی ٹرالی اندر کمرے میں لاتی اتباع کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اتباع بھی انہیں پہچان گئی تھی مگر ان کی بات سن کر سٹپٹا گئی۔

''واقعی آکاش بیٹے کا پرپوزل ہمارے لئے باعث خوشی ہے وہ مجھے دیان' فائق کی طرح عزیز ہے''۔ عثمان ملک نے زیر لب مسکرا کر کہا' وہ اتباع کی منت کرنے پر دیان کو معاف تو کر چکے تھے مگر دل میں افسردہ رہتے تھے مگر آج اُن کے قریبی دوست انیس بیگ نے اپنے بیٹے کا پرپوزل ان کے سامنے رکھ کر انہیں ہلکا پھلکا سا کر دیا' انیس بیگ پہلی مرتبہ گھر آئے تھے ورنہ آفس یا پھر اپنے گھر ہی دوستوں کو انوائٹ کرتے تھے۔

''تو بس پھر آج سے اتباع میری ہوئی' ٹھیک؟'' انیس بیگ نے ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہا۔

''ہاں یار! کیوں نہیں' اتباع تمہاری بیٹی ہے''۔

اتباع تو عثمان ملک کی آدھی بات سن کر ہی رفو چکر ہو گئی' اس کے دل کی حالت اتھل پتھل ہو رہی تھی' وہ گنگ رہ گئی کہ اس کا دل آکاش کے ساتھ اپنا نام سن کے کیوں کھل اُٹھا؟ کیا وہ اس کے دل تک رسائی پا چکا ہے؟ مگر اس نے گھبرا کر اپنے دل کو ڈپٹ دیا پھر سوچنے لگی کیا پتہ وہ کسی اور کو نہ چاہتے ہوں' ان کے پپا بغیر اس کی مرضی کے نہ آئے ہوں' سو اس نے خود کو کسی بھی خوش خیالی کے حصار میں نہ مقید ہونے دیا اور سب کچھ اللہ پر چھوڑ کے لان میں بنی سیڑھیوں پر ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکا کے بیٹھ گئی' سامنے ٹیرس پر اس کی نگاہ بے ارادہ اٹھی تو یشل اسے بلا رہی تھی وہ وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی جہاں یشل میگزین پھیلائے بیٹھی تھی ساتھ ہی ٹی وی بھی آن تھا۔

''کل بڑی عید کا چاند پکا نظر آئے گا''۔ یشل نے چینل سرچ کرتے ہوئے یقین سے کہا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو پھر جلدی سے سقینہ کی شادی انجوائے کریں گے'' اتباع نے دعائیہ انداز میں کہہ کر میگزین پر نظریں ٹکائیں' یشل نے بھی سر اثبات میں ہلایا۔

............☆☆☆............

''اُف...... آج تو میری کمر ٹوٹ گئی اتنے کپڑے پریس کر کے' ہائے''۔ یشل نے دہائی دیتے ہوئے کہا' ساتھ ہی اتباع کے قریب دھم سے نیم دراز ہو گئی۔

''خیر اب تو تھوڑے سے رہ گئے وہ بھی کر لو بلکہ ایسا کرو کہ پہلے تم نماز پڑھ لو پھر کپڑے کرنا''۔ اتباع نے کافی سارے کپڑوں کو ''تھوڑے'' سے کہا تو یشل تڑپ کر اٹھی۔

''کیا ''تھوڑے'' سے رہ گئے ہیں یہ''۔ یشل نے

رو دینے والے انداز میں کہا اور پھر انہی کپڑوں پر گر گئی۔

''ان کپڑوں کو مکمل کرنے کے بعد میری میت کو کندھا دینے آ جانا کیونکہ بچنے کا چانس نشتہ''۔

''معیب بھائی تمہیں حاصل کیے بنا مرنے نہیں دیں گے سو بے فکر رہو اور نماز پڑھو جلدی''۔ اتباع نے اسے خود ترسی کی کیفیت سے باہر نکال کر نماز کی تاکید کی' خود قرآن پاک پڑھنے لگی۔

''ہیلو گرلز پلیز ہیلپ می......'' فائق نے گھر میں اینٹر ہوتے ہوئے کہا' سقینہ تو نو دو گیارہ ہوئی' یشل نماز پڑھ رہی تھی ناچار اتباع اٹھ گئی۔

''جی فائق بھائی! خیریت اس وقت گھر؟'' اتباع نے حیرت سے کہا۔

''وہ آکاش کی طبیعت ٹھیک نہیں' تم پلیز کچھ کھانے کو دو تاکہ اسے دوائی دے کر کچھ دیر بعد گھر چھوڑ آؤں' صبح سے بخار ہے مگر دوائی سے لاپروائی کر رہا ہے''۔ ساتھ لائے شاپر اتباع کو تھماتے ہوئے اس نے آکاش کی لاپروائی پر کڑھ کے کہا' اتباع کا دل بھی دھڑک اٹھا اس کی بیماری کا سن کر۔

''آپ! ویٹ کریں میں ابھی لائی بس''۔

''سنو تم ایسا کرنا گیسٹ روم کا دروازہ ناک کر دینا میں ٹرے لے جاؤں گا اینڈ سوری سسٹر زحمت دی تمہیں''۔ فائق نے ممنون لہجے میں کہا تو وہ اٹس او کے کہتی چلی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ ٹرے لے کر گیسٹ روم کی طرف آئی دروازہ ناک کیا۔

''یس''۔ کی آواز آئی تو وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ جائے یا نہ جائے پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ داخل ہوئی۔

''یار فائق! منع بھی کیا ہے میرا دل نہیں کچھ کھانے کو تم پلیز مجھے گھر چھوڑ......'' کمرے میں آتی اتباع کو دیکھ کر اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے' سر پر دوپٹہ اوڑھے قدرے نروس سی اتباع اس کے دل میں اترتی چلی گئی' کچھ دیر قبل کوفت والی حالت زائل ہوتی محسوس ہوئی پھر بشاشت سے بولا۔

''ارے آپ' آپ نے کیوں زحمت کی؟'' واش روم سے نکلتے فائق نے آکاش کے چہرے پر پھیلے قوس قزح کے رنگوں کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔

''فائق بھائی نے کہا ورنہ میں ''ایسی'' زحمت خود سے بہت کم کرتی ہوں کسی کیلئے''۔

''او کے' چلیں جی پھر بھی تھینکس آپ کا کہ اتنا کیا......'' آکاش نے کھنکتے لہجے میں کہا وہ اٹس او کے کہتی چلی گئی۔

''کچھ دیر پہلے تو شکل سڑے ہوئے بینگن جیسی بنی تھی اچانک رنگ برنگا رنگیلا بن گیا آپ کا تھوبڑا' خیر تو ہے؟'' فائق نے آکاش کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر معنی خیزی سے کہا تو وہ کھل کے ہنس پڑا۔

''فائق! یار مجھے پتہ نہیں کیوں لگتا ہے کہ جب بھی اتباع کو دیکھتا ہوں خود میں توانائی سرایت کرتا محسوس کرتا ہوں' اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ آسمان پر اللہ نے میرا جوڑا اسی کے ساتھ بنایا ہے' شدید ٹینشن میں مجھے اس کی یاد آئے تو میں ریلیکس ہو جاتا ہوں' مجھے اس کے سامنے اظہار کرنے والے لفظ چھوٹے حقیر لگتے ہیں' میرا دل کرتا ہے کہ میں اس کی تعریف یا اظہار کیلئے خود سے نئے الفاظ تراشوں جو صرف اس کے نام ہوں''۔ وہ میکانی انداز میں اک جذب سے بولتا فائق کو بے خود سا لگا' اسے خوشی بھی ہوئی کہ وہ اتباع کو اتنا لائک کرتا ہے' اتباع اسے بہنوں جیسی عزیز تھی اور جب سے دیان نے منگنی توڑی وہ اور بھی عزیز ہو گئی تھی۔

''رئیلی...... تو سچ کہہ رہا ہے سنسیئر تو ہے ناں آکاش؟'' فائق نے جوش سے اس کے قریب پڑے تکیے کو اٹھا کر پھینکتے ہوئے کہا۔

''ایک نمبر کا گھامڑ ہے تو' مجھے بہت افسوس ہے کہ تجھ جیسا فارغ الدماغ میرا دوست ہے''۔

''یعنی حد ہو گئی' پہلے تم نے میرے منہ سے کتنی

لڑکیوں پہ ایسے ریمارکس پاس کرتے سنا جو تمہیں ڈاؤٹ ہے ہاں جلدی بول ورنہ......'' آکاش نے بگڑے موڈ کے ساتھ کہتے ہوئے جارحانہ انداز اپنایا۔

''مجھے یقین ہے میں بہت خوش ہوں' اتباع مجھے بہنوں کی طرح عزیز ہے اور بھائیوں کو ہر طرح سے تسلی کرنی پڑتی ہے ناں اور تجھ میں تو گن مجھے ڈھونڈنے پڑیں گے کیونکہ فی الحال تو خوبیاں نظروں سے اوجھل ہیں مگر تو دل چھوٹا مت کر' میں کوششیں کروں گا تمہیں اپنی انوسینٹ سی بہن کا نصیب بنا کے تجھے خوش بخت بنا دوں' دوست ہی دوست کے کام آتے ہیں''۔ فائق نے سنجیدہ سی شکل بنا کے اسے ستایا تو آکاش نے اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

''کیا کہا' میں بے گن ہوں' ٹھہر جا طوطا چشم کہیں کے''۔ پھر جو دھینگا مشتی کمرے میں چلی خدا کی پناہ۔

''اوئے...... تجھے اللہ کا واسطہ میرے یار چھوڑ دے میرے بال' تجھے میری بہن کا واسطہ رحم کر مجھ پر' انکل سرگم میرا مطلب آدھے گنجے آدھے بال والے دولہے کا لوگ مذاق بنائیں گے' میری عزت تیرے ان فولادی ہاتھوں میں ہے اُف مر گیا بچاؤ''۔ فائق کی آہ و بکا جاری تھی ساتھ ہی وہ اس کو کوستا بھی رہا تو آکاش نے اس کے بال چھوڑ دیے۔

''جاؤ عیش کرو تمہاری بہن کے صدقے معاف کیا''۔ آکاش نے شاہانہ انداز میں کہا۔

............☆☆☆............

''بس میں نے کہہ دیا ہم گائے لیں گے بابا''۔ یشل نے لاڈ سے عثمان ملک کے گھٹنوں پر سر رکھ کر کہا' یشل نبیل کے پاس نیچے بیٹھی تھی جبکہ اتباع' سقینہ چیئر پر۔

''نہیں نہیں پپا! امپوسیبل' گائے وائے نہیں' ہم بکرا ہی خریدیں گے''۔ سقینہ نے جلدی سے ریجیکٹ کیا یشل کو۔

''بٹ بکرا تو ہم آل ریڈی لے چکے ہیں ناں پپا؟'' اتباع نے شرارتی انداز میں لب کشائی کی تو حفصہ اور عثمان ملک اس کی بات سمجھ کر مسکرانے لگے جبکہ سقینہ ناسمجھ انداز میں دیکھنے لگی۔

''واٹ...... نہیں اٹس ناٹ فیئر پاپا! آپ کو معلوم بھی ہے ناں مجھے کتنا شوق ہے خود جا کر بکرے خریدنے کا مگر پھر بھی آپ نے خرید لیا''۔ سقینہ نے منہ پھلایا' اس کی بات سن کر عثمان ملک کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''تم فکر مت کرو پپا کی چوائس ایک دم لش ہے ہمیں یقین ہے بکرا نہ صرف تمہیں پسند آئے گا بلکہ تم بے حد خوش بھی رہو گی اس کے ساتھ رئیلی''۔ اتباع نے برجستگی سے کہا تو مما پپا کے ساتھ یشل کا جاندار قہقہہ بھی فضا میں گونجا تو سقینہ کے کان کھڑے ہوئے اور جب سمجھی کہ اشارہ فائق ہے وہ جھینپ سی گئی۔

''مگر اس طرح کے تو 3 بکرے پسند کیے ہیں پپا نے' آئی ہوپ میری طرح تم لوگوں کو بھی اپنے بکرے پسند آئیں گے''۔ سقینہ نے فوراً ادھار چکایا تو یشل' اتباع منہ پر ہاتھ پھیر کر وارن کرنے لگیں۔ مما پپا نے دل سے ان تینوں کیلئے دائمی خوشیاں ملنے کی دعائیں کیں اور ساتھ ہی آمین کہا۔

............☆☆☆............

''اِتو' یشو! کہاں ہو' اک گڈ نیوز ہے میرے پاس''۔ سقینہ کمرے میں شور مچاتی داخل ہوئی مگر وہ دونوں بنا نوٹس لیے اپنے اپنے غیر ضروری کاموں میں مصروف نظر آنے لگیں تو سقینہ کو بری طرح تپ چڑھ گئی۔

''دفع ہو اب پوچھنا بھی مت نہ ہی میں بتاؤں گی''۔ یشل نے یہ سن کر فوراً بیڈ سے چھلانگ لگائی اور کمرے سے واک آؤٹ کرتی سقینہ کو ایک ہی جست

میں جالیا۔

''اومیری پیاری سی بہنا! پلیز ناراض مت ہو یار' کچھ دنوں میں تم پرائی ہونے والی ہو بخدا آج سے پرائی مت بنو' دیکھو تم اس سوٹ میں کتنی کیوٹ لگ رہی ہو حالانکہ اس کے برعکس تم ہو نہیں کیوٹ' بات تو سچ ہے مگر دل پر مت لینا''۔ یشل اسے منانے کے جتن کرنے لگی' مطلب صرف یہی تھا کہ سقینہ بولے اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔

''دوبارہ کہنا میں کیوٹ نہیں لگتی ہوں؟'' سقینہ نے مڑتے ہوئے یشل سے تصدیق چاہی تو اتباع بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کرسکی' سقینہ اپنے حسن کے معاملے میں بہت حساس تھی' وہ تھی بھی بہت پیاری۔

''نہیں سسٹر! تم تو عام سے حلیے میں بھی ہمارے گھر کی لیڈی ڈیانا ہو مگر صرف گھر کی یہ بات ذہن میں رکھنا''۔ یشل نے پھر شریر انداز میں کہا۔

''میں جارہی ہوں اور برائے مہربانی اپنی نزدیک کی نظر چیک ضرور کروانا' خوبصورت لوگ تمہیں کم حسین نظر آتے ہیں ہونہہ......'' سقینہ پھر جانے کو مڑی تو یشل کے اشارے پر اتباع نے سقینہ کو پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا۔

''فار گاڈ سیک یار! بچوں کی طرح خفا مت ہوا کرو' یشل کا تمہیں پتہ تو ہے عادت ہے اس کی' تم جلدی سے وہ نیوز سناؤ جس کے لئے اتنی ایکسائیٹڈ ہو رہی ہو''۔

''انیس انکل آئے تھے وہ عید کے فوراً بعد شادی کرنا چاہتے ہیں آکاش بھائی کی' انہیں ارجنٹ ایک حسین سمجھدار ماسی کی ضرورت ہے''۔ سقینہ نے اتباع کو گدگداتے ہوئے نیوز سنائی۔

''اتنی جلدی؟ سقینہ! میں تو ان لوگوں کو اتنا جانتی بھی نہیں ہوں پھر یہ سب......'' وہ ایک دم چپ سی ہوگئی تھی۔

''تم ٹینشن مت لو پگلی' انیس انکل پپا کے اور آکاش بھائی فائق کے بچپن کے دوست ہیں' ان کا رہن سہن سب سامنے ہے' یقین کرو پپا بہت خوش ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ دیان کے آنے سے پہلے تمہاری شادی ہو جائے کسی بہت اچھی جگہ پر جہاں تم بے حد خوش رہو اور ہم لوگ بھی مطمئن رہیں دل سے''۔ سقینہ نے اسے بڑی بہنوں کی طرح سمجھایا تو وہ ہونٹ چبانے لگی کہ کیا کرے۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر......'' اتباع اپنی پریشانی سقینہ سے شیئر نہ کرسکی بس انگلیاں مروڑنے لگی۔

''نو اگر مگر' بیوقوف ہم اتنا خوش ہیں کہ آکاش تمہارا نصیب ہیں' انکل اتنے نائس' ساس نند کا دُم چھلا بھی نہیں' تم مالکن بن کر راج کرو گی راج' پلیز فضول سے اندیشے جھٹک دو' بی ہیپی چلو آؤ آج پارلر چلتے ہیں پھر بازار جائیں گے''۔ یشل نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا اور پھر اتباع کا ہاتھ پکڑے اسے پورچ میں لے آئی۔

............☆☆☆............

''اتباع! اب بتاؤ مجھے کیا مسئلہ ہے' کیوں ڈر رہی ہو؟ انکل کی فیملی اتنی بڑی نہیں اور نہ ہی وہ کوئی نیو فرینڈ ہیں پپا کے' فائق بھی خوش ہیں بہت' بتاؤ پلیز''۔ ڈنر کے بعد سقینہ' اتباع چہل قدمی کر رہی تھیں۔

''مجھے ڈر لگتا ہے' نجانے آکاش راضی ہیں بھی یا نہیں اور پھر دیان سے منگنی ٹوٹنے پر بعد میں وہ مجھے طعنہ نہ دیں کہ کس وجہ سے اس نے منگنی توڑی ہے پھر میں کیا کہوں گی انہیں؟'' اتباع نے بے بسی سے ہونٹ کچلتے ہوئے کہا تو سقینہ نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا پھر کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ آکاش کیسا لگتا ہے تمہیں؟''

''اچھے ہیں ہر لحاظ سے مگر مجھے ڈر لگتا ہے' پہلے انکل کے ایک دوست نے یہ کہہ کر رشتہ نہ لیا کہ اس کے پاس جائیداد نہیں پھر دیان نے کہا کہ میں اس کی آئیڈیل نہیں' اب میرا دل بے حد گھبراتا ہے کیونکہ میرا دل اپنے نام کے ساتھ آکاش کا نام سن کے پہلی مرتبہ ہی دھڑک اٹھا تھا جب بھی یہ میرے آس پاس ہوتے ہیں مجھے دنیا بہت حسین لگتی ہے یوں لگتا ہے کہ سارے غم پریشانیاں اِدھر اُدھر ہوگئیں''۔ اتباع نے کھوئے سے انداز میں اتنی معصومیت سے اظہار کیا کہ بے ساختہ سقینہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔

''ایسا کچھ نہ ہوگا میری جان' اللہ تمہیں بہت سی خوشیاں دے گا آکاش بھائی کے سنگ اور مجھے یقین ہے وہ بھی تمہیں پا کے بہت خوش ہوں گے بس سب کچھ اس ذات پر چھوڑ دو' آکاش اگر تمہارا نصیب ہے تو اللہ مکمل اسے تمہارا کرکے دے گا انشاء اللہ''۔ سقینہ نے پیار سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

''مگر تم پپا سے کہو اتنی جلدی شادی نہیں پلیز''۔ اتباع نے روہانسے لہجے میں کہا تو وہ مان گئی۔

............☆☆☆............

''کیوں یار! کس بات کی ٹینشن ہے محترمہ کو''۔ آکاش نے جھنجلاتے ہوئے فائق کی بات پر کہا۔

''وہ ٹائم مانگ رہی ہے تھوڑا' اسے وقت دو اگر اسے ٹینشن ہے یا وہ خود کو اتنی جلدی تیار نہیں کر پا رہی تو ذرا صبر کرو' اگر انکل کسی طرح اسے منا کے شادی پر آمادہ کر لیتے ہیں تو اپنے ساتھ وہ تجھے بھی ٹینس رکھے گی''۔

''کیا گارنٹی چاہیے' تم مجھے جانتے ہو یار! میں ایک کھلی کتاب ہوں تیرے سامنے پھر بھی......'' آکاش نے افسوس سے کہتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا تو فائق نے اسے سقینہ سے معلوم ہوئی وجہ بتا دی' دیان سے منگنی ٹوٹنے سے آکاش کے متعلق خدشہ تو آکاش دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''کمال ہے یار! میں تو اسے کافی سمجھدار لڑکی سمجھا تھا مگر وہ اتنی بے وقوف ہوگی' اوہ یا اللہ رحم کرنا مجھ ناچیز پر......'' اس نے ریلیکس ہو کر دعائیہ انداز میں اوپر دیکھا۔

''کیا...... میری بہن بیوقوف ہے؟ واقعی تم سے کوئی عقل مند لڑکی شادی کر بھی نہیں سکتی''۔ فائق نے بُرا مناتے ہوئے کہا۔

''فائق مجھے سمجھ نہیں آیا کہ منگنی ٹوٹنے میں اس کا کیا قصور جو وہ خود کو الٹا سیدھا سوچ کر ٹینس کر رہی ہے' پلیز یار تم صرف ایک بار میری اس سے ملاقات کروا دو میں اس کے تمام خدشات و واہمے دور کرنا چاہتا ہوں پلیز''۔ اس نے چہرے پر مصنوعی مظلومیت' معصومیت طاری کرتے ہوئے کہا تو فائق نے اکڑتے ہوئے شاہانہ انداز میں ایک ہاتھ سے اسے روکتے ہوئے کہا۔

''بس بس زیادہ اوور ری ایکٹ مت کر' میں اکثر مظلوموں' غریبوں کی مدد کرتا رہتا ہوں' خاصا رحم دل واقع ہوا ہوں''۔ تو آکاش نے خوش ہوتے ہوئے تھینکس کہا اور ایک مکہ اس کے چوڑے شانے پر رسید کیا تو وہ ''ہائے'' کرکے رہ گیا۔

............☆☆☆............

''سقینہ کی بچی' تمہارے سب کے سب شوق نرالے ہیں اور اس پر ستم کہ ہمیں بھی گھسیٹتی ہو جبراً''۔ آآآ......اتباع نے اپنی ناک پر ٹشو رکھ کر سقینہ کو لتاڑا جو کہ انہیں بکرا مارکیٹ لے آئی تھی' اسی اثنا میں قریب کھڑے بکرے میاں نے اس کی سینڈل کی اسٹریپ پر منہ مارا تو وہ چیختی ہوئی ایک دم پیچھے ہوئی' ایک پاؤں پر وزن زیادہ آنے کی صورت میں وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اس سے پہلے کہ کسی بکرے سے عید ملتی پیچھے کھڑے آکاش نے اسے تھام لیا' وہ کپکپا کے رہ گئی کہ اگر گر جاتی تو؟ اور آکاش اسے اتنا قریب دیکھ کر مبہوت رہ گیا' بے اختیار اس کی کمر کے گرد حصار تنگ کیا تو اتباع ہراساں ہو کر جلدی سے پیچھے ہوئی اور ٹپٹا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی' نجانے سقینہ' یشل کہاں غائب ہوگئیں اچانک۔

''اتباع! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے پلیز''۔ آکاش نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''جی......مگر سوری مجھے ابھی کوئی بات نہیں کرنی پھر سہی''۔

''کل کس نے دیکھی ہے مجھے آج ہی بات کرنی ہے''۔ آکاش نے اس کی بات اَن سنی کر کے قطعیت سے کہا اور اس کی کلائی تھامے بکروں سے بچتے بچاتے وہ اسے مارکیٹ سے باہر لے آیا اور اتباع تو اس کی اس حرکت پر ساکت رہ گئی اور اپنے ہاتھ کو اس کی گرفت سے نکالنا چاہا مگر اور مضبوطی سے پکڑ لیا آکاش نے۔

''سنیں! مجھے گھر جانا ہے میں یشل' سقینہ کے ہمراہ آئی ہوں وہ کیا سوچیں گی' پلیز ہاتھ چھوڑیں''۔ اس نے حواس باختہ ہو کر بے بسی سے کہا۔

''میں نے فائق سے کہا ہے وہ آ کے انہیں لے جائے گا اور انکل سے میں اجازت لے چکا ہوں' میں بحفاظت آپ کو گھر پہنچا دوں گا کچھ دیر میں اور کچھ؟'' آکاش نے سوالیہ انداز میں کچھ اس طرح کہا کہ وہ پزل ہو گئی۔

''آئیں وہاں بیٹھتے ہیں مجھے صرف چند سوال آپ سے پوچھنے ہیں' وعدہ رہا زیادہ وقت نہ لوں گا نہ ہی دوبارہ ملنے یا بات کرنے پر فورس کروں گا''۔ اتباع کچھ متذبذب سی ہو گئی اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اس کے ساتھ قریبی ریستوران میں آ کے بیٹھ گئی۔

''میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ شادی سے منع کیوں کر رہی ہیں آپ؟'' آکاش نے بلا تمہید ڈائریکٹ سوال کیا وہ پزل ہو گئی۔

''اصل میں مجھے مینٹلی طور پر کچھ ٹائم درکار ہے کیونکہ اس قدر اچانک میرا ذہن نہیں بن رہا ابھی''۔ اتباع نے جھجکتے ہوئے اپنے دل کی بات کہہ دی۔

''ہم م م م...... ذہن کیوں نہیں بن رہا' وجہ ٹھوس ہونی چاہیے''۔ آکاش نے نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''وجہ تو بس یہی ہے جو......''

''نو نو مس اتباع عذیر! بہلاوا نہیں' اونلی سچ' بی کاز ہم اپنے رشتے میں جھوٹی تسلی بہلاوے شامل نہیں کریں گے کیونکہ بہلاوے ہمیشہ بودے اور کمزور ثابت ہوتے ہیں جو کہ آگے زندگی میں مشکلات پیدا کرتے ہیں' میرا دل چاہتا ہے کہ میں اور آپ جب بھی زندگی کا آغاز کریں تو دل سے تہہ دلی آمادگی کے ساتھ کریں ٹوٹلی ٹرو پلیز''۔ آکاش نے اتباع کی بات درمیان میں کاٹ کر ایک لمبی وضاحت اور آخر میں وارن کیا تو اتباع نے بلا توقف اپنے دل کے خدشے اس کے سامنے عیاں کر دیئے اور نظریں ٹیبل کی سطح پر جما دیں' دوسری طرف آکاش نے طمانیت سے پاس پڑا جوس کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا اور اتباع کی طرف دیکھنے لگا' اتباع کا دل دھڑک رہا تھا کہ اگر اس نے منع کر دیا' وہ اس کی مسلسل چپ سے خوفزدہ تھی۔

''اوکے...... تو اتباع عذیر کو یہ وہم ستاتے ہیں' ویسے احمد فراز تو آپ کے لئے کہہ گئے تھے کہ ''سنا ہے دن میں اسے تتلیاں ستاتی ہیں''۔ آکاش نے لبوں پر مسکراہٹ دبا کے کہا پھر سنجیدگی سے کہا۔

''دیکھیں اتباع! میں آپ سے یہی کہنا چاہوں گا کہ مجھے آپ پر اتنا ہی بھروسہ ہے جتنا اپنے نصیب پر' آپ کی منگنی ختم ہوئی تو اس میں اللہ کی مصلحت شامل تھی' آپ جیسی پڑھی لکھی لڑکی پر یہ سوٹ نہیں کرتا کہ آپ یہ سوچیں کہ آپ میں نقص ہے یا آپ کا قصور ہے' مجھے آپ کے ماضی سے کوئی سروکار نہیں' مجھے یقین ہے جتنی خالص اور بے ریا محبت اللہ نے میرے دل میں آپ کے لئے ڈالی ہے وہ ضرور آپ کے دل میں بھی ڈالے گا اور جب یقین اللہ جیسی پاک ہستی پر ہو تو بے فکر ہو جاؤ' اب ایک آخری سوال آپ سے''۔ تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی مگر اگلے پل نظریں جھکا گئی' اس کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔

''کیا میں بہت برا ہوں جو آپ سمجھوتے والی

زندگی بھی میرے ساتھ گزارنا پسند نہ کریں گی؟ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی مجھ سے محبت کریں بس آپ شادی پر راضی ہو جائیں' میری اور پپا کی محبت آپ کو ملے گی تو خود بخود آپ کو ہم سے محبت نہ سہی اپنائیت ضرور ہو جائے گی' پپا بیمار رہتے ہیں ممی کے بعد اور بھی اکیلے رہ گئے ہیں' ہمارے گھر کو ایک سنسیئر اور سمجھدار لڑکی کی اشد ضرورت ہے اور وہ آپ سے بڑھ کر مل ہی نہیں سکتی کیونکہ جو لڑکی پہلی نظر میں مجھے بطور لائف پارٹنر پسند آئی اتفاق کہ وہی لڑکی پپا کو بھی بطور بہو پسند آئی اور جب مجھے انہوں نے بتایا کہ ''اتباع'' ہے وہ' میں اللہ کا حد سے زیادہ شکر گزار ہوا' خود کو لکی تصور کرنے لگا کہ شاید میری لگن بہت سچی ہے مگر تم......'' اتباع گم صم سی ہو گئی کہ واقعی آکاش اس سے اتنی محبت کرتا ہے' وہ ایک دم پر سکون ہو گئی۔

''چلیں کافی دیر ہو گئی ماموں ویٹ کر رہے ہوں گے''۔ اس نے اپنا پرس اٹھا کر شولڈر پر لٹکایا اور کرسی دھکیلتی کھڑی ہو گئی' آکاش نے بے چینی سے پوچھا۔

''اتباع! تم نے جواب نہیں دیا' میں ہر حال میں تمہاری خواہش کا احترام کروں گا' بھیجوں پپا کو یا نہیں؟''

''میں انکل کی خاطر راضی ہوں کیونکہ مجھے بھی وہ ایک باپ کی طرح بہت عزیز ہیں سو......'' اس نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرتے ہوئے آکاش کو خوشی کی نوید سنائی تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

''اچھا اور انکل کے بیٹے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جو پچھلے ایک گھنٹے سے تمہیں اپنی بپتا سنا رہا ہے' میں نے بہت سوچا تھا کہ شادی والے دن اظہار محبت اکٹھا ہی کروں گا مگر ہائے یہ میرا دیوانہ پن''۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے شوخی اور معنی خیزی سے کہتے ہوئے آکاش اس کی سمت جھکا تو وہ جلدی سے پیچھے ہوئی مگر سرعت سے وہ اس کا ہاتھ گرفت میں لے چکا تھا' پاس رکھے گلدان میں سے ریڈ روز اس کے چہرے پر پھیرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا دیا تو وہ ہاتھ چھڑا کر شرماتے ہوئے جلدی سے جا کے گاڑی میں بیٹھ گئی تو آکاش ''آئے ہو میری زندگی میں تم بہار بن کے'' کی دھن بجاتا گاڑی کی جانب بڑھ گیا' اس نے فتح جو حاصل کر لی تھی۔

............☆☆☆............

''ہاہاہا...... اور لاؤ اپنی پسند کا بکرا...... ہاہاہا اُف''۔ یشل' اتباع بے تحاشا ہنس ہنس کے دوہری ہو رہی تھیں کہ سقینہ جب بھی بکرے کو گھاس کھلانے یا فروٹ کھلانے جاتی وہ ٹکر مارنے لگتا' سقینہ بدک کے پیچھے ہٹ جاتی مگر پھر بھی وہ اسے پیارا بہت تھا۔

''ہاں تو ہر مرتبہ پسند کا ہی لاتی ہوں' بے چارہ غصے میں ہے کہ کل مجھے دارِ فانی سے کوچ کر جانا ہے سو اتنا نخرہ کرنا تو حق ہے ناں اس کا پھر وجہ بھی میں جو اس مقصد کے لئے بے چارے کو لائی تو غصہ بھی مجھ پر کرے گا''۔ سقینہ نے ہمت نہ ہاری پھر گھاس لے کر اس کی طرف بڑھی' پچکارا بھی مگر پھر مرغی کی وہی ایک ٹانگ۔

''ارے واہ انیس انکل!'' یشل نے بلند آواز میں کہا تو اپنے ڈیئی کو گھاس کھلاتی سقینہ اور پودوں کو پانی دیتی اتباع نے بیک وقت مڑ کے دیکھا۔

''السلام علیکم! چاند رات مبارک خواتین و عورتیں''۔ فائق نے سقینہ کے قریب جا کر چہکتے ہوئے سلام جھاڑا تو اس کے ''خواتین و عورتیں'' کہنے پر تینوں نے سلگتی نگاہ سے اسے دیکھا مگر انیس انکل کے قریب آ جانے پر وہ صبر کے گھونٹ بھر کے رہ گئیں۔

''اور بھئی کیا حال ہے میری بچیوں کا؟'' انکل نے سب کے سروں پر ہاتھ پھیر کے کہا تو سب نے

"ٹھیک ہیں انکل" کہا' وہ اتباع پر نظر ڈال کے اندر بڑھ گئے' وہ ڈیٹ فکس کرنے آئے تھے فائق اور آکاش نے پھلوں اور مٹھائیوں کی ٹوکریاں اٹھائیں اور اندر بڑھ گئے' تھوڑی دیر بعد وہ پھر لان میں ان کے پاس آدھمکے۔

"یہ خواتین و عورتیں کسے کہا' ہاں؟" سقینہ نے گھاس زمین پر پھینک کر غصے سے کہا تو فائق گڑبڑانے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

"وہ مم...... مم...... میں نے تمہیں ہی کہا ہے"۔ تینوں ایک دم چلا اٹھیں "کیا؟" تو وہ دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے کہنے لگا۔

"خاموش"۔

"خ" سے خوبیوں والی' "و" سے ونڈرفل' "ا" سے اعلیٰ ترین۔ یہ تو ہوا "خوا" اور تین سے مراد تم تینوں' اب اگر تمہیں اپنے متعلق کچھ ڈاؤٹ ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں' کیوں آکاش؟" فائق نے آخر میں پھر انہیں زچ کرتے ہوئے کہا تو وہ صرف مسکرا کر رہ گیا کیونکہ تینوں لال بھبھوکا ہو رہی تھیں' سقینہ تو بہت اینج کانشس تھی۔

"ڈاؤٹ والی بات سے تو میں ایگری ہوں فائق بھائی"۔ یشل نے سنجیدگی سے کہا مگر آنکھوں میں بلا کی شرارت تھی۔

"دراصل پپا نے 2 عدد بکرے اپنی فرزندی میں قبول کئے' ظاہری بات ہے لڑکیوں کو ڈاؤٹ تو ہوگا ناں"۔ اس کی بات سن کر فائق' آکاش کے چہروں پر خجالت' سقینہ اور اتباع کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"جی جی بالکل بجا فرمایا آپ نے خاتون! ہم تو اونلی نام کے بکرے داماد ہیں اور معیب صاحب تو سراپا بکرے بنے آپ کے پلو تھامے کھڑے ہیں"۔ آکاش کا اشارہ سقینہ کے ڈینی پر تھا جو گھاس کو نظر انداز کر کے یشل کا دوپٹہ تیزی سے چبانے میں بزی تھا یشل نے مڑ کے دیکھا تو دوپٹہ وہیں پھینک کے چیخی اور سب کھلکھلا کے ہنس پڑے' یشل خفت زدہ ہوگئی۔

"آکاش بھائی! آپ سے بدلہ لازمی لوں گی تیار رہئیے گا"۔ وہ منہ پر ہاتھ پھیرتی بچوں کی طرح وارن کرتی ہوئی دوپٹہ لینے اندر بھاگ گئی۔

آسمان پر بادل صبح سے گھرے چھائے ہوئے تھے اب آناً فاناً وہ ان چاروں کو عید کی مبارک دینے ان پر برس کر گلے ملنے لگے' وہ سب شیڈ کے نیچے کھڑے ہوگئے' اتباع کی نظریں اوپر دھنک رنگ کو ڈھونڈنے میں مصروف تھیں جب اس کے کان کے قریب سرگوشی ابھری۔

"وہ دھنک رنگ اب تمہارے چہرے پر اُتر آئے ہیں اتباع' انہیں آسمان کے بجائے میری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر چہرے پر محسوس کرو"۔ اتباع جھینپ گئی' آکاش نے دھیرے سے اس کے کندھے پر بازو پھیلا کر اپنے نزدیک کیا اور کہا۔

"اتباع! بارش کے بعد دھنک رنگ جسے انگلش میں "رینبو" کہتے ہیں کتنا پسند ہے ناں تمہیں تو اللہ نے تمہیں زندگی کا ہمسفر ہی "رینبو" دے دیا جب اسے دیکھو گی دھنک رنگ تمہارے اطراف میں بکھر جائے گا"۔ یشل دوپٹہ لے آئی تھی اور دور سے اتباع کو پکار کر آکاش کو "رینبو" کہا تو سقینہ' فائق' آکاش اور اتباع کا زندگی سے بھرپور قہقہہ باہر آتے عثمان ملک اور انیس بیگ کو بھی مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

اتباع دل سے اپنے لئے اس دھنک رنگ کو اور عید کو خوش قسمتی کی علامت مان رہی تھی کہ عید اور دھنک رنگ ساتھ ساتھ آئی اور سب کیلئے بہت سی خوشیاں بھی لائی۔

..........☆☆☆..........

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 5

سلسلے وار ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے



''کاش تم ہی انسانوں کی طرح ہوتے تم سے ہی بات کرکے کچھ کیا جاتا''۔ ذہنی رو اس کی بہک رہی تھی۔
اسی وقت شہران کی چھوٹی بہن بسمہ چھت پر آ گئی وہ جلدی جلدی کتابوں کو چھپانے لگا' لیل ماہ کو کچھ سمجھ نہیں
تھا یہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ بسمہ کی نگاہ بھی لیل ماہ کی سمت اٹھی گڑ بڑا کے کھڑکی ہی بند کر دی۔
''اُف یہ لڑکی تو بات کو پھیلا دے گی''۔ لیل ماہ کو ڈر بھی لگا' جب بھی لائبہ کے گھر گئی وہ ایسے ایسے سوال کر
لیل ماہ جو اتنی حاضر جواب تھی اس کے سامنے دب جاتی تھی۔
''آپی! تمہیں اس رشتے سے انکار کرنا ہے تم خوش نہیں رہ سکو گی ذیشان احمد کے بغیر''۔ اس کی پھر سوئی وہیں اٹک گ
''میرے انکار کرنے سے گھر میں ہنگامہ ہو سکتا ہے اور ذیشان سے میری شادی پھر بھی نہیں ہو سکتی ہے''۔ حر
اسے ڈانٹ دیا۔
''اپنے دماغ کو اتنا مت گھماؤ آرام سے بیٹھو جو ہو رہا ہے ہونے دو''۔ وہ جتنا اس ذکر سے بچنا چاہتی تھی لیل ماہ کرتی تھ
''سنا امی کہہ رہی ہیں ابو میرا بندوبست کرنے کی کوشش میں ہیں''۔ وہ روہانسی ہونے لگی۔
''آپی! میرا اتنا بڑا دل نہیں ہے مجھ سے برداشت نہیں ہوگا کہ میں کسی اور سے شادی کروں''۔
''کسی اور سے......'' وہ چونک گئی۔
''میں ایسے شادی نہیں کروں گی جب تک اس بندے کو نہیں دیکھ لوں گی''۔
''سیدھی طرح مجھے بات بتاؤ کیا ہے؟'' حرما کا دل دھک دھک کرنے لگا' کہیں لیل ماہ بھی ان دیکھے راست
پر نہیں چلنے لگی۔
''کسی کو پسند کرتی ہو؟''
''پسند کرکے کیا کروں گی جب ہمیں اپنی مرضی کا اختیار ہی نہیں ہے''۔ لہجے میں حسرت و محرومی پنہاں تھی۔
''لیل ماہ......! ایسی حرکت کرنا بھی نہیں' بہت درد ہوتا ہے''۔ وہ اپنی حالت سے واقف تھی' کتنی پریشان اور
کل تھی مگر اسے آواز نکالنے کی اجازت نہیں تھی۔
''کیوں آپی! تم نے محبت سوچ سمجھ کے کی تھی ذیشان احمد سے''۔ وہ بے ساختہ گویا ہوئی۔
''مجھے تو خود پتہ نہیں کب کیا ہوا؟ ہاں اتنا پتہ ہے مجھے اس انسان کی شرافت نے بہت متاثر کیا ہے جو نگاہیں
کر بات کرتا ہے''۔ لہجہ اس کا مدھم افسردہ تھا۔
''کوئی شرافت کی وجہ سے دل میں اُتر جاتا ہے اور کوئی کچھ بھی نہیں ہوتا پھر بھی دل میں اُتر جاتا ہے''۔ ذو
اس کا لہجہ تھا۔
''میرے جیسی غلطی کرنا بھی نہیں''۔ حرما کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
''اور خبردار جو آج سے ذیشان احمد کا ذکر بھی کیا' جتنا تم کرو گی مجھے بہت دکھ ہوگا' لیل ماہ میں بکھر جاؤں گی' نہیں
سنبھل پاؤں گی پھر''۔ وہ رونے لگی۔
لیل ماہ نے اسے اپنے شانے سے لگا لیا' وہ تو اپنی بہن کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا چاہتی مگر وہ رسوائی سے بھی ڈر
تھی' اس کے ماں باپ کا سر کہیں شرم سے نہ جھک جائے' بیٹیوں نے کیا گل کھلائے' چپ رہنے میں ہی عافیت تھی۔
دل کے اندر سے یہ دعا ہوتی کوئی انہونی ہو جائے اور حرما' ذیشان احمد کی ہو جائے مگر ناممکن تھا ایسے کیسے ہو سکتا تھا۔
''تم بے فکر رہو آج سے میں کوئی بات نہیں کروں گی''۔ اس نے حرما کو یقین دلایا۔

☆

آج وہ آفس آ گیا تھا' اریشماء نے پرجوش انداز میں اس کو تھینکس کیا تھا۔ صبح سے آتے ہی وہ اپنے کام میں ہی
مصروف تھا' لنچ میں بھی وہ باہر نہیں گیا تھا۔ اریشماء اس کی اتنی دلجمعی سے کام کرنے پر کئی بار سراہ بھی چکی تھی مگر وہ لگتا
تھا تعریف سننا پسند ہی نہیں کرتا تھا' وہ چھ بجے اپنے روم سے باہر آیا تھا۔
''آپ نے آج تو لنچ بھی نہیں کیا''۔ اریشماء نے مسکرا کے پوچھا۔ روحیل سکندر بھی سامنے موجود تھے' حمدان
مودب بنا ہوا ان کے سامنے تھا۔
''بیٹا! کام اپنی جگہ آپ لنچ تو وقت پر کیا کرو''۔
''سر! مجھے آج بھوک نہیں تھی''۔ اتنا ہی کہا۔
''ضرورت سے زیادہ آپ سنجیدہ ہیں''۔ روحیل سکندر نے اس ایک ماہ کے عرصے میں اس کی شخصیت کو جانچ لیا
تھا وہ کتنا سوبر ہے اور فضول گفتگو سے اجتناب برتتا ہے۔
''حالات نے بنا دیا ہے''۔ تلخی در آئی لہجے میں۔
''ہوں''۔
حمدان بلیک ڈریس پینٹ پر ہاف وائٹ شرٹ میں ملبوس اتنا گریس فل لگ رہا تھا بار بار نگاہ بھٹک رہی تھی۔
''تمہارا بنایا ہوا ڈیزائن بہت پسند آیا ہے''۔ روحیل سکندر نے موضوع بدلا۔
''ڈیڈی! آپ تیمور سے کہہ دیں وہ بالکل مجھ سے نہیں الجھے' اس دن تو میں نے آفس کا حلیہ بگاڑا تھا' اس کا بھی
ایسے ہی بگاڑ دوں گی''۔ اس نے جان بوجھ کے حمدان کو سنانے کو روحیل سکندر سے تیمور کی شکایت کی۔
''میں نے سمجھا دیا ہے' آپ بھی اتنا غصہ نہیں کیا کریں' اگر تمہیں کچھ نقصان ہو جاتا تو......'' وہ اس کے لئے بھی ہر
وقت فکرمند رہتے تھے۔
''سر! میں اب چلوں گا باقی گرافنگ میں کل کروں گا''۔ اسے تیمور کا ذکر گراں گزرا۔
''ہوں......اوکے''۔
وہ جانے کے لئے مڑ چکا تھا۔ اریشماء جب اسے جاتے ہوئے دیکھتی دل کرتا کہ وہ اڑ کے اس کے ساتھ ساتھ
چلنے لگے' وہ جب تک سامنے ہوتا وہ خوش رہتی اور جب چلا جاتا سب ساتھ لے جاتا۔
جیسے ہی وہ نیچے آیا وہ بھی دوڑتی بھاگتی اس کے پیچھے تھی۔
''حمدان! ایک منٹ''۔ وہ چتون تیکھے کیے اس کی جانب متوجہ ہوا' بہانے تلاشتی تھی وہ اس سے بات کرنے کے۔
''آپ کو اعتراض نہیں ہو تو آپ میرے ساتھ شاپنگ پر چل سکتے ہیں''۔
''سوری میں آپ کو بتا چکا ہوں میں اس طرح کا بندہ نہیں ہوں اور نہ مجھے آپ سے دلچسپی ہے کہ آپ سے فری
ہوتا پھروں''۔ انتہائی سرد مہری اور رکھائی سے ترخ کے جواب دیا' اریشماء کا چہرہ دھواں دھواں سا ہو گیا۔
''میں نے شاپنگ کا اس لئے کہا ہے میری فرینڈ کی ویڈنگ اینی ورسری ہے' مجھے جینٹس گفٹ کا پتہ نہیں ہے آپ
کچھ ہیلپ کر دیتے''۔ منمنائی۔
''سوری میں کوئی مدد نہیں کر سکتا''۔ وہ اس پر اچٹتی نگاہ ڈال کے بلڈنگ سے باہر نکل گیا۔
''کس طرح یہ ٹھیک ہوگا''۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔
وہ دوستی جیسی فضا بھی نہیں رکھنا چاہتا تھا تاکہ کچھ معاملہ آگے بڑھے' ادھر تیمور کے لئے چچی جان زور لگا رہی تھیں
رشتہ وغیرہ پکا ہو جائے۔
وہ خود ہی اکیلی شاپنگ کرنے چلی گئی' آفس کے قریب ہی طارق روڈ تھا پوری مارکیٹ گھومتی رہی تھی' سمجھ ہی

نہیں آیا' وہ نکل کے آ رہی تھی حمدان مل گیا۔دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''یہ ادھر''۔حمدان کچھ گڑبڑایا۔

''آپ''۔اریشماء آہستگی سے گویا ہوئی۔

''جی وہ مجھے کچھ شاپنگ کرنی تھی''۔وہ پُراعتماد انداز میں مخاطب تھا' لہجے میں نہ انداز میں شرمندگی تھی۔

''میں بھی اتنی دیر تک ساری شاپس دیکھ کر واپس ہی جا رہی تھی' کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا لوں''۔وہ قدم بڑھانے لگی' حمدان نے بھی تقلید کی' پارکنگ ایریا میں آئی تو جھٹکا کھا کے رہ گئی۔

''ارے.....میری گاڑی یہاں پارک تھی''۔اریشماء حواس باختہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی' حمدان بھی فکرمند ہو گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر گزرتے ہوئے لوگوں سے پوچھا بھی' سر پکڑ کر رہ گئی۔

''یاد ہے نا آپ نے یہاں پارک کی تھی''۔وہ بھی پریشان ہو گیا۔

''ارے میں خود یہاں پارک کر کے اندر گئی ہوں''۔لیمن کلر کے ایمبرائیڈری کے اسٹائلش سوٹ میں ملبوس مغموم سی ہو گئی۔حمدان نے بھی لوگوں سے پوچھا مگر لگتا تھا کوئی صفائی سے لے اڑا تھا۔شام بھی گہری ہو گئی تھی بلکہ رات ہی ہونے والی تھی۔

''اب میں کیسے جاؤں گی؟''رکشہ ٹیکسی میں وہ بھی تنہا جاتے ہوئے اسے کچھ ڈر سا محسوس ہو رہا تھا' اپنی گاڑی میں پھر بھی خود کو محفوظ سمجھتی تھی۔

''آیئے میں آپ کو گھر تک ڈراپ کر دوں' بٹ بائیک ہے آپ شاید کبھی بیٹھی بھی نہیں ہوں گی''۔حمدان نے نارمل انداز میں اسے چلنے کے لئے کہا۔

''بائیک کی بات نہیں ہے آپ کو تکلیف ہو گی' ایک منٹ میں گھر فون کرتی ہوں ممی گاڑی بھیج دیں گی''۔اپنے بیگ سے سیل نکالنے لگی۔

''رکیے.....اگر آپ فون کریں گی آپ کی ممی پریشان ہو جائیں گی آپ آیئے میں گھر ڈراپ کر دوں گا''۔وہ آگے بڑھا۔ اریشماء کو اس کے ساتھ بائیک پر بیٹھنے سے گھبراہٹ ہونے لگی' آج تک وہ کبھی بیٹھی ہی نہیں تھی' وہ بائیک پارکنگ ایریا سے باہر لے آیا تھا' وہ تذبذب کا شکار تھی' اس برف جیسے احساسات رکھنے والے شخص کے اتنے قریب ہو کر بیٹھنا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا' لمبا چوڑا تو انا حمدان اسے پہلے ہی اپنے سحر میں جکڑ چکا تھا۔

''آیئے پلیز''۔اس نے شاپنگ کیے ہوئے شاپر ہینڈل میں اٹکا لئے تھے۔ہیلمٹ پہن کے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرنے لگا۔

''حمدان! مجھے ذرا بھی پریکٹس نہیں ہے اس پر بیٹھنے کی' آپ کو پرابلم ہو گی''۔

''حالات اور وقت سب پریکٹس کروا دیتے ہیں''۔ذومعنی الفاظ' اریشماء جھینپ گئی' ڈرتے جھجکتے قریب آئی۔

''جلدی کیجیے''۔تاثرات میں ناگواری تھی۔

''کیسے بیٹھوں؟''وہ منمنائی۔

''لڑکیوں کو دیکھا تو ہے نا بیٹھتے' سیٹ پر بیٹھ کے بیک سے سیٹ پکڑ لیجیے گا''۔اس نے ہدایت دینے کے ساتھ سمجھایا۔

''اتنا آسان ہوتا تو بیٹھ نہیں جاتی' گاڑی پتہ نہیں کون کمبخت لے اڑا''۔وہ سوچتی ہوئی اچک کر بیٹھ گئی۔

بیگ حمدان نے اس کے ہاتھ سے لے کر آگے ہینڈل میں اٹکا لیا۔ملبوس سے پرفیوم کی بھینی بھینی مہک اریشماء پر سرور سا طاری کرنے لگی' وہ اپنی دانست میں بہت مضبوطی سے سیٹ کو پکڑ کے بیٹھی تھی جیسے ہی بائیک اسٹارٹ ہو کے آگے بڑھی اس نے چیخ مارتے حمدان کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ کے پکڑ لیا' چہرہ اور ہونٹ اس کی پشت سے لگ

گئے۔حمدان کو اس کی اتنی قربت پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی' سٹپٹایا بھی مگر خود پر کنٹرول کر کے وہ بائیک چلاتا رہا' اریشماء کا پاؤں بار بار پھسل رہا تھا۔

''حمدان! مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔کان میں سرگوشی میں ڈری ڈری آواز آئی' وہ لب بھینچ کے رہ گیا' اپنے سینے پر اس کی مومی انگلیوں کی حرکت پزل کر رہی تھی' اس نے کبھی نہیں سوچا تھا وہ دونوں کبھی اس حد تک بھی قریب آ سکتے ہیں' راستے بھر دل کی دھڑکنوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔اریشماء کا نازک سا وجود اس جیسے لمبے چوڑے وجود کو ڈسٹرب کر رہا تھا' پشت پر اس کی گرم گرم سانسیں بھی محسوس ہو رہی تھیں' پشت سے بالکل چمٹ کے بیٹھی تھی' وجود بھی لرز رہا تھا وہ ڈر رہی تھی کانپ رہی تھی۔

''حمدان! میرا سانس رک جائے گا''۔گھٹی گھٹی آواز نکلی۔اسی وقت اُس نے اریشماء کے ہاتھوں کو اپنے بائیں ہاتھ سے تھام کے ڈر ختم کرنے کی کوشش کی کیونکہ اسے جلد از جلد اپنے گھر بھی تو پہنچنا تھا۔ اریشماء نے اس کا ہاتھ تھام لیا مگر حمدان کو بائیک چلانے میں دقت ہوئی تو اس کے ہاتھوں کو اپنے سینے پر رکھ دیا' وہ سڑکوں پر رواں دواں ٹریفک کو بھی نہیں دیکھ رہی تھی' اسی وقت قدرے فاصلے پر حمدان نے بائیک روکی۔

''لیجیے آ گیا آپ کا گھر''۔اس نے آنکھیں کھول کے اطراف میں نگاہ دوڑائی' اسی کے ایریے میں بائیک روکی تھی۔بڑی مشکل سے اپنے لرزتے وجود کو سنبھالتی حمدان کی پشت کا سہارا لے کر وہ اتری تھی۔

''اتنا ڈرتی ہیں آپ''۔اس کی فق پڑتی صورت پر نگاہ ڈالی۔

''وہ پتہ نہیں بس ڈر لگ رہا تھا''۔وہ خجل سی بھی ہوئی' نگاہ نہیں مل رہی تھی کہیں دل کا چور آنکھوں سے واضح نہیں ہو جائے۔

''سامنے ہی آپ کا بنگلہ ہے خود چلی جائیں گی نا؟''وہ تائیدی پوچھنے لگا کیونکہ اریشماء کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔

''ہاں ہاں......چلی جاؤں گی''۔وجود میں ہلچل' دل کی دھک دھک' اسے چلنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ حمدان نے پھر بائیک اسٹینڈ پر کھڑی کر کے اس کا بیگ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور اریشماء کا ہاتھ تھام لیا' وہ سمجھ گیا تھا ضرور وہ گر سکتی ہے۔ہاتھ تو اس کے ٹھنڈے یخ ہو رہے تھے' ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ بھی تھا۔

''او کے میں چلتا ہوں''۔بیل بجا کے وہ مڑ گیا تھا۔

اریشماء تھینکس تک نہیں کہہ سکی تھی' ابھی تک وہ اس کی قربت سے اتنی مدہوش تھی کہ جیسے سدھ بدھ کھو گئی ہو۔

''اللہ کرے حمدان! تمہیں مجھ سے محبت ہو جائے''۔آنکھیں بند کر کے دل سے دعا کی۔

گھر آ کر وہ بے کل بے چین رہی' گاڑی کی اسے پرواہ بھی نہیں تھی مگر جو چند لمحے اس نے حمدان کے ساتھ گزارے تھے اسے بالکل ہی اطراف سے بیگانہ کر گئے تھے' پرفیوم کی بھینی بھینی مہک ابھی بھی اپنے آس پاس محسوس ہو رہی تھی' بار بار اپنے ہاتھوں کو دیکھتی جنہیں حمدان نے بار بار چھوا تھا' حمدان کی نگاہوں میں اتنا تقدس تھا وہ بھول کے بھی بری نگاہوں سے اسے نہیں دیکھتا تھا۔

کتنا فرق ہے تیمور اور حمدان میں' تیمور لالچی' حمدان خوددار' کسی پر بھی اپنی حاکمیت نہیں رکھتا تھا۔

☆

عدین کو کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا' اس نے شاپر زامی کے پاس رکھے' وہ مصباح اور امی کے لئے سوٹ لایا تھا پہلی تنخواہ ملی تھی۔حمدان نے خشمگیں نگاہوں سے گھورا' بڑے صوفے پر وہ ٹانگیں لمبی کیے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''اب تو بھئی کسی پر کیا اعتبار کریں پتہ نہیں کیسی ہو گی؟''عدین کی پھر بے تکی بکواس شروع ہو گئی۔

''عدین! تمہارا دماغ تو درست ہے''۔حمدان کو غصہ آ گیا۔

''جی بالکل ٹھیک ہے' آج آپ لیٹ ہو گئے کہیں اور بھی گئے تھے''۔ وہ پھر تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے لگا۔

''شاپنگ کرنے گیا تھا''۔ وہ سنگل صوفے پر دھڑ سے بیٹھا۔

''کہیں ڈیٹ پر بھی تھے؟''

''عدین! پتہ ہے ناں میں فضول کی تمہاری بکواس ذرا پسند نہیں کرتا ہوں''۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کمرے میں آتے ہی اسے سب سے پہلے کپڑے چینج کرنے کی پڑی تھی۔ ایزی سا قمیض شلوار نکالا' شرٹ اتار کے بیڈ پر ڈالی مگر نگاہ گلابی دھبوں پر پڑ گئی' چونک کر شرٹ کو اٹھا کر دیکھا۔

''اُف مائی گاڈ''۔ وہ سر پکڑ کے رہ گیا اور عدین کی معنی خیز کھانسی سب سمجھ آ گئی۔

اریشماء کے گلابی لپ اسٹک سے مزین ہونٹ شرٹ کی پشت پر بنے تھے' دو جگہ تو ہونٹ بالکل واضح تھے۔ اریشما اس کے اتنے قریب بھی تو تھی۔ حمدان کو شرمندگی اور ندامت ہونے لگی' امی نے' مصباح نے' راستے میں کتنے لوگوں نے دیکھا ہو گا۔

''شٹ''۔ اتنا سنبھل سنبھل کے چلنے والے شخص کے ساتھ یہ سب بھی ہونا تھا۔

وہ سارے راستے اریشماء کے وجود سے ہی ڈسٹرب تھا ابھی تک اپنے وجود پر اریشماء کے وجود کی کپکپاہٹ اور گرم سانس محسوس ہو رہی تھیں۔ اگر وہ کچھ کہانی بنا کے بتائے گا بھی تو یقین کب آئے گا۔

''امی کیا سوچ رہی ہوں گی؟'' وہ پشت پر دونوں ہاتھ رکھ کر پریشان کمرے میں چکر لگانے لگا۔

''امی کو تو بتانا ہی پڑے گا''۔ وہ کپڑے لے کے واش روم میں گھس گیا' فریش ہو کر فریش ہی موڈ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

''وہ امی! آج اریشماء کی گاڑی کوئی لے کے فرار ہو گیا' مجھے انہیں گھر تک چھوڑ کے آنا پڑا''۔ وہ انہیں صفائی میں ساری بات بتانے لگا۔

امی بھی مسکرا رہی تھیں اور عدین اس وقت اپنی ہنسی کو کنٹرول کیے ہوئے تھا۔ حمدان نے عدین پر نگاہ ڈالی۔

''آپ نے انہیں بائیک پر بٹھا کر گھر ڈراپ کیا' واؤ کیا سین ہو گا' میں کیوں دیکھنے سے محروم رہ گیا' ہائے''۔ عدین نے اٹھ کر سینے پر ہاتھ مار کے دہائی دی۔ امی ہنسنے لگیں' حمدان جھینپ گیا' عدین کو شوخی ہر وقت سوار رہتی تھی۔

''عدین''۔ حمدان نے درشت لہجے میں پکارا۔

''بھائی! کیا ہے ہر وقت کیا مجھے ٹوکتے رہتے ہیں' میں تو بولوں گا' اتنے بھی ہر وقت سنجیدہ نہیں رہا کریں''۔ وہ اس کی بات کو کبھی بھی سیریس نہیں لیتا تھا' اپنی ظرافت سے باز بھی نہیں آتا تھا۔

''مس اریشماء کیسی لگ رہی ہوں گی آپ کے ساتھ''۔ وہ تصور کرنے لگا۔

''مصباح! کھانا لگا دو مجھے نیند آ رہی ہے''۔ عدین کی باتوں سے بچ کے مصباح کو ہانک لگائی۔

عدین بولتا رہا مگر حمدان کے ڈانٹنے کا بھی اس پر ذرا اثر نہیں ہو رہا تھا' اپنی شوخ باتوں سے گھر میں رونق بکھیرتا رہتا تھا' اسے اریشماء پہلی نظر میں اچھی لگی تھی۔ اس میں ذرا بھی امیروں والا ناز نخرہ اور غرور نہیں تھا۔

''کیوں آپ نے انہیں گھر تک ہی ڈراپ کیا تھا ناں؟'' عدین نے پھر کمرے میں ہانک لگا کے چھیڑا۔ حمدان نے ہلکی سی مسکراہٹ سے زچ ہو کر آنکھیں بند کی تھیں کیونکہ عدین پر تو اثر ہونے والا تھا ہی نہیں۔

☆

کب سے وہ حمیرا بیگم کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور وہ مسلسل انکار کیے جا رہی تھیں جو ناممکن ہو کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

''شہران! کیوں مجھے ذلیل کروانے کے درپے ہے' ذیشان کبھی بھی نہیں مانے گا کہ میں ان کے گھر جاؤں''۔ وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے لگیں۔

''اس میں برائی کیا ہے' عزت کے ساتھ آپ رشتہ لے کے جا رہی ہیں ایسے کیسے ذلیل کریں گے''۔ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کے دوبارہ صوفے پر بٹھا چکا تھا۔

''ہاں بہت بڑا ہے ناں یہ تمہارا لاڈلا' لے کے جاؤ رشتہ' ابھی کسی کام کے نہیں ہیں شادی کروا لو''۔ محمد احمد کے کانوں میں بھی پڑ گئی تو وہ بھی طنزیہ انداز میں گویا ہوئے۔

''آپ تو شروع سے کسی کام کے نہیں تھے دو دو شادیاں کر لیں' اب بیٹے کر لیں گے تو کیا گناہ ہو جائے گا''۔ شہران نے بھی تاک کے جملہ ادا کیا۔ وہ لاجواب سے ہو کر اسے تیکھے چتون سے گھورنے لگے' ہمیشہ وہ انہیں ایسے ہی طنزیہ جملے مارتا تھا پھر بھی وہ اس سے الجھتے تھے۔

''شہران......! کبھی تو تمیز سے بات کیا کر' تیرے باپ ہیں''۔

''انہوں نے کبھی بیٹا سمجھا؟'' وہ اپنی محرومی پر گویا ہوا۔

''میرے خلاف بھر بھر کے تم نے اسے ایسا کر دیا ہے''۔

''ارے یہ کیوں ایسا کریں گی' میں کیا آپ کو دیکھتا نہیں ہوں' شروع سے میری ماں کو جوتے کی نوک پر رکھا اور اس کے سامنے سوتن لا کے رکھی وہ پھر بھی چپ رہیں''۔

''چپ کر جا شہران!'' حمیرا بیگم روز روز کی ان باتوں سے عاجز آ گئی تھیں' وہ سنتا بھی کبھی کسی کی نہیں تھا۔

''آپ بھی سن لیں اگر آپ رشتہ لے کے نہیں گئیں تو میں خود چلا جاؤں گا پھر اچھا ہے کچھ ہو''۔ اس نے دھمکی دی۔

''شہران! اللہ کے واسطے بخش ان عزت دار لوگوں کو ہمارا ان کا کوئی جوڑ نہیں''۔ وہ اسکی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھیں وہ دھمکی تو کبھی نہیں دیتا تھا بلکہ ہر کام کر گزرتا تھا۔

''کیوں ہمارے گھر میں جو ہوتا ہے' خراب کریکٹرز ہیں' وہی عزت دار ہیں''۔ وہ تو بھڑک اٹھا۔

حمیرا یہ نہیں بول سکی تھیں تمہارے باپ کے کرتوتوں نے پہلے ہی عزت پر مٹی ڈالی ہوئی ہے وہ کب انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

''مجھے بھی ضد ہے اسد مرزا کی دونوں بیٹیاں اس گھر میں رخصت ہو کر آئیں گی ورنہ میں اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا''۔

محمد احمد ہکا بکا سا اسے دیکھ رہے تھے' شہران نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لی تھیں' وہ تھا بھی الٹے دماغ کا ہر کام ضد میں الٹا ہی کرتا تھا۔

''کیا بکواس کیے جا رہا ہے''۔ حمیرا نے اس کی چوڑی پشت پر ہتھڑ مارا' انہیں تو ہول اٹھنے لگے' اس وقت ذیشان بھی گھر پر نہیں تھا ورنہ وہی اسے سناتا۔

''بکواس نہیں ہے ٹھیک کہہ رہا ہوں' اسد مرزا کی دونوں بیٹیاں آپ کی بہو بنیں گی' دیکھتا ہوں کیسے وہ رشتہ نہیں ہونے دیتے''۔

''ہاں گھر سے اغوا کروا لینا۔ تو' تو یہ بھی کر سکتا ہے''۔ محمد احمد کو بھی اس کی باتوں سے ڈر و خوف محسوس ہوا۔

''تمہاری طرح بھگا کے نہیں کروں گا' پہلے رشتہ بھیجوں گا اگر انکار ہوا تو پھر ایسا کروں گا''۔ شہران غصے میں سوچتا سمجھتا نہیں تھا' کیا کیا بول رہا ہے۔

حمیرا بیگم تو سہم گئیں' انہیں ذیشان کا انتظار تھا' وہ گھر آئے تو اس کی شکایت کریں' اندر کمرے میں شیبا سب سن رہی تھی' اسے اپنے اس اکھڑ بھائی کے مزاج پر کبھی کبھی بہت غصہ آتا تھا مگر وہ خیال بھی تو دونوں بہنوں کا بہت کرتا تھا۔

''چلا جا میری نظروں کے سامنے سے شہران! مجھے تجھ سے خوف آرہا ہے''۔ وہ اسے دھکیل کے اندر چلی گئی تھیں۔

شہران بھی پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا' ٹیکسی باہر کھڑی تھی وہ اپنے کام پر روانہ ہوگیا۔ پورا دن اس کا دماغ گرم ہی رہا' واپسی پر ایک جگہ دیکھا وہ گرین کپڑوں میں ملبوس گھر کی طرف ہی جا رہی تھی' شہران گاڑی سے اترا اور اس کے راستے میں آ گیا' لیلٰی ماہ تو بوکھلا گئی۔ بلیو جینز پر فان کلر کی ٹی شرٹ میں آنکھوں میں رعب' غصہ' چہرے پر تناؤ لئے راستہ روکے کھڑا تھا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ''۔ غصے میں آ گئی۔

''اگر تمہارے باپ نے تمہاری بہن کا رشتہ کہیں اور طے کیا تو یاد رکھنا' میں ہونے نہیں دوں گا''۔ وہ اسے وارن کرنے لگا۔ لیلٰی ماہ متوحش زدہ سی اس کی اتنی جرات اور دھمکی پر متحیر رہ گئی۔

''بہت عزت دار ہو تم لوگ اس گلی میں یاد رکھنا رسوا کرنے میں دیر نہیں کروں گا''۔

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے''۔ وہ اب ڈر گئی۔

''بالکل ٹھیک ہے' تم بھی اپنے دماغ میں یہ بٹھا لو شہران احمد اب تمہارا بھی پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے''۔

''واٹ......'' وہ تو اچھل گئی۔

''زیادہ بات کرنا مجھے پسند نہیں ہے''۔ اس کے چہرے پر گہری نگاہ ڈال کے ٹیکسی میں آ کر بیٹھ گیا۔

لیلٰی ماہ کو ایسا لگ رہا تھا قدم من من بھر کے ہو گئے ہوں' اسے شہران سے ایسی شدت پسندی کی توقع نہیں تھی۔

شہران نے مڑ سے اسے جاتا دیکھا' لب مسکرائے کیونکہ اسے پتہ تھا وہ گھر جا کے تو ضرور بولے گی۔

''اونہہ......اب دیکھنا تمہارا شکار بھی کروں گا' بہت عزت ہے ناں تم لوگوں کی اس محلے میں''۔ اس پر تو لگتا تھا جنون سوار ہو گیا۔

اسد مرزا کی تمسخرانہ اور حقارت آمیز نگاہوں کو وہ بھولتا نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر دھڑ سے گیٹ بند کرنا اور فضول کے الزام یہ اسے برداشت نہیں تھے' جب وہ ایسا ہے ہی نہیں تو کیوں باپ کے طعنے دیتے ہیں' کیوں عزت سے جینے نہیں دیتے ہیں' اتنے برے کردار کے ہیں کہ وہ ان کی طرف نگاہ تک کرنا مکروہ سمجھتا تھا۔

''آپ جیسے شریف لوگ ہی لوگوں کو عزت سے جینے نہیں دیتے ہیں' ٹھیک ہے میرا باپ برا ہے' میں بھی برا ہوں' اب برا ہی کر کے دکھاؤں گا''۔ اس کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے' اس پر بدلہ سوار ہو گیا۔

☆

اس نے حرما کو بھی نہیں بتایا تھا شہران نے کیا کچھ راستے میں روک کے بکواس کی تھی۔ پہلے تو وہ چاہ رہی تھی کسی طرح بھی ذیشان احمد سے حرما کی شادی ہو جائے مگر اب منع کر رہی تھی' شہران کی آنکھوں میں اس نے غصہ اور جنون دیکھا تھا' اس پر جیسے بدلا سوار ہو گیا تھا۔

''اوباش آدمی ہے' میں نفرت کرتی ہوں تم سے شہران احمد''۔ وہ کتنی ہی بار خود کو لعنت ملامت کر چکی تھی۔ ایسے انسان کا کیا بھروسہ جو بے عزت کر دے۔

''اچھا ہے آپی کی جلدی شادی ہو جائے' اس آدمی سے بعید بھی نہیں' الٹی سیدھی بکواس کر دے''۔ جب سے یونیورسٹی سے آئی تھی پریشان ہی تھی' کھانا بھی برائے نام کھایا تھا۔ ابو نے اسے بلایا تھا' دعا کہنے آئی تھی۔

لیلٰی ماہ کے ہاتھ پیروں میں گھبراہٹ اور ڈر کی وجہ سے اور پسینہ آنے لگا' آنچل شانوں پر برابر کیا اور باہر آ گئی۔

وہ لاؤنج میں بیٹھے تھے اس وقت امی اور ابو کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

''جی ابو!'' مودب انداز میں پوچھا۔

''تمہاری پڑھائی کے اور کتنے مہینے رہ گئے ہیں؟'' وہ اس کی جانب متوجہ تھے۔

''یہی آخری سال ہے''۔

''ہوں ٹھیک ہے' حرما کو تو میں نے منع کر دیا ہے کیونکہ شادی بھی جلدی ہونی ہے''۔

''ابو! آپ سے ایک بات کہوں''۔ ڈرتے جھجکتے ہوئے لب کشائی کی۔ امی کو تو لیلٰی ماہ سے ڈر ہی لگتا تھا' لیکن وہ اپنے ابو سے بھی ضد میں اڑ جاتی تھی۔

''ہوں......بولو''۔

''اگر آپی اپنے ایگزام دے لیں تو پھر شادی کی تاریخ رکھ لیجیے گا' ان کے تو صرف چند ماہ میں ماسٹرز پورا بھی ہو جائیگا'' جھٹ اپنا مدعا بیان کر دیا۔

''اب پڑھائی کی ضرورت کیا ہے' جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا''۔ امی نے آگے سے نفی کی۔

''پھر بھی ابو......؟'' وہ مصر تھی۔

''ہاں......لیلٰی ماہ ٹھیک کہہ رہی ہے' اپنی پڑھائی وہ اس دوران مکمل بھی کر لے گی' میں پڑھائی کے خلاف بالکل نہیں ہوں''۔ انہیں لیلٰی ماہ کی بات سمجھ آ گئی۔

''تھینک یو''۔ وہ تو فورِ مسرت سے مسکرا دی' کم از کم حرما کو بھی سنبھلنے کا موقع مل جائے گا۔

''ٹھیک ہے میں نے اس لئے بلایا تھا' لائبہ نے مجھ سے بات کی تھی تم اس کے ساتھ مل کر بچوں کو ٹیوشن پڑھا لیا کرو''۔

''جی......'' وہ تو غیر متوقع بات سن کے حیران رہ گئی۔

''اچھا ہے تم بھی فارم میں رہو گی' پھر لائبہ کے پاس بچے بھی زیادہ ہیں''۔ وہ اسے کھلے دل سے اجازت دے رہے تھے۔ جبکہ لیلٰی ماہ کی حیرانگی سے آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ اس نے تو لائبہ کو صاف انکار کر دیا تھا صرف ابو کی وجہ سے' وہ ٹیوشن پڑھانا بالکل پسند نہیں کریں گے۔

اس نے حرما کو بتایا تو وہ بھی حیران ہوئی۔

''لائبہ کل آئی تھی ابو کے پاس' وہی بات کرنے آئی ہو گی''۔

''آپ کو نہیں بتایا اس نے؟'' لیلٰی ماہ نے پھر استفسار کیا۔

''میں اوپر کے پورشن کی صفائی کر رہی تھی' بھابی کے پاس بیٹھ کر چلی گئی تھی''۔ عصر کی نماز پڑھنے کے لئے وہ جائے نماز بچھا رہی تھی۔

''چلو اچھا ہے تمہیں بھی کچھ ایکٹویٹیز ملیں گی''۔

''آپی! میں نے ابو سے پوچھ لیا ہے' وہ کہہ رہے ہیں کہ تم ماسٹرز اپنا پورا کر لو''۔ وہ خوشی خوشی بتانے لگی۔

''میرا اب بالکل دل نہیں ہے''۔ وہ محض ذیشان احمد کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تم اپنی پڑھائی ایسے کیسے چھوڑ سکتی ہو''۔ وہ تو بضد تھی کسی طرح بھی وہ اپنا ماسٹرز کمپلیٹ کرے۔

''تم نے یونیورسٹی چلنا ہے' جب یہ رشتہ قبول کیا ہے تو ذیشان سے سامنا بھی کریں' ہاں اب ان سے بات کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے''۔ آج تو وہ شہران کی دھمکی سے ڈر گئی تھی۔

''یہ تم کہہ رہی ہو؟'' حرما نیت باندھنے کیلئے کھڑی ہوئی۔

"ہاں میں کہہ رہی ہوں"۔ وہ بھی وضو کرنے واش روم میں چلی گئی۔ دونوں نے نماز پڑھی اس وقت تک دونوں میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔

"میری دعا ہے ساتھ خیریت اور عزت سے آپ کی شادی ہو جائے"۔

"خیریت تو ہے آج تم اور ایسی باتیں......" حرما کو یقین نہیں ہو رہا تھا۔

"آپی! ذیشان احمد کا بھائی بہت بدتمیز ہے' ٹھیک کہتے ہیں ابو جیسا باپ ویسے بیٹے بھی ہوں گے"۔ اس کا دل تو شہران کی طرف سے اور زیادہ خراب ہو گیا تھا۔

حرما نے چونک کر اس کی بات کو سنا۔ لیل ماہ کی آج تو باتوں میں بھی تبدیلی تھی' کل تک ذیشان کی حمایت کرتی تھی اور اب وہ ایسے بول رہی تھی۔

"یہ تم کہہ رہی ہو"۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں آپی! مجھے تو ذیشان احمد کا بھائی اوباش اور بدمعاش بھی لگتا ہے' اچھا ہے آپ کی اور میری شادی عزت سے اور جلدی ہو جائے"۔ وہ تو اس حد تک ڈر گئی تھی کہ ہر وقت اب عزت کی فکر رہتی۔

"ہم ایسے کسی کے بارے میں نہیں کہہ سکتے اور پتہ ہے جب تک خود اپنی آنکھوں سے کسی کو نہیں دیکھ لو اس وقت تک اس پر الزام نہیں لگاؤ"۔ حرما کو اس کی یہ بات پسند نہیں آئی تو سرزنش کی' وہ خفیف سی ہو کر نگاہ چرا کے رہ گئی۔

وہ اسے سچ بھی تو نہیں بتا سکتی ورنہ پھر وہ اس کا یونیورسٹی ہو سکتا ہے جانا رکوا دے۔

"مجھے وہ بس اچھا نہیں لگتا ہے"۔

"وہ تمہیں اچھا نہیں لگتا تو اس کا مطلب ہے تم اس پر کوئی بھی الزام لگا سکتی ہو"۔ وہ لاجواب کر گئی۔

"ارے چھوڑیئے...... آپ بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو"۔ وہ بے زاری اور اکتاہٹ سے منہ بنانے لگی۔ حرما نے پھر مزید کوئی بات نہیں کی مگر دل اس کا مغموم اور اداس ہو گیا۔

☆

وہ دو دن سے آفس ہی نہیں جا رہی تھی۔ گاڑی کی ایف آئی آر درج کروا دی تھی مگر ملنا ممکن ہی نہیں تھا۔ روحیل سکندر نے اس کی دوسری گاڑی منگوالی تھی' اریشما نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔

دل کی عجیب بے چینی تھی' حمدان جب سے اسے گھر ڈراپ کر کے گیا تھا وہ کھوئی کھوئی سی ہو گئی تھی۔ اس کی فرینڈ امریکا سے آئی ہوئی تھی اس کے پاس بھی دوبارہ نہیں گئی تھی۔ اس کی ویڈنگ اینی ورسری میں تین دن ہی تھے' گفٹ وغیرہ سب بھول گئی تھی۔ کسی بک کے مطالعے میں وہ منہمک تھی سیل اس کا بیڈ پر پڑا تھرک رہا تھا' چونک کر دیکھا اسکرین پر حمدان کی کال تھی۔

"حمدان"۔ دل کی دھڑکنوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ بک تکیہ پر الٹ کے رکھی اور کال ریسیو کر لی۔

"یس اریشما اسپیکنگ"۔

"السلام علیکم"۔ حمدان کی سنجیدہ گھمبیر سی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"وعلیکم السلام"۔ آواز کو مضبوط بنایا۔

"خیریت تو ہے آپ دو دن سے آفس نہیں آ رہی ہیں' گاڑی نہ ملنے کا سوگ منا رہی ہیں"۔ وہ شاید یہی سمجھا تھا۔

"نن نہیں تو...... وہ بس ایسے ہی آرام کرنے کا موڈ تھا"۔ وہ خوش بھی ہوئی حمدان نے اس کی غیر موجودگی اتنی محسوس کی کہ کال کر لی۔

"سر سے میں نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے آپ کو کال کر لی"۔ وہ صاف گو بھی بہت تھا جو دل میں ہوتا وہی زبان پر۔

"میں نے برا تو نہیں منایا' آپ نے مجھے کال کیوں کی"۔ وہ نرم سے لہجے میں مسکراہٹ لئے اسے چھیڑنے لگی۔

"میں نے کال اس لئے بھی کی ہے کہ آپ آفس نہیں آ رہی ہیں تو تیمور اپنی چلا رہے ہیں اور میں آپ کے پیچھے کوئی ہنگامہ نہیں کرنا چاہتا"۔

"اوہ تیمور......" وہ اسے تو بھول ہی گئی تھی۔

"میں کل آنے کی کوشش کروں گی"۔

"محترمہ! کوشش نہیں آپ کو کل ہر صورت آنا ہے"۔ وہ پرزور انداز میں گویا ہوا۔

"اگر نہیں آئی تو کیا کریں گے؟" اسے تنگ کرنے کیلئے جملہ ادا کیا۔

"اگر نہیں آئیں تو میں پھر کل سے نہیں آؤں گا"۔ آخری دھمکی یہی تھی۔

"اتنی اہم ہوں آپ کے لئے"۔ معنی خیزی سے پوچھا۔

"اہم تو آپ کو پتہ ہوگا کتنی ہیں مگر میرے لئے نہیں' آفس کے تمام اسٹاف کے لئے کیونکہ سارے معاملات آپ ہی دیکھتی ہیں"۔ اطمینان سے اس کی سوچ کی نفی کی۔

"مگر کال مجھے پورے اسٹاف نے تو نہیں کی آپ نے کی ہے"۔ حمدان کو کسی طرح بھی لاجواب کرنا چاہتی تھی۔

"سب کی طرف سے میں نے کی"۔ وہ تیز لہجے میں آ گیا۔

"دیکھئے میم! آپ کی میں ہر بات کا مطلب خوب سمجھتا ہوں جو آپ چاہ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے"۔

"آپ ہر وقت اتنے سپاٹ کیوں رہتے ہیں"۔ وہ بھی کچھ غصہ میں آ گئی۔

"آپ کا وہم ہے ورنہ میں ہمیشہ ایسا ہی ہوں' پلیز کل آنے کی کوشش نہیں بلکہ آپ کو آنا ہے"۔ جب اسے کوئی بات کہتا تو ایسا لگتا باس اریشما نہیں خود ہے۔

"سوچوں گی"۔

"او کے آپکی مرضی"۔ کال کٹ ہو چکی تھی۔

"حمدان احمد! کیسے انسان ہو' ہر ایک کو تم ایک ہی ترازو میں کیوں تولتے ہو"۔ سیل کو سائیڈ ٹیبل پر رکھا بیک کراؤن سے ٹیک لگالی۔

ذرا بھی تو وہ مرعوب ہونے والا نہیں تھا۔ تیمور ہر طریقے سے اپنا رعب اور قبضہ جمانے کی کوششوں میں تھا۔

"تم سے میں دوٹوک بات کروں گی' حمدان اتنے بھی روکھے اور سرد مہر نہیں بنو"۔ لب کچلتے ہوئے سوچوں میں وہ خود سے ہمکلام تھی' پورا دن وہ اپنے بیڈروم میں رہتی تھی۔ ممی کو اس کی یہ سستی والی عادت بہت گراں گزر رہی تھی۔

وارڈروب سے اپنا سوٹ نکالا' باتھ لے کے وہ تیار ہوئی لائٹ سی گرین کاٹن کے پرنٹڈ اسٹائلش سے سوٹ میں اس کی شہابی رنگت دمک رہی تھی۔

"ممی! میں زویا کی طرف جا رہی ہوں"۔ ان کے بیڈروم میں چلی آئی۔

"ڈرائیور کے ساتھ جانا"۔ انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"جی اسی کے ساتھ جاؤں گی"۔ وہ ان کے رخسار پر پیار کر کے باہر آ گئی۔

زویا کے تو گھر جانے کا بہانہ تھا' جانا اسے حمدان کے گھر تھا' اس وقت یقیناً وہ گھر آ گیا ہوگا۔ وہ اپنے قدموں کو

بار بار روک چکی تھی' مگر دل نہیں سن رہا تھا' حمدان جتنی بے رُخی برتتا وہ اتنا اس کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

ابھی موڑ کاٹا ہی تھا کوئی سامنے سے آتے ہوئے بچا۔

''دیکھ کر ڈرائیو کرو''۔ اس کی سوچوں کو بریک لگا۔ گاڑی ڈرائیور نے ایک منٹ کیلئے روکی تھی' وہ شخص ڈرائ سیٹ تک آیا۔

''سنئے صاحب یہ جگہ آرام سے چلنے والوں کیلئے ہوتی ہے''۔ اریشماء نے آواز پر چونک کر دیکھا وہ عدین تھا' اس کی آنکھیں خوشی سے چمک گئیں۔

''ارے آپ......'' وہ پچھلا ڈور کھول کے نیچے اتر آئی۔

''اوہ تو آپ ہیں' کیوں بھئی گاڑی آج ہوا پر ڈرائیو کروا رہی ہیں''۔ اس نے مسکراہٹ لئے طنز کیا۔

''سوری بھائی!'' وہ الٹا شرمندہ ہونے لگی تھی جبکہ ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''اوکے''۔ اریشماء کا شرمندہ ہونا اچھا نہیں لگا تھا۔

''آؤ گھر ڈراپ کر دوں''۔

''نہیں شکریہ' سامنے روڈ پر تو جانا ہے''۔ اس نے منع کیا۔

''ارے نائی بوائے! آ جاؤ میں تمہاری طرف ہی جا رہی ہوں''۔ اس نے عدین کو زبردستی اپنے ساتھ بٹھایا۔ چند لمحوں میں وہ ان کے فلیٹ پر تھے۔ اریشماء سے وہ شوخی سے باتیں کر رہا تھا۔

''آپ آفس نہیں گئیں کیا؟'' اس نے پوچھا۔

''ٹھیک سمجھے''۔ دونوں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آ گئے تھے۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''ہوں پوچھو''۔ اریشماء کو نائی سا عدین بہت اچھا لگا تھا۔

''دو دن پہلے آپ بھائی کے ساتھ بائیک پر گئی تھیں''۔

''بائیک پر......'' وہ جھینپ سی گئی' نگاہ بھی چرائی' عدین پتہ نہیں کیا سمجھ رہا ہوگا۔

''حمدان نے بتایا ہے؟'' اس نے الٹا سوال پوچھا۔

''وہ بتانے والے نہیں تھے' کچھ نشانات ایسے تھے جو ہمیں چونکا گئے''۔ وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔ بیل پر ہاتھ رکھ دیا' فوراً ہی گیٹ کھلا سامنے امی کھڑی تھیں۔ اریشماء نے جھجک کے سلام کیا' اسے عجیب تو لگ رہا تھا آج دوسری با یوں اچانک سے جو آ گئی تھی۔

''وہ آنٹی! میں پھر آ گئی''۔

''ارے اس میں جھجکنے کی کیا بات ہے بیٹا! اچھا کیا جو آ گئیں' اپنا سمجھا ہمیں اس قابل جانا جو ہمارے غریب خانے پر آ گئی ہو''۔

''آپ ایسی بات تو نہیں کیجئے''۔ اریشماء شرمندہ ہوئی۔

''امی! بھائی نہیں ہیں''۔ عدین نے پورا گھر تلاشنے کے بعد تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں ابھی تک آفس سے ہی نہیں آیا' کیا بہت کام ہے بیٹا؟ آپ کے ساتھ نکلا تھا وہ''۔ وہ فکر مند سی ہو گئیں۔

''میں تو دو دن سے آفس ہی نہیں گئی' آج حمدان کی کال آئی تھی''۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گئی' حمدان ابھی تک آ کیوں نہیں۔

''میں کال کرتی ہوں''۔ اریشماء نے بیگ سے سیل نکالا۔

دو تین بار ملانے سے بھی نہیں ملا۔

''نیٹ ورک کام نہیں کر رہا ہے''۔

''ویلنٹائن ڈے منانے تو نہیں نکل گئے' ویسے جگہ آپ دونوں نے کہاں ڈیسائیڈ کی تھی''۔ عدین نے معنی خیزی اور شوخی سے اس کے کان میں سرگوشی کی وہ جھینپ کر مسکرانے لگی' وہ تو امی اور مصباح ادھر نہیں تھیں۔

''میں فضول کی ایسی باتوں کو نہیں مانتی ہوں اور تمہارے بھائی سے میری ایسی کوئی کمٹمنٹ نہیں ہے''۔ جھٹ نفی کی مبادا دوبارہ وہ حمدان کے سامنے الٹی سیدھی ہانکنے نہیں لگے۔

''اریشماء بیٹی! کھانے میں ہم نے قیمہ کریلے بنائے ہیں' کوئی اعتراض تو نہیں''۔ امی نے آ کر پوچھا۔

''آنٹی! آپ کھانے وغیرہ کا تکلف بالکل نہیں کیجئے' میں کچھ دیر میں ہی چلوں گی''۔ وہ جگہ سے اٹھ گئی۔

''لو بھلا آپ نے یہ کیسی بات کی' کھانا کھلائے بغیر کھانے کے ٹائم پر ہمارے گھر پر کوئی اس طرح نہیں جا سکتا ہے''۔ عدین نے کبھی اس کی نہیں سنی۔

''تم چپ کرو' مجھے ویسے بھی جلدی جانا ہے''۔ اریشماء نے بے تکلفی سے اپنے بڑے پن کا فائدہ اٹھا کے اسے ڈانٹ دیا۔

''میں چپ رہ ہی نہیں سکتا''۔

''عدین! کیا بدتمیزی ہے''۔ مصباح نے خشمگیں نگاہوں سے اسے سرزنش بھی کی۔ اریشماء منہ پر ہاتھ رکھ کر مسکرانے لگی' وہ اتنا بے تکلیف ہو گیا تھا کہ ہر بات کرنے میں ذرا بھی شرم یا جھجک بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔

''آپ چپ کر کے بیٹھئے' بھائی آ جائیں' ہم سب مل کر کھانا کھائیں گے''۔ عدین نے اس کا بیگ لیا اور اٹھا کے فریج کے اوپر رکھ دیا تاکہ اچانک سے اٹھ کر نہ چل دے۔

''آنٹی! مجھے بہت دیر ہو جائے گی''۔ وہ ان سب کے اتنے اپنائیت بھرے انداز پر خوش بھی ہو رہی تھی۔

''کوئی دیر نہیں ہوگی' کون سا دور جانا ہے''۔ امی نے بھی اس کی نہیں سنی۔ وہ عدین اور مصباح سے باتوں میں لگ گئی' تقریباً نو بجے حمدان آیا' اس کی موجودگی پر حیرت زدہ رہ گیا' سلام کے بعد وہ بے نیازی اور سرد مہری سے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔ اریشماء کو اس کے سامنے کچھ آکورڈ فیل ہوا' جانے وہ اس کے یہاں آنے پر کیسا ری ایکٹ کرے گا۔

''آنٹی! میں چلوں''۔ وہ تو یہ بھی بھول گئی حمدان سے بات کرنے کیا آئی تھی۔

''بالکل نہیں' کھانا کھائے بغیر''۔ عدین تو مکمل رعب سے بول رہا تھا' حمدان بھی آدھے گھنٹے بعد چینج کر کے آ گیا۔ بلیک ٹراؤزر پر وائٹ ٹی شرٹ میں نکھرا نکھرا فریش سا نظر آ رہا تھا' اریشماء نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ مصباح اور امی مل کر ڈرائنگ روم میں ہی دسترخوان کارپٹ پر بچھا کے کھانا لگانے لگیں۔ وہ خاموشی سے بیٹھی تھی' حمدان نے ابھی تک بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا' پہلو بدل کر وہ کھڑی ہو گئی۔

''آپ پھر کھڑی ہو گئیں' بیٹھئے''۔ عدین پانی کا جگ لئے آیا' اسے ٹوکا۔

''وہ مجھے جلدی جانا ہے' ممی ویٹ کر رہی ہوں گی''۔

''اپنی ممی کو کال کر کے کہئے اتنا ویٹ نہیں کریں اور اب یہ عمر بھی نہیں کہ ویٹ کر کے ڈائٹنگ کے چکر میں پڑیں''۔ عدین نے شوخی سے بات کو ہی گھما دیا۔ اریشماء کو ہنسی آ گئی' حمدان نے اس کی مسکراہٹ کو اچٹتی نگاہوں سے دیکھا' وہ جز بز سی ہو گئی۔

کھانا خاموشی سے کھایا گیا تھا۔ وہ جانے کے لئے کھڑی ہو گئی تو ممی کی کال آ گئی تھی۔

’’آ جایا کرو‘ اچھا لگا ہمیں تو‘‘۔ امی نے لپٹا کے اسے پیار کیا۔

مصباح سے بھی وہ گلے ملی‘ عدین نے ناک پر گلاسز جمائے اپنے دانتوں کی نمائش کر رہا تھا‘ وہ طبیعت کا شوق تھا۔

حمدان اسے نیچے چھوڑنے کے لئے باہر نکل گیا تھا‘ انداز سے لگ رہا تھا بے زاری ہو رہی تھی۔

’’میں اگر روز آنے لگی تو آپ لوگ تنگ آ جائیں گے؟‘‘ وہ ان کی محبت پر نہال ہو گئی۔

’’ہمارے گھر ایسی کوئی کہانی نہیں ہے‘‘۔ عدین نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ اریشماء کو حمدان کا پہلو بدلنا نظر آ گیا۔ وہ جلدی سے رخصت ہوئی‘ وہ تو حمدان سے دوٹوک بات کرنے آئی تھی۔

’’کل سے آفس آ جائیے گا‘ میرے خیال میں گاڑی کا سوگ منا چکی ہیں‘‘۔ وہ اس کی نیو ماڈل بلیک کار کو دیکھ کر طنز کر گیا‘ اریشماء خفیف سی ہو گئی۔

’’حمدان! میں آپ سے ایک بات کہوں‘ آپ اتنے روکھے کیوں رہتے ہیں؟‘‘

’’میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا میں ہر جگہ حد قائم رکھ کے بات کرتا ہوں‘‘۔ پیچھے کا ڈور کھولا اشارہ تھا بیٹھ جاؤ۔

’’اگر آپ تیمور کے سامنے مجھ سے روکھے انداز میں بات نہیں کریں تو میں مشکور ہوں گی‘‘۔

’’آپ تیمور کے سامنے آخر یہ کیوں شو کرنا چاہتی ہیں کہ میں اور آپ فرینڈز ہیں‘‘۔

’’اگر آپ سننے کیلئے تیار ہیں تو آپ کو تفصیل بتاؤں‘ کیا وجہ ہے‘‘۔ لہجے میں حسرت تھی۔

’’سوری مجھے کسی کے پرسنلز جاننے میں قطعی دلچسپی نہیں ہے‘‘۔ پھر سرد مہری سے جواب دیا۔

’’ضرورت سے زیادہ ضدی ہے یہ شخص‘‘۔ اریشماء سوچ کر رہ گئی مگر کچھ بولنے کیلئے لب نہیں کھولے۔

’’باس کون ہے‘ آپ یا میں‘‘۔

’’آف کورس آپ ہیں‘‘۔ حمدان نے فوراً جواب دیا۔

وہ ذرا بھی اس پر نگاہ جما کے نہیں ڈال رہا تھا مگر اریشماء کی شخصیت اتنی سوبر تھی وہ اکثر سوچتا ضرور تھا یہ دوسری لڑکیوں سے اتنی مختلف کیوں ہے۔

’’آپ جائیے بحث لمبی ہو جائے گی اور آپ جانتی ہیں میں روکھا بہت ہوں‘‘۔ اس نے طنز کیا۔

اریشماء نے مزید گفتگو نہیں کی گاڑی میں بیٹھ گئی‘ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی‘ حمدان پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا۔

’’حمدان احمد! تم اتنے مشکل بندے ہو کہ کسی طرح بھی میری باتوں میں نہیں آ رہے ہو‘ مگر مجھے بھی ضد ہے تم سے اپنا آپ منوا کے رہوں گی‘‘۔ اس کے دماغ میں الگ ہی جنگ ہونے لگی۔ دل حمدان سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا پہلے تو وہ صرف اسے تیمور سے بچنے کیلئے ڈھال بنا رہی تھی مگر اب دل کچھ اور ہی راگ الاپ رہا تھا۔

وہ اتنی ضدی نہیں تھی مگر حساس بہت تھی‘ آج تک کسی لڑکے کو اپنے قریب نہیں آنے دیا اور نہ ہی وہ کسی لڑکے سے متاثر ہوئی۔ حمدان وہ پہلا مرد تھا جس نے اپنی خودداری اور سنجیدگی سے اسے متاثر کیا تھا‘ اس کا محتاط انداز اریشماء کو کھینچ رہا تھا‘ جو دیکھتا بھی نظر چرا کے تھا‘ کبھی اس کی نگاہوں میں غلاظت نہیں دیکھی‘ تیمور کی نگاہیں ہمیشہ اسے بری لگی تھیں‘ وہ ڈیڈی سے بھی نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ وہ یقین ہی کب کریں گے۔

☆

’’تم ہوتے کون ہو میرا رشتہ بھیجنے والے‘‘۔ ذیشان کو حمیرا بیگم نے بتا دیا وہ کیا کچھ کہہ چکا ہے۔

شہران شرٹ چینج کر کے بنیان پہن رہا تھا‘ اس کے ہاتھ رک گئے۔ پورا دن آج ٹیکسی چلا چلا کے اس کے شانے درد کرنے لگے تھے‘ سوچا تھا آج جلدی سو جائے گا۔

’’کیا ہو گیا ہے آپ کو‘ میں سمجھا نہیں‘‘۔

’’شہران! انجان نہیں بنو‘‘۔ اس نے کالر سے پکڑ کے اپنے سامنے کیا‘ وہ بیڈ سے اپنے کپڑے اٹھانے جھکا تھا۔

’’آخر ہوا کیا ہے‘ کس کا رشتہ؟‘‘

’’یہ امی کو کیا تم دھمکیاں دے رہے ہو کہ اس مرزا کے گھر میرا رشتہ لے کر جائیں اور اگر انہوں نے نہیں کیا تو اینٹ سے اینٹ بجا دو گے‘‘۔ ذیشان اس لمحے اپنے غصے کو مٹھیاں بھینچ کے کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا‘ وہ ذرا بھی نہیں چاہتا تھا کہ حرما یا لیل ماہ پر کوئی انگلیاں اٹھائے اور مرزا پر جو اتنے شریف آدمی تھے‘ وہ ان کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

’’کیوں ایسا کیا غلط کہہ دیا‘ ان کی بیٹیوں کے سرخاب کے پَر لگے ہیں جو آپ سے ان کا رشتہ نہیں ہو سکتا‘‘۔ تمسخر اڑا کے طنز کیا۔

’’شہران! میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے‘‘۔

’’میرے دماغ میں جو چل رہا ہے وہ بالکل ٹھیک چل رہا ہے‘ آپ شریف انسان ہیں کوئی برائی نہیں ہے‘ کیسے وہ آپ کا رشتہ قبول نہیں کریں گے‘‘۔ وہ جیسے بات کو اتنی اہمیت دینا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ اس کی دلجوئی کے لئے ایسا بولنے لگا۔

’’شہران! نہ ہی تم بچے ہو اور نہ ہی میں بچہ ہوں جو بات کو تم نہیں سمجھ رہے ہو‘ میں کیا کہنا چاہتا ہوں‘‘۔ وہ درشت لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

’’بھائی! کیوں اتنا غصہ ہو رہے ہیں‘ شریفوں کی طرح آپ کا رشتہ جائے گا‘ کوئی آپ اس مرزا کی بیٹی کو ہمارے باپ کی طرح بھگا کے شادی نہیں کریں گے‘‘۔ کہیں سے بھی وہ باتوں میں اپنے باپ کو طنز میں لپیٹ لیتا تھا۔

’’شہران! حد ہوتی ہے ہر بات کی‘ تمہیں ذرا بھی لحاظ نہیں ہے نہ ہی تمیز...... ابو کی تم بار بار بے عزتی کرتے ہو‘‘۔ وہ تو مشتعل ہی ہو گیا۔

’’ارے دنیا بولتی ہے آپ کا واسطہ تھوڑی ہی پڑتا ہے گلی کے لوگوں سے‘ سب سنتا ہوں میرے کانوں میں کیا کیا سنائی دیتا ہے‘‘۔ اس نے غصہ میں اپنے بائیں ہاتھ کی پشت سے ٹھوڑی سے پسینہ پونچھا۔

’’لوگوں کی عادت ہے فضول بولنے کی‘ تم کان کیوں دھرتے ہو‘‘۔

’’میں کان نہیں بھی دھروں‘ وہ اسد مرزا کی نگاہیں ہر وقت مجھے گھورتی ہیں ناگواری سے..... میں سب سمجھتا ہوں‘‘۔

’’ایک ہی بات کے پیچھے نہیں پڑا کرو‘‘۔ وہ جھنجھلا گیا۔

’’بات کے پیچھے آپ پڑے ہوئے ہیں‘ پرپوزل اگر جا رہا ہے تو جانے دیں‘ آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہے ہیں‘‘۔

’’ٹینشن مجھے اس بات کی ہے کہ وہ لوگ اپنی بیٹیوں کے رشتے بھول کے بھی اس گھر میں نہیں کریں گے‘ اتنی دیر سے یہی سمجھانا چاہ رہا ہوں۔ میں نے امی کو منع کر دیا آپ شہران کی دھمکیوں میں بالکل نہیں آئیے‘‘۔ اس نے تیز لہجے میں تنک کے کہا۔

’’ٹھیک ہے پرپوزل پھر میں ہی لے کے جاؤں گا‘‘۔ وہ ضدی ہٹیلا اکھڑ تو بچپن سے تھا۔

’’بکواس بند کرو‘‘۔ ذیشان کا ہاتھ اٹھتے اٹھتے رہ گیا‘ مٹھی بھینچ کے آنکھیں بے بسی سے بند کیں۔ شہران نڈر انداز میں اس کے سامنے جما ہوا کھڑا تھا‘ انجام کی پرواہ تو اس نے کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔

’’دوسروں کی خاطر اپنی خوشی برباد کر لیں کیونکہ وہ عزت دار لوگ ہیں‘‘۔ لہجے میں طنز ناگواری غصہ سب تھا۔ ذیشان روم سے نکل گیا کیونکہ شہران کو اس وقت سمجھانا مشکل تھا اور اسے لگ بھی نہیں رہا تھا اس کی عقل میں کوئی بات آئے۔

وہ دھڑ سے بیڈ پر بیٹھا‘ دل میں مصمم ارادہ باندھ لیا تھا اسد مرزا سے ٹکر لینی ہے‘ وہ کیوں اسے اتنا نیچ سمجھتے ہیں۔

ان بھائیوں میں اخلاقی برائی ہے جو وہ گری ہوئی نظروں سے دیکھتے ہیں' نماز روزہ کر کے وہ بہت عزت دار ہو گئے ہیں اور اسے بھی مسجد میں دیکھ لیتے تو ہمیشہ طنز نظر آتا۔



پہلے وہ صرف حمدان کو اپنی ڈھال بنانا چاہتی تھی مگر جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ آہستہ آہستہ اپنی خودداری اور اپنے سنجیدہ مزاج کی وجہ سے دل میں اترتا جا رہا ہے۔ وہ اس پر توجہ نہیں دیتا تھا' وہ اتنا ہی اس کی جانب راغب تھی۔ اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اسے بھی یوں کسی سے اچانک سے محبت اور عشق ہو سکتا ہے۔ کالج لائف کے بعد یونیورسٹی میں بھی کبھی اس سے یہ حرکت سرزد نہیں ہوئی' ہاں ہمیشہ اسے تیمور کی ذات سے ڈر ہی لگا رہتا تھا۔

وہ تو اس دن جب حمدان ایکسیڈنٹ کے بعد ملا تو اس نے اچانک ہی سوچا تھا' حمدان اسے تیمور سے بچا سکتا ہے۔ مگر حمدان کا لفٹ دینے والا انداز اسے اور اس کی جانب راغب کر رہا تھا' وہ خود حیران تھی کہ کیسے وہ ایسے سرد مہر شخص کے پیچھے بھاگنے لگی ہے۔

زندگی اس کی سبک خرامی سے گزر رہی تھی' مگر اب زندگی میں دو ماہ کے اندر جو تبدیلی آئی تھی وہ اس سے آنکھیں چرا نہیں سکتی تھی۔ دل میں ہر وقت دھڑکنوں کا شور' دماغ ہر وقت حمدان کو سوچتا رہتا تھا' وہ خود سے بھی اتنی بیگانہ ہو گئی تھی کہ بس حمدان ہی اسے یاد رہتا تھا۔

سیل کی بیپ نے اس کی سوچوں اور خیالوں میں ارتعاش بکھیرا۔ کھڑکی کا پردہ چھوڑ کے نگاہ ترچھی کر کے بیڈ پر پڑے سیل پر نگاہ دوڑائی' سیل اٹھایا۔

''ہیلو''۔

''ہیلو کی بچی! کہاں ہے تو' اب تک کوئی خبر نہیں لی؟'' چھوٹتے ہی اس کی فرینڈ زویا نے ترنخ کے خبر لی۔ اریشماء شرمندہ ہو گئی' اس کی اپنی ورسری تک بھول گئی تھی۔

''وہ میں کچھ بزی تھی آفس میں''۔ عذر بھی تو اسے تراشا نہیں آ رہا تھا۔

''تجھے آفس اتنا عزیز ہے کہ میری فکر تک نہیں ہے''۔ وہ تو اس پر برہم ہونے لگی۔ اریشماء کا ذہن و دل اس وقت حمدان کو ہی سوچ رہا تھا' وہ زویا کو جیسے یکسر فراموش ہی کر چکی تھی۔

''اچھا اچھا زیادہ چیخ تو نہیں' کان میں درد کر دیا''۔

''زیادہ میرے سامنے اترایا کم کر' آفس سنبھالتی ہے تو مجھ پر زیادہ اپنی سنجیدگی کا رعب مت ڈال''۔ وہ اریشماء کی سنجیدگی تو ذرا بھی برداشت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''پھر فضول گوئی کرنے لگی تو''۔ وہ لمبی سانس بھر کے اسے ٹوکنے لگی۔

''اچھا بس زیادہ مت سوبر بنا کر' مجھے بہت غصہ آتا ہے''۔

''اپنے غصے کو مارو گولی' مجھے یہ بتاؤ ہو کہاں؟'' اریشماء نے بات کو ٹالا۔

''میں ہوں اس ٹائم اپنی سسرال میں''۔

''ہوں...... پھر تو میں نہیں آ سکتی''۔

''کیا مطلب ہے کیوں نہیں آ سکتی' سسرال میں میرے کوئی اتنے افراد تو ہیں نہیں اور نہ تو پردہ کرتی ہے''۔ زویا کو اس کی جھجک سمجھ نہیں آئی۔

''مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں''۔

''حمدان کے متعلق''۔ زویا جب سے پاکستان آئی تھی اریشماء نے پہلی ہی ملاقات میں اسے حمدان کے متعلق بتا دیا تھا' کب' کیسے' کہاں ملا اور اب آفس میں جاب کر رہا ہے۔

''ہوں''۔

''پھر ایسا کر کل میں امی کی طرف آؤں گی ادھر ہی آ جاؤ اور ہاں خبردار جو جلدی بھاگنے کی کوشش کی''۔ ساتھ ہی وارن بھی کیا۔

''بے فکر رہو فرصت سے آؤں گی' آفس بھی نہیں جاؤں گی''۔ اس نے زویا کو خوش کیا۔

وہ حمدان کی طرف سے اتنی بے چین اور پریشان ہو گئی تھی' اسے حمدان پر غصہ آنے لگا تھا۔

''وہ تیرا حمدان آفس سنبھال لے گا؟'' زویا نے چھیڑا۔

''ڈیڈی ہوں گے''۔ وہ مسکرائی۔

''اور سناؤ اپنی ورسری کر رہی ہو؟''

''ارے چل یہ ریحان کو ہی لگ رہی تھی' میں نے منع کر دیا پھر میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے''۔ اس نے بتایا۔

''کیا ہوا طبیعت کو؟'' فکرمند ہو کر تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

''خالہ بننے جا رہی ہو''۔

''مبارک...... مبارک ہو''۔ اریشماء نے خوشی سے بھرپور آواز میں مبارکباد دی۔

''اچھا اچھا زیادہ ایکسائٹمنٹ مت دکھا''۔ زویا جھینپ گئی۔

''پھر امریکا تو فلائی نہیں کرنا''۔

''نہیں بھئی وہاں رہ کر بندہ کہیں کا نہیں رہتا' کسی چیز میں بھی اپنائیت نہیں ہے' یہ ریحان کو پڑی تھی ہنی مون وہاں منائیں گے''۔ وہ ناگواری سے بتانے لگی۔

''چلو ہنی مون کا فائدہ تو ہوا''۔ اریشماء نے معنی خیز لہجے میں شرارت سے کہا۔

''بدتمیز شرم نہیں آتی''۔

''بہت آتی ہے''۔ وہ ہنسی۔

میں اب کال بند کرتی ہوں کیونکہ ابھی میں نے شام کی چائے نہیں پی ہے''۔ زویا کو بھوک ستانے لگی۔

''او کے اللہ حافظ''۔ دونوں نے اجازت چاہی۔

اریشماء نے ٹائم دیکھا پانچ بج رہے تھے چائے اس نے بھی نہیں پی تھی' وہ اپنے روم سے نکلی تو ممی کچن میں نظر آئیں۔

''میں چائے لے کے آ رہی تھی''۔

''ممی! کچھ کھانے کو بھی دے دیں بھوک لگ رہی ہے''۔ کچن میں چیئر گھسیٹ کر وہ کاؤنٹر کے قریب بیٹھ گی۔

''آفس میں ایسی لگی رہتی ہو کھانے پینے کا ہوش نہیں رہتا ہے''۔ وہ بسکٹ اور چپس اس کیلئے پلیٹ میں نکال کے لے آئی تھیں۔

''آپ کو نہیں پتہ میں کیوں آفس جاتی ہوں''۔ بسکٹ منہ میں رکھا۔ فوزیہ روحیل نے چائے کا مگ بھی آگے رکھا۔

''ورنہ تیمور ڈیڈی کو قابو کر لے گا اور پھر آپ جانتی ہیں کتنی خبیث سوچ کا ہے''۔

''آہستہ بولو تمہارے ڈیڈی موجود ہیں''۔ وہ اسے اشارے سے چپ کرانے لگیں۔

اریشماء پھر چائے کے سپ لینے لگی کیونکہ ڈیڈی کے سامنے وہ ویسے بھی ذکر نہیں کرتی تھی۔ (جاری ہے)

حمیرا علی

افسانہ

دل کا راستہ



''مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے' اس لئے میری لاڈو! کبھی کبھی کچن میں بھی جھانک لیا کرو''۔ بھابی نے اسے کمپیوٹر پر مصروف دیکھ کر پیار سے سمجھایا تھا۔

''میری پیاری بھابی جان! ویسے تو وہ مرد ابھی میری زندگی میں آیا ہی نہیں جس کے دل میں داخل ہونے کی میں فکر کروں اور اس کے دل میں داخلے کے راستے تلاش کروں' اگر ایسا کبھی ہو بھی گیا تو دل میں داخل ہونے کے اور بہت سے راستے ہیں اس لئے اس فضول معدے والے راستے کو میں ہرگز بھی استعمال نہیں کروں گی''۔ مجھے بھابی کا مشورہ بھی یاد تھا اور اپنا مفصل جواب بھی دن میں کئی کئی بار مجھے امی اور بھابی کی اس قسم کی نصیحتیں یاد آتی تھیں' مجھے ہر چیز میں دلچسپی تھی' نہیں تھی تو ایک کھانا پکانے میں' اور میرا خیال تھا کہ میں اتنی گھڑ ہوں یہ ایک کمی تو میری ہزار خوبیوں میں نظر بھی نہیں آئے گی۔ میں نے کبھی کچن کا رخ کرنے کی کوشش تک نہیں کی سوائے چائے بنانے کے علاوہ' وہ بھی صرف اپنے لئے ویسے میرے پاس ٹائم ہوتا ہی کہاں تھا' میں ٹاپ کلاس اسٹوڈنٹ تھی اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک ہمیشہ ایکسٹرا ایکٹویٹیز میں حصہ لیا تھا بہترین ایتھلیٹ تھی زبردست ڈیبیٹر تھی اس کے علاوہ دوران تعلیم ہی میں نے کئی طرح کے کورسز کئے تھے جن میں انٹیریئر ڈیکوریشن کا اور فیشن ڈیزائننگ کا کورس سرفہرست تھا' اس کے علاوہ کمپیوٹر کورسز بھی کئے ہوئے تھے اس کے علاوہ بہت سے کورسز کئے ہوئے تھے' گھر کو سجانے کا مجھے بے حد شوق تھا' اور میری ایک خوبی یہ تھی کہ جو کام کرتی انتہائی مہارت سے اور سلیقے سے کرتی تھی' مگر کچن کے کاموں سے مجھے کوئی رغبت نہیں تھی۔۔۔۔ یوں بھی میں صرف زندہ رہنے کے لئے برائے نام کھاتی تھی' بہت آئلی اور مرغن کھانوں کو دیکھ کر ہی میرا پیٹ بھر جاتا تھا اور شاید یہ بھی ایک ریزن تھا کہ مجھے کھانا کھانے میں دلچسپی نہیں تھی تو کبھی پکانے کا بھی دل نہیں چاہتا تھا' اکلوتی تھی اسی لئے گھر والے صرف کچن کے کاموں میں دلچسپی لینے کا کہتے ہی تھے کبھی کسی نے سختی نہیں کی تھی' سکندر لالہ مجھ سے آٹھ سال بڑے تھے' خوب میرے نخرے اٹھاتے کبھی کبھی امی اگر کہہ بھی دیتیں کسی کام کا تو فوراً میری فیور کرتے' شاہینہ بھابی میری پھوپھی زاد کزن تھیں بے حد سادہ اور گھریلو آتے ہی کچن اور گھر کے دیگر کام بہ خوبی نبھا لئے تھے انہوں نے' اس طرح مجھے اور چھوٹ مل گئی' امی اکثر کہتی تھیں ایک بار اس کی پڑھائی ختم ہو جائے تو اسے کان سے پکڑ کر کچن کی راہ دکھاؤں گی' مگر امی کا یہ خیال' خیال ہی رہ گیا۔ ماسٹرز کے ایگزام کے فوراً بعد ہی میرا پرپوزل آ گیا' اتابک جلال کی والدہ تابندہ بیگم نے مجھے پھپھو کے گھر سالگرہ کی تقریب میں دیکھا

تھا' اتابک آفریدی' جلال آفریدی کے بیٹے شاہینہ بھابی کے بھائی یعنی میرے پھوپھی زاد تیمور لالہ کے دوست تھے۔ آخری پیپر کی شام کو میں تیمور لالہ کے بیٹے کی سالگرہ میں گئی تھی اور وہیں اتابک آفریدی کی والدہ نے مجھے دیکھا تھا اور اگلے ہی دن وہ ہمارے گھر پر موجود تھیں' اتابک جلال آفریدی کو سکندر لالہ بھی کسی حد تک جانتے تھے اور پھر اس پرپوزل کو تیمور لالہ اور پھپھو کی فیملی کا زبردست سپورٹ حاصل تھا' اتابک کا شریف اور عزت دار خاندان سے تعلق تھا' والد کا اپنا کاروبار تھا' ایک بھائی سعودی عرب میں مقیم تھے اور ایک جاب کے سلسلے میں اسلام آباد میں ہوتے تھے' اتابک نے حال ہی میں ایم بی بی ایس کیا تھا اور اب ایک ہاسپٹل میں جاب کے ساتھ اپنا کلینک کھولنے کی تیاریاں بھی کر رہے تھے' بہن کوئی تھی نہیں' تابندہ بیگم بڑی اچھی خاتون تھیں' یوں کسی کو اس رشتے میں کوئی کمی یا خامی نظر نہیں آئی تھی' امی تو بے حد خوش تھیں' بیٹھے بٹھائے اتنا اچھا رشتہ جو آ گیا تھا' پھر میرے لاکھ انکار اور احتجاج کے باوجود ان لوگوں کو ہاں میں جواب دے دیا گیا تھا اور یوں آناً فاناً میں' میں صہبا وقار خان سے صہبا اتابک آفریدی بن کر آفریدی ہاؤس میں جلوہ گر ہوگئی اور یہ مجھ پر شادی کے بعد ہی منکشف ہوا تھا کہ واقعی مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔

☆

''صہبا بیٹا! اتابک آ گیا ہے دیکھو ذرا اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے''۔ میری ساس نے مجھے ماضی کے خیالوں سے نکالا تھا' جس میں بیٹھے بیٹھے کھو جانا آج کل میرا محبوب مشغلہ تھا۔

''آ گئے آپ.....'' میں نے سلام کے بعد ایک بے تکا سوال کیا تھا سچ تو یہ تھا کہ اسوقت بھی میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا' ذہن مختلف سوچوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے صہبا اتابک آفریدی؟''

اتابک نے مجھ پر ایک بھرپور نظر ڈالی تھی' اور میں اس ایک نظر پر ہی اپنے آپ میں سمٹ گئی تھی' شادی کو چار ماہ ہو چکے تھے مگر اتابک کی بے قراریاں جوں کی توں تھیں اور میں جو اول روز ان کی بے قراریوں اور بے باکیوں کے مظاہرے سے گھبرائی تھی تو اب چار ماہ بعد بھی میرا وہ ہی حال تھا۔

''میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں''۔ اس وقت مجھے کوئی اور بہانہ نہیں سوجھا تھا' ان بولتی نگاہوں سے پیچھا چھڑانے کا۔

''محترمہ! میں ساری رات اور آدھا دن ہاسپٹل میں گزار کر گھر آیا ہوں اس وقت مجھے چائے کی نہیں چاہ کی ضرورت ہے' جو دینے میں تم بڑی ہی کنجوس ہو''۔ وہ جو بیڈ پر نیم دراز تھے اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے قریب آ گئے تھے' ان کی قربت میرے حواس معطل کرنے کے لئے کافی تھی اور ان کی قربت سے فرار میرے لئے ناممکن تھا۔

☆

''زبردست بھئی یہ کباب تو اس قدر لذیذ ہیں کہ بنانے والے کے ہاتھ چومنے کو دل چاہ رہا ہے''۔ اتابک نے کھانا کھانے کے دوران کوئی تیسری بار یہ جملہ کہا تھا اور یہ کوئی ایسی بات بھی نہیں تھی جو کہ بری لگے لوگ عموماً کھانا پسند آنے پر اس طرح کہتے ہی ہیں' مگر اس بات سے میرے چہرے کا زاویہ بگڑ گیا تھا' ساتھ ہی کھانے سے دل بھی اچاٹ ہو گیا تھا۔

''کیا ہوا صہبا بیٹا! آپ نے ہاتھ کیوں روک لیا''۔ میری ساس میری امی سے بھی زیادہ میرا خیال رکھتی تھیں' اس وقت بھی سب سے پہلے انہیں ہی محسوس ہوا تھا کہ میں صرف چاول ادھر ادھر کر رہی ہوں۔

''امی! آج تو آپ نے کمال ہی کر دیا' کھانا حد سے زیادہ لذیذ ہے''۔ وہ جب کھانا کھا رہے ہوتے تھے تو بس ان کا سارا دھیان کھانے پر ہی ہوتا تھا۔

''ارے نہیں بیٹا! میں نے نہیں بنایا' یہ سارا کھانا تو

شاکرہ نے بنایا ہے' ماشاء اللہ اس کے ہاتھ میں بڑا ہی ذائقہ ہے''۔ امی نے ہاٹ پاٹ اٹھا کر لاتی شاکرہ کی طرف دیکھ کر کہا تھا' یہ ملازمہ ایک ماہ پہلے ہی رکھی گئی تھی اس سے پہلے میری ساس خود ہی کھانا بناتی تھیں' البتہ دوسرے کاموں کے لئے ملازم موجود تھے مگر کچھ عرصے سے انہیں جوڑوں کے درد کی شکایت رہنے لگی تھی' اور تب ہی یہ ملازمہ رکھی گئی تھی' تقریباً سب ہی اس تیس بتیس سالہ ملازمہ کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے کھانے کے گرویدہ ہو چکے تھے' اس دوران آنے والے مہمانوں نے بھی اس کے ہاتھ کے ذائقے کی تعریف کی تھی۔ دراصل اس ملازمہ کا انتظام میں نے ہی اپنی ایک دوست سے کہہ کر کر دیا تھا' شروع شروع کے ایک دو دن تو اپنے اس بہترین فیصلے پر میں نے اپنی خوب پشت تھپتھپائی تھی مگر اب مجھے خود ہی برا لگنے لگا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اتابک اچھے کھانے کے صرف شیدائی نہیں تھے بلکہ کھانا اور کھانا بنانے والے کی تعریف بھی دل کھول کر کرتے تھے' پہلے تو مجھے اس بات کا احساس تک نہیں تھا مگر اب جب اتابک' شاکرہ کے بنائے کھانوں کی تعریف کرتے تو مجھے اندر ہی اندر بہت برا لگتا تھا' اتابک تو کھانے کے بلکہ اچھے کھانے کے دیوانے تھے' وقت بے وقت انہیں بھوک لگتی رہتی تھی' آدھی رات کو انہیں بھوک لگنے لگتی تھی' بھوک لگنے پر انہیں پراپر کھانا چاہئے ہوتا تھا۔ میں نے جب اتابک کو بتایا تھا کہ مجھے کھانا بنانا نہیں آتا تو وہ بے چارے حیران رہ گئے تھے' اس وقت ہماری شادی کو محض پندرہ بیس دن ہی ہوئے تھے۔

☆

موسم اچانک ہی اس روز بے حد حسین ہو گیا تھا' بادل ہر طرف سے گھر گھر کر آنے لگے تھے' اور اتابک نے اچانک ہی چائے کے ساتھ پکوڑے کھانے کی فرمائش کر دی تھی' امی' ابو کے ہمراہ کسی عزیز کے گھر عیادت کے لئے گئی ہوئی تھیں ورنہ اتابک کو مجھ سے کہنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی' ابھی امی نے مجھے کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دیا تھا' ہاں اتابک کے لئے اور اپنے لئے رات گئے چائے یا کافی ضرور بنا لیتی تھی' اتابک کی فرمائش میرے لئے غیر متوقع تھی' پہلے تو میں نے ٹالنا چاہا تھا' مگر ان کے اصرار پر مجھے یہ بتانا ہی پڑا تھا کہ مجھے کھانا نہیں بنانا آتا' اور میں ان کے حیرت زدہ انداز پر پہلی بار شاید شرمندہ ہوئی تھی' انہیں بری طرح شاک لگا تھا۔

ان کی والدہ محترمہ اور دونوں بھابیاں کھانا بنانے میں ماہر تھیں اور انہیں پوری امید تھی کہ جس قدر وہ کھانا کھانے کے شوقین تھے ان کی والدہ اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ لڑکی کو اچھا کھانا بنانا آتا ہو ان کے لئے لڑکی کا انتخاب کریں گی' مگر ان کی والدہ کی نظر انتخاب مجھ پر ٹھہری تھی' ہر ماں کی طرح شاید وہ اپنے خوبرو بیٹے کے لئے اس کی ہم پلہ لڑکی کا انتخاب کرنا چاہتی تھیں اور میری ڈھیر ساری خوبیوں میں میری خوبصورتی میرا سب سے بڑا پلس پوائنٹ تھی' ایسا میری فرینڈز کہتی تھیں' ورنہ تو اس بات کی میں پرواہ بھی نہیں کرتی تھی' ہاں شادی کے بعد جس طرح اتابک نے میرے حسن کے قصیدے پڑھے تھے مجھے کچھ کچھ اندازہ ہوا تھا کہ واقعی میں غیر معمولی خوبصورت ہوں' خیر اتابک حیران ضرور ہوئے تھے یہ جان کر کہ مجھے کھانا بنانا نہیں آتا مگر حیرت کا یہ جھٹکا کوئی سنجیدہ صورتحال اختیار نہیں کر پایا تھا' اتابک شاید واقعی مجھ سے اتنے کم دنوں میں شدید محبت کرنے لگے تھے' یا پھر انہیں چیزوں کو ایشو بنانے کی عادت نہ تھی جو بھی ہو انہوں نے مجھے پھر کبھی کچھ بنانے کے لئے نہیں کہا اور نہ ہی کبھی میری اس کمی کو ایشو ہی بنایا بلکہ انہوں نے تو کھانا بنانا سیکھنے تک کو نہیں کہا' سو مجھے بھی اطمینان ہو گیا' رسمی طور پر ایک ماہ بعد سب کی دعوت کر کے میرا ہاتھ کھیر میں بھی ڈلوا دیا گیا' میں نے صرف ایک بار کھیر میں چمچہ چلایا تھا' شکر تھا مجھے اتنی اچھی ساس ملی تھی' جنہیں میرا پورا احساس تھا' ایک دو بار انہوں نے

مجھے اتابک کی پسندیدہ ڈشز کی تفصیل اور ایک دو ڈشز کی ترکیب یونہی باتوں میں بتانی چاہی تھی مگر میرے دلچسپی نہ لینے پر وہ بے چاری خاموش ہوگئی تھیں' اب اتابک کو صرف پاکستانی کھانے پسند ہوتے تو شاید میں کھانا بنانا سیکھ بھی لیتی مگر اتابک کو چائنیز' اٹالین' انڈین کے علاوہ ایرانی' افغانی اور نہ جانے کتنی طرح کے کھانے پسند تھے' میری تو عمر ہی بیت جاتی تھی کچن میں' لہٰذا میں نے کھانا بنانا سیکھنے کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا' البتہ گھر کے دیگر کام میں نے بہ خوبی سنبھال لئے تھے' میری ساس اس پر ہی خوش تھیں' اب خود ایک بے چینی سی محسوس کرنے لگی تھی' کچھ بھی تھا اتابک کے منہ سے میں کسی بھی حوالے سے اپنے علاوہ اور کسی کی تعریف نہیں سن سکتی تھی' مگر یہ بات میں اتابک کو نہیں کہہ سکتی تھی پھر یہ بات بھی تھی کہ میں یہ سب اتابک کو کہہ بھی نہیں سکتی تھی' اتابک تو تھے بھی بے باک ہر چیز کی تعریف اپنے ہی انداز میں کھل کر کرتے تھے حالانکہ اتابک کھانے کی تعریف کرتے تھے' مگر ہوتی تو وہ شاکرہ کی ہی تعریف تھی کیونکہ کھانا شاکرہ بناتی تھی اور آج کل بس میرے دل سے دھواں ہی اٹھتا رہتا تھا۔

☆

ایک دن انجان مگر معصوم چہرے والی لڑکی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی اس کے سلام کے جواب پر میں نے اور امی نے الجھ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''آنٹی! میرا نام نشاء ہے' ہم لوگ کل ہی آپ کے برابر والے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں' آپ نہیں جانتی مجھے مگر میں آپ کو جانتی ہوں' میں نے آپ کو کل ہی دیکھ لیا تھا' ایکچولی میں نے اتابک کے پاس آپ کی تصویریں دیکھی ہیں' اصل میں' میں اتابک کی کلاس فیلو تھی ہم نے ایف ایس سی ساتھ ہی کیا تھا' ابو کا ٹرانسفر کراچی ہوگیا تھا اور میں کوکنگ کورسز کے لئے جاپان گئی تھی' میری واپسی کو تو خیر کافی عرصہ ہوگیا ہے مگر اب ابو کا ٹرانسفر واپس پشاور میں ہوگیا ہے اور اتفاق سے ہم آپ کے برابر والے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں' اتابک کو سرپرائز دینے کی وجہ سے اپنی آمد کے بارے میں نہیں بتایا' ہم دونوں کی کالج کے زمانے سے بہترین دوستی ہے''۔ وہ لڑکی بے تکلفی اور اعتماد سے بولتی جس طرح جوش و خروش اپنی اور اتابک کی بہترین دوستی کے متعلق بتارہی تھی اور پہلے ہی مقام پر مجھے اس لڑکی کے ارادے کچھ نیک نہیں لگتے تھے' اس نے مجھے دیکھ کر بھی نظر انداز کردیا تھا' مجھ سے مخاطب تک نہیں ہوئی تھی اگر وہ اتابک سے رابطے میں تھی تو اسے اتابک کی شادی کے بارے میں تو پتا ہی ہوگا مگر.......

اچھا آنٹی! میں چلتی ہوں' ارے ہاں آنٹی! یہ میں نے ایرانی پلاؤ اور مغلئی کباب بنائے تھے' اتابک کو ضرور پسند آئیں گے''۔ اس نے ان ڈشز کی طرف دھیان دلایا تھا جو وہ بیٹھتے ہوئے سینٹر ٹیبل پر رکھ چکی تھی' پھر برتن دوبارہ آکر لے جانے کا کہہ کر وہ چلی گئی' البتہ امی نے خود ہی میرا تعارف اس سے کرایا تھا' سارا دن میں اندر ہی اندر کھولتی رہی تھی' اس فضول لڑکی نے مجھے کس بری طرح نظر انداز کیا تھا۔

☆

اتابک تقریباً ساڑھے نو بجے آئے تھے اور آتے ہی بھوک بھوک کا شور کردیا تھا' امی نے خاص طور پر شاکرہ کو پلاؤ اور کباب لانے کا کہہ کر اتابک کو ان کی بہترین دوست کی آمد سے متعلق بتایا تھا' پتا نہیں وہ اس کی آمد کا سن کر اتنا خوش ہوئے تھے یا پھر ایرانی پلاؤ اور مغلئی کباب کو دیکھ کر...... مگر میں ان کی خوشی پر کھول کر رہ گئی تھی۔

''کیا بات ہے صہبا ڈارلنگ! آج چائے پلانے کا ارادہ نہیں ہے''۔ ایک واحد چیز چائے تھی جس کی فرمائش وہ مجھ سے کرتے تھے اور اب تو یہ معمول بن گیا تھا کہ چائے ان کے لئے میں ہی بناتی تھی' مگر آج میرا موڈ اتنا خراب تھا کہ چائے بنانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا

تھا' مگر ان کے کہنے پر مجھے کچن کی راہ لینی ہی پڑی تھی۔

''کیا بات ہے اتنی چپ چپ کیوں ہو؟ موڈ بھی ٹھیک نہیں لگ رہا؟'' میں چائے کا کپ اتابک کو تھما کر جانے لگی تھی جب انہوں نے میری کلائی پکڑ کر مجھے روکا تھا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے''۔ میں کچھ کہہ نہیں سکی تھی کہ کھانے کے دوران آپ نے جو نشاء نامہ سنایا تھا' اسی نے میرا موڈ آف کیا ہے۔

''اچھا! ایسی کوئی بات نہیں ہے تو یہاں بیٹھو جا کیوں رہی ہو؟'' اتابک نے کہنے کے ساتھ میری کلائی کو ہلکا سا جھٹکا دیا تھا' اور میں ان کے پہلو میں آگری تھی۔

''اتابک! آپ کو مجھ سے کتنی محبت ہے؟''

اتابک اس وقت چائے کے سپ لینے کے ساتھ مجھے پزل کرنے کا کام بھی بہ خوبی انجام دے رہے تھے اور تب ہی ان کی نگاہوں سے چھلکتی محبت دیکھ کر میرے لبوں سے سوال پھسل گیا تھا۔

''ویسے تو میں الفاظ کا استعمال کرکے بھی تمہارے سوال کا جواب دے سکتا ہوں' مگر یار! میں لفظی جمع خرچ سے زیادہ عمل پر یقین رکھتا ہوں''۔ اتابک چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر معنی خیزی سے بولے تھے۔

''اتابک! میں سنجیدہ ہوں''۔ میں نے خفگی دکھا کر انہیں جواب دینے پر مجبور کیا تھا۔

''میں بھی سنجیدہ ہوں''۔ وہ کہاں باز آنے والوں میں سے تھے۔

''اتابک! بتائیں ناں؟'' مجھے ہر صورت جواب سننا تھا اور میرے اصرار پر انہیں بھی جواب دینا ہی پڑا تھا۔

''ظاہر ہے اپنی جان سے ہر کوئی محبت کرتا ہے' اب کم یا زیادہ کا پیمانہ تو محبت ناپنے کے لئے بنا نہیں ہے اب تک''۔ انہوں نے محبت کے خوشبو سے گندھے ہوئے لہجے میں کہا تھا مگر مجھے ان کے جواب سے کسی طور پر اطمینان حاصل نہیں ہوا تھا' خطرے کا سائرن پتا نہیں کیوں مجھے اپنے سر پر بجتا سنائی دے رہا تھا' جبکہ اتابک کی بے باکیاں ہمیشہ کی طرح مجھے خود میں سمٹنے پر مجبور کرگئی تھیں۔

☆

''صہبا! یہ محترمہ کون تھیں......؟'' شاہینہ بھابی ڈرائیور کے ساتھ آگئی تھیں اور اندر آتے ہی نشاء کے متعلق سوال کیا تھا جسے انہوں نے گیٹ سے نکلتی کار میں دیکھا تھا' وہ اکیلی نہیں تھی بلکہ اتابک بھی اس کے ہمراہ تھے۔

''وہ نشاء ہے ہماری نیبر اور اتابک کی فرینڈ اسے کہیں جانا تھا اس کی کار خراب ہوگئی ہے اور اس کے والد گھر پر نہیں تھے لہٰذا اتابک کے ساتھ گئی ہے وہ اسے ہاسپٹل جاتے ہوئے ڈراپ کردیں گے''۔ میں نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

''ویسے ہے بہت خوبصورت''۔ بھابی کی بات پر میں نے چونک کر دیکھا تھا ان کی طرف۔

''اتابک کی دوست ہے...... ویسے اتنی ٹف جاب اور شادی کے بعد لڑکیوں سے دوستیاں نبھانے کا ٹائم نکال لیتے ہیں تمہارے ڈاکٹر صاحب......؟'' بھابی نے صرف مذاق میں کہا تھا مگر مجھے جو دھڑکا لگا رہتا تھا' بھابی کی بات پر میرا دل بالکل خاموش ہوگیا تھا ایک پل کے لئے' حالانکہ ان کی اور بہت سی فرینڈز بھی تھیں مگر وہ کسی سے اس درجہ بے تکلف نہیں تھے اور یہ نشاء تو جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسی چلی آرہی تھی۔

''تم سناؤ کیسی ہو؟'' بھابی نے مجھے سوچوں کے جنگل سے نکالا تھا۔

''ہاں! ٹھیک ہوں''۔ دل کی ہزار خواہش پر بھی میں بھابی کو اپنے خدشوں کے بارے میں نہیں بتا پائی تھی۔

''نشاء تم کوئی ریسٹورنٹ کیوں نہیں کھول لیتی؟'' ایک دن میں نے طنز میں جل کر کہا۔

''رئیلی...... میں ضرور کھول لیتی مگر مجھے سب کے لئے نہیں صرف ایک بندے کے لئے کھانا بنانا پسند ہے اور اسی کے منہ سے تعریف سننا اچھا لگتا ہے اور ایک بات بتاؤں یہ سب میں نے سیکھا بھی اس کے لئے ہی ہے''۔ وہ اسٹائل سے بولی تھی۔ میں بس خار کھا کر رہ گئی تھی۔

''یقیناً وہ تمہارے ہونے والے مجازی خدا ہوں گے' جن کے لئے تم نے یہ سب سیکھا ہے' ویسے منگنی ہو چکی ہے تمہاری......؟'' میں نے خوب جما کر پوچھا تھا۔

''نہیں بھئی منگنی تو نہیں ہوئی مگر شادی تو ہوگی ناں''۔ جواب عجیب سے معنی خیز انداز میں دیا تھا۔

''کیا مطلب......؟'' میں اٹک کر بولی تھی۔

''مطلب صاف ہے' میرا بیسٹ فرینڈ اتابک جو ہمیشہ سے اچھے کھانے کا شوقین ہے اسی کے لئے میں نے یہ سب سیکھا ہے''۔ بے باکی اور اعتماد سے دیئے گئے جواب نے میرے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا کہنا چاہتی ہو تم......؟'' سب سمجھ کر میں نے بھڑک کر پوچھا تھا۔

''ایک تو تم بہت معصوم ہو بھئی چاہے تو تم اتابک سے پوچھ لو میں نے اس کے لئے ہی اتنی لگن سے کوکنگ سیکھی ہے' ورنہ بتاؤ مجھے بھلا کیا ضرورت ہے کچن کے کاموں میں سر کھپانے کی' ایک درجن سے زیادہ ملازم موجود ہیں میرے گھر میں' مگر اتابک کے لئے میں اپنے ہاتھ سے کوکنگ کرتی ہوں' مما اور پاپا کے منع کرنے کے باوجود''۔ وہ کیا کہہ رہی تھی میری زبان اس کے سامنے گنگ ہو چکی تھی۔

''آفٹر آل میں اس سے محبت کرتی ہوں''۔ آخر میں کچھ توقف کے بعد اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا' اور پھر وہ رکی نہیں تھی بلکہ ایک گہری مسکراہٹ سے مجھے نوازتی چلی گئی تھی' اس کے جانے کے بعد اس کی باتیں میرے کانوں میں گونجتی رہی تھیں' وہ اگر خوبصورت تھی تعلیم یافتہ تھی تو خوبصورت اور تعلیم یافتہ تو میں بھی تھی' گھر کے کاموں میں کچن کو چھوڑ کر مجھے سب میں دلچسپی تھی اور شاید نشاء کی طرح اس سب میں کوئی غرض بھی شامل نہیں تھی میں اپنے ہی گھر میں آزادی رہتی تھی' ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے کی مجھے عادت نہیں تھی اور میں نے جس طرح گھر کو سجایا اور سنوارا تھا سب میری تعریف کرتے تھے' اس کے علاوہ میں ہمیشہ سے اپنے کپڑے خود ڈیزائن کرتی تھی پھر میری کزنز اور بھابی کے علاوہ اتابک کی کزنز اور بھابیاں بھی میری مداح تھیں' وہ سب مجھے سراہتی تھیں' اور اتابک بھی اس معاملے میں میری تعریف کیا کرتے تھے' میں کسی طرح نشاء سے کم نہیں تھی جو اس کے ارادوں سے خوفزدہ ہوتی اعتماد کی کمی مجھ میں بھی نہیں تھی جو اس کی چیلنج کرتی اداؤں سے ڈر جاتی مگر ایک مقام ایسا تھا جہاں صرف نشاء چھائی ہوئی تھی اور وہ تھا کچن' وہ ایک ماہر ڈگری یافتہ کک تھی جبکہ میں......؟ اتابک اس کے بنائے گئے کھانوں کے گرویدہ تھے اور وہ اپنی اداؤں سے نہ ہی مگر اپنے ہنر سے ضرور اتابک کا دل اپنی طرف مائل کر سکتی تھی اور بھابی جو کہتی تھیں۔

''مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے''۔ میں جو لان میں لمبے لمبے چکر لگا رہی تھی اس سوچ پر آ کر میرے قدم رک گئے تھے' رات کے اس پہر جب سب آرام سے سو رہے تھے میں ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ سوچ رہی تھی' نشاء کی آنکھوں میں موجود تاثرات مجھے بھول نہیں رہے تھے وہ بھی تو اس بات سے واقف تھی کہ مجھے کھانا پکانا نہیں آتا' وہ اس میدان کی گولڈ میڈلسٹ کھلاڑی تھی اور میں بالکل اناڑی۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ شل ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

نشاء کو یہاں آئے تین ماہ ہو گئے تھے اور اب یہ معمول بن گیا تھا کہ یہاں اتابک کی کار گیٹ کے اندر داخل ہوتی وہیں وہ محترمہ ہاتھ میں ڈش لئے آ موجود

ہوتیں' اور پھر دونوں کی دیر تک محفل جمتی ان دنوں مجھے سخت غصہ آنے لگا تھا کبھی خود پر اور کبھی اتابک پر...... اور کبھی کبھی تو مجھے لگتا تھا کہ اتابک مجھ سے دور ہو رہے ہیں اور ان ہی دنوں جب میں اپنی الجھنوں میں گرفتار تھی' امی اور ابو کا نام حج زائرین میں آ گیا تھا' ویسے بھی وہ اپنے تمام فرائض سے سبکدوش ہو چکے تھے امی اور ابو کا ارادہ تھا کہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد کچھ عرصہ اتابک کے بڑے بھائی زرک لالہ کے پاس ٹھہریں گے وہ پچھلے سال ہی جدہ سے مدینہ منورہ میں شفٹ ہوئے تھے حج زائرین کے لئے جانے والی پہلی فلائٹ سے ہی ابو اور امی ہم دونوں کو ڈھیر ساری نصیحتیں کر کے روانہ ہو گئے تھے' اب میں تھی اور میری سوچیں۔ اتابک ہاسپٹل سے آتے تو نشاء پیچھے ہی پہنچ جاتی امی ابو کی غیر موجودگی میں اتابک نائٹ ڈیوٹیز پر نہیں جا رہے تھے اور اس کے لئے امی نے ہی تاکید کی تھی وہ واقعی میری بہت فکر کرتی تھیں۔

☆

امی اور ابو کے سعودی عرب روانہ ہونے کے دو دن بعد ہی اتابک کے دوسرے نمبر والے بھائی فلک لالہ اپنی فیملی سمیت آ گئے تھے اور اس سرپرائز پر اتابک سے زیادہ میں خوش ہوئی تھی' ان کی بیوی انوشے بھابی بالکل شاہینہ بھابی کی جیسی عادت واطوار کی مالک تھیں' ایک پیاری سی تین سالہ بیٹی زرگل تھی جو بالکل باربی ڈول لگتی تھی' فلک لالہ اور انوشے بھابی صرف ہماری شادی کے بعد ایک بار ہی آئے تھے وہ بھی ایک ہفتے کے لئے اور اب ان کا ارادہ بقرہ عید کے بعد جانے کا تھا۔

''بھابی! یقین کریں آپ کے آنے سے مجھے کتنا اطمینان ہوا ہے ورنہ میں تو یہ سوچ سوچ کر ہول رہی تھی کہ امی اور ابو کے بغیر اتنے بہت سے دن کیسے گزریں گے' مجھے اکیلے رہنے کی بالکل عادت نہیں ہے''۔ میں کئی بار کی دہرائی ہوئی بات پھر دہرا رہی تھی۔

''حالانکہ آج کل کی لڑکیاں ساس سسر کے جانے پر شکر ادا کرتی ہیں اور یہ پہلی لڑکی ہے جو ان کے جانے سے اداس تھی' دو دن سے محترمہ کی آواز سننے کو ترس گیا تھا میں' لگ رہا تھا جاتے ہوئے امی ابو اس کی زبان بھی اپنے سامان میں رکھ کر لے گئے ہیں' شکر ہے آپ لوگ آ گئے''۔ مجھے خوش دیکھ کر اتابک کو بھی اطمینان ہوا تھا' اور پھر فلک لالہ تو واپس چلے گئے تھے اور انوشے بھابی اور زرگل کو چھوڑ گئے تھے خود ان کا ارادہ عید سے ایک دو دن پہلے آنے کا تھا' انوشے بھابی نے آتے ہی سب سے پہلے شاکرہ کو چھٹی پر بھیجا تھا' انہیں کچن میں خود کام کرنا پسند تھا اور یہاں وہ ملازموں کی مداخلت کی بالکل قائل نہیں تھیں' وہ کچن کا چارج خود سنبھال چکی تھیں' گھر کے بیشتر کاموں کی ذمہ داری بھی خود لے لی تھی' فارغ بیٹھنا انہیں آتا ہی نہیں تھا اور پھر میں بھی سوائے کچن کے کاموں کے ان کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی۔

''صبا! نشاء کچھ زیادہ ہی اتابک کے آگے پیچھے نہیں گھومتی؟'' تین دن میں بھابی نے نوٹس کر لیا تھا اسے' پھر کیا اتابک کو خود یہ بات نظر نہیں آ رہی تھی؟ میں اس خیال سے جل کر رہ جاتی تھی' اس سے پہلے کہ میں بھابی کو کوئی جواب دیتی' اتابک چلے آئے تھے اور تھوڑی دیر بعد نشاء میڈم بھی ہاتھ میں ڈش لئے آ گئی تھیں۔

''بھابی! یہ میں نے چائنیز بنائی تھی' اتابک کی فیورٹ ہے ناں؟'' میں بھی کچن میں موجود تھی مگر اس نے مجھے نظر انداز کر کے انوشے بھابی کو مخاطب کیا تھا جو مچھلی پر مصالحہ لگا رہی تھیں۔

''ہاں پسند تو ہے' مگر آج گھر میں بھی کافی کچھ اس کی پسند کا ہی بنا ہے' تم نے خواہ مخواہ زحمت کی''۔ انوشے بھابی کا جواب نشاء کے ساتھ ساتھ مجھے بھی حیران کر گیا تھا' اس خاندان کے افراد میں کوئی اتنا بے مروت نہیں تھا جو کسی کو اس طرح جواب دیتا۔

''وہ دراصل میں نے بنائی تو سوچا چلو اتابک کے

لئے بھی لے چلوں"۔ میں نے پہلی بار نشاء کو گڑبڑاتے دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے رکھ دو"۔ بھابی نے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا تھا اور پھر خاموش ہوگئی تھیں میں اور نشاء تو یوں بھی آپس میں بات نہیں کرتے تھے۔

"بھابی! وہ اتابک آ گیا کیا؟ مجھے اس سے کام تھا"۔ معصوم صورت پر اس کا یوں بننا جائز تھا' اگر میں اس سے واقف نہ ہوتی اور بھابی ان تین دنوں میں اس کو نوٹس نہ کر چکی ہوتیں تو ضرور ہی یقین کرلیتیں کہ وہ اتابک کی آمد سے بے خبر ہے۔

"ہاں آ گیا ہے مگر فی الحال آرام کر رہا ہے' تمہیں جو بھی کام ہے کل کہہ دینا' وہ ابھی آیا ہے"۔ بھابی کا انداز سیدھے سیدھے اسے چلتا کرنے والا تھا اور وہ بھی پھر چلی گئی تھی۔

"دیکھ لو گڑیا! یہ تمہارے لئے ایک ٹرائل تھا اس طرح کے لوگوں کو ایسے ہی ہینڈل کرتے ہیں"۔ میں جو ہونقوں کی طرح بھابی کو دیکھ رہی تھی' میری صورت کو دیکھ کر بھابی نے مسکرا کر کہا تھا۔

☆

"اب بتاؤ مجھے' یہ چکر کب سے چل رہا ہے؟"

اگلے دن اتابک کے ہاسپٹل جانے کے بعد تمام کاموں سے فارغ ہوکر میں اور بھابی ٹی وی لاؤنج میں کافی کے مگس کے ساتھ آ بیٹھے تھے۔ بھابی کے دریافت کرنے پر میں نے نشاء کی آمد سے لے کر اتابک کی سالگرہ والے دن تک جو باتیں ہم دونوں کے درمیان ہوئی تھیں وہ تفصیل سے بتادی تھیں۔

"بہت عقلمند ہے یہ لڑکی...... وہ جانتی ہے اتابک کوئی عام دل پھینک لڑکا نہیں ہے اس لئے اسے متاثر کرنے کی کوشش کر رہی ہے"۔

"بھابی! اتابک کی وہ ویسے بھی پرانی دوست ہے' اتابک اس کی اور اس کے بنائے ہوئے کھانوں کی تعریفیں کرتے ہیں' کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے ایک دن اس کا جادو اتابک پر چل ہی جائے گا' بلکہ کیا معلوم چل بھی گیا ہو"۔ میں کب سے دل میں موجود خدشے آج زبان پر لے ہی آئی تھی' بھابی میری بات سن کر بھی خاموش ہی رہی تھیں۔

"بھابی! آپ بتائیں نہ میں کیا کروں؟ ہر وقت دل میں ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے نشاء کے ارادوں نے میری نیندیں اڑادی ہیں' اتابک سے اس لئے کچھ نہیں کہا کہ پتا نہیں کیا سوچیں کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں ان پر شک کر رہی ہوں' حالانکہ اتابک پر مجھے یقین ہے مگر بھابی مرد دوسری شادی بھی تو کرتے ہیں"۔ عجیب عجیب وسوسے مجھے ستاتے رہتے ہیں۔

"چلو ایک عقلمندی تو تم نے کی ہے کہ اتابک سے تم نے کچھ پوچھا نہ اسے کہا' یہ اتابک کا دھیان نشاء کی طرف خود سے مبذول کرنے والی بات ہوتی' ویسے تم آٹھ نو ماہ میں ہی اتنے وسوسوں کا شکار ہوگئی ہو' بہت بے وقوف ہو اتابک کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک تمہارا حسن جہاں سوز ہی کافی ہے' پھر تمہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔ بھابی نے اس کی فکرمند صورت دیکھ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

"بھابی! آپ کو نہیں پتا' میں تصور بھی نہیں کرسکتی کہ اتابک میرے علاوہ کسی اور سے محبت کریں' ان کی زبان سے کسی اور کا نام سننا ہی مجھ پر گراں گزرتا ہے اور اگر واقعی میں نے انہیں کھو دیا تو......؟ بھابی' میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گی"۔ مجھے پتا نہیں کیا ہوا تھا' میں بری طرح رو پڑی تھی۔

"اتابک تو بہت خوش نصیب ہے جو اسے اتنی پیار کرنے والی بیوی ملی ہے اور ایسی بیوی کے ہوتے ہوئے کوئی بدنصیب ہی ہوگا جو کسی اور کی طرف دیکھے گا"۔ بھابی کے کہنے کے ساتھ مجھے اپنے گلے لگایا تھا اور بھابی کے دلاسے بھرے الفاظ سن کر میں بھی چپ ہوگئی تھی۔

"ٹھیک ہے صبا! پھر وہ ہتھیار جو اس محبت کی

جنگ میں نشاء استعمال کر رہی ہے' اس سے تمہیں بھی لیس ہونا پڑے گا تب ہی یہ خوف تمہارے دل سے نکل سکے گا"۔ بھابی نے مجھے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"کونسا ہتھیار......؟" میں نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا تھا۔

"تمہیں کھانا پکانا سیکھنا پڑے گا' جب نشاء اپنی صحبت کے لئے ایسا کرسکتی ہے تو تم کیوں نہیں اپنے محبوب شوہر کے لئے کھانا نہیں سیکھ سکتیں؟ تم ویسے بھی ذہین ہو' بس ذرا سے دھیان کی ضرورت ہے تم جلد ہی سیکھ بھی جاؤ گی"۔ بھابی جانتی تھیں کچن کے نام سے ہی میری جان جاتی ہے تب ہی سمجھا رہی تھیں۔

"مگر یہ بات تو اس روز سے میں بھی سوچ رہی تھی جب نشاء نے کہا تھا کہ اس نے کھانا پکانا صرف اتابک کے لئے سیکھا ہے"۔ مجھے اپنے آپ سے شرمندگی ہو رہی تھی کہ اگر مجھے کھانا بنانا آتا نہیں تھا تو میں نے سیکھنے کی کوشش تک نہیں کی تھی' اگر اتابک مجھے کہتے نہیں تھے تو کیا میرا اپنا کوئی فرض نہیں تھا' مگر اب مجھے بھی لگ رہا تھا کہ مجھے اس میدان میں اترنا ہی پڑے گا' میں پچھتانا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی اتابک کو کھونا چاہتی تھی' میں نے اثبات میں سر ہلادیا تھا اور بھابی نے میرے ہاتھ تھام کر مجھے حوصلہ دیا تھا۔

☆

گزرتے دنوں میں میرا وقت بھابی کے ساتھ کچن میں گزرنے لگا تھا' اتابک تو ہاسپٹل گئے ہوتے تھے اور پھر رات گئے ہی ان کی واپسی ہوتی تھی' بھابی کا انداز اتنا زیادہ دلچسپ تھا سکھانے کا کہ مجھے بالکل بوریت نہیں ہوتی تھی ورنہ کچن میں کام کرنا مجھے بے حد بور کام لگتا تھا' بھابی تو ماہر کک تھیں' اب رات کے کھانے میں ٹیبل پر میرے ہاتھ کی ایک دو آسان سی ڈشز بھی موجود ہوتی تھیں جو اتابک کی پسندیدہ ہوتی تھیں' مگر اتابک کو ان سب باتوں سے بے خبر ہی رکھا گیا تھا' نشاء کا آنا بھابی کے دوٹوک رویئے کی وجہ سے کم ہوگیا تھا' وہ نشاء کو اس طرح تنبیہہ کرتی تھیں کہ وہ جز بز ہوکر رہ جاتی تھی اور کچھ کہہ بھی نہیں پاتی تھی۔

عید الاضحیٰ سے چند دن پہلے اتابک قربانی کے لئے بکرے بھی لے کر آئے تھے اور اب اپنی ٹف روٹین کے باوجود خود دل و جان سے ان کی دیکھ بھال بھی کر رہے تھے میں نے دیکھا تھا کہ اتابک مذہبی فرائض نہایت خوش اسلوبی اور جوش و خروش سے ادا کرتے تھے۔

میں اب کافی کچھ بنانا سیکھ چکی تھی جس میں بھابی کی محنت کے ساتھ ساتھ میری لگن اور محبت بھی شامل تھی' وہ محبت جو میں اتابک سے کرتی تھی۔

☆

قریبی مسجد سے امام صاحب کے خطبے کی بے حد صاف آواز آ رہی تھی اور دل میں ایک خوبصورت روح پرور احساس جاگا تھا کہ اپنے مذہب کی راہ اپنے مذہب دین اسلام کی راہ میں یہ قربانی تو کیا اپنی جانوں کی قربانی بھی اگر دینا پڑی تو انشاء اللہ بلا ہچکچاہٹ اللہ عزوجل کی خوشنودی اور سنت ابراہیمؑ کی پیروی میں اپنی جانیں بھی قربان کردیں گے۔

عید کے دن تمام امت مسلمہ نے قربانی کا مبارک فریضہ انجام دیا تھا اور ہم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل تھے' بس دل سے دعا تھی کہ اللہ تمام مسلمانوں کی قربانی قبول فرمائے تمام مسلمانوں کا حج قبول و مقبول فرمائے' آمین۔

قربانی کے بعد گوشت کی تقسیم کا مرحلہ تھا اور اتابک اور فلک لالہ نے اس سلسلے میں بھی رشتے داروں اور عزیز و اقارب کے ساتھ غریبوں اور محتاجوں کے حصے کا خصوصیت سے خیال رکھا تھا' کھاتے پیتے صاحب نصاب' صاحب حیثیت رشتے داروں کو زیادہ حصہ دینے کے بجائے وہ لوگ جو اس مہنگائی کے دور میں گوشت خریدنا افورڈ نہیں کرسکتے ان کا خیال رکھنا ہی

دراصل ہمارا فرض ہے یہ نہیں کہ اپنے رشتے داروں کی ناراضگی کا خیال کر کے یا پھر ان پر اپنی دھاک بٹھانے کے لئے انہیں تو زیادہ زیادہ بھجوادیا جائے اور جو بچے وہ اپنے ڈیپ فریزر میں استعمال کے لئے رکھ لیا جائے‘ اس غلط طرز عمل کے بجائے اتابک اور فلک لالہ نے اپنا حصہ بھی غریبوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس اقدام سے مجھے بھی دلی سکون ملا تھا‘ میرے میکے میں بھی سب کی سوچ اتابک اور فلک لالہ جیسی ہی تھی۔

شام کو ٹیبل بھی بڑے اہتمام سے میں نے ہی سجائی تھی اور اتنا اہتمام دیکھ کر اتابک اور فلک لالہ دونوں نے حیرت کے ساتھ تعریف بھی کی تھی دونوں ہی لاعلم تھے کہ یہ میرا کارنامہ ہے‘ میرا ارادہ کھانے کے بعد اتابک کو بتانے کا تھا سب کچھ ٹھیک ہی تھا اور تبھی نشاء چلی آئی بڑی سی ٹرے تھامے۔

”ارے واہ نشاء! بالکل وقت پر آئی ہو تم...... بھابی کے بنائے ہوئے کھانے کے ساتھ ساتھ تمہارے ہاتھ کی نہاری اور روسٹ تو کھانے کا مزہ ہی دوبالا کر دیں گے“۔ اتابک نے خوش دلی سے کہا تھا۔ بھابی بتانا چاہتی تھیں کہ وہ کھانا انہوں نے نہیں بنایا مگر میں نے اشارے سے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا اب میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اتابک کو یہ بتاؤں‘ ساری خوشی ساری ایکسائٹمنٹ ختم ہو چکی تھی اور میرا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد برتن سمیٹ کر جب ہم دونوں کچن میں آئیں تو بھابی نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

”یہ کیا حرکت تھی کیوں نہیں بتایا کہ یہ ساری محنت تم نے کی ہے حالانکہ اتابک کو کھانا کتنا پسند آیا تھا‘ مگر تم نے......“

”بھابی! کیا فائدہ آپ نے دیکھا کہ وہ نشاء کو دیکھتے ہی خوش ہو گئے تھے“۔ میں سخت بدگمان تھی۔

”مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اس طرح منہ پر بارہ بجا کر بیٹھ جاؤ‘ کم از کم اسے بتاؤ تو اور اگر تم نہیں بتانا چاہتی تو یہ بتاؤ‘ میں تو ضرور بتاؤں گی“۔ اور پھر بھابی نے میرے سیدھے منع کرنے کے باوجود اتابک کو بتا دیا تھا‘ فلک لالہ نے تو خیر مجھے انعام کے پانچ ہزار دیئے تھے اور میں ان کا شکریہ ادا کر کے خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی‘ اتابک کی حیران نظریں مجھے بدمزہ کر گئی تھیں۔

⟡......☆......⟡

”اور تم مجھ سے اتنی بدگمان تھیں“۔ میرے جانے کے بعد فلک لالہ بھی سونے کے لئے چلے گئے تھے اور بھابی نے اتابک کو بغیر کسی بات کی پرواہ کئے کافی کچھ بتا دیا تھا‘ خصوصاً میرے جذبات اور اب اتابک کمرے میں آ کر سنجیدگی سے میرے نزدیک بیڈ پر بیٹھے ہوئے بھابی کی بتائی ہوئی باتیں میرے گوش گزار کرنے کے بعد میری خاموشی پر بولے تھے۔

”اور کیا مجھے بدگمان نہیں ہونا چاہئے تھا؟“ میں نے رنجیدگی سے دریافت کیا تھا۔

”کیا تمہیں میری محبت پر یقین نہیں تھا؟“ انہوں نے الٹا سوال پوچھ کر مجھے شرمندہ کر دیا تھا۔

”تھا مگر...... مگر مجھ میں جو کمی تھی اس نے مجھے ایسا سوچنے پر مجبور کیا“۔ میں نے آسانی سے اصل بات بتا دی تھی۔

”بہت ہی معصوم اور کسی حد تک بے وقوف ہو تم...... اگر مجھے نشاء میں دلچسپی ہوتی تو میں شادی کے لئے لڑکی منتخب کرنے کا اختیار اپنے والدین کو ہرگز نہ دیتا اور اپنی مرضی سے نشاء سے شادی کر لیتا اور میرے والدین یقیناً میری خوشی میں خوش اور مطمئن ہو جاتے‘ مگر مجھے نشاء میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ میری دوست ہے صرف دوست‘ میں ہمیشہ سے جانتا ہوں کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے‘ مگر میں نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہاں البتہ اس سے دوستی بھی ختم نہیں کی وہ میری دوست ہے اس لئے میں اس سے برا برتاؤ نہیں کر سکتا‘ پھر مجھے یقین ہے کہ جب کوئی اسے مخلص

ساتھی مل جائے گا تو وہ مجھے بھول جائے گی‘ مگر مجھے نہیں پتا تھا کہ بظاہر اتنی سمجھدار نظر آنے والی میری اتنی پیاری بیوی اتنی جلدی مجھ سے بدگمان ہو جائے گی‘ میری محبت کی تمام تر شدتوں کو جاننے کے باوجود“۔ وہ خشمگیں نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بول رہے تھے اور ان کی وضاحت نے مجھے شرمندہ کر دیا تھا۔

”آئی ایم سوری......“ میں نے اپنے دونوں کان پکڑ کر فوراً اپنی غلطی پر معافی مانگی تھی۔

”اٹس او کے ڈیئر! مگر دیکھو آئندہ مجھ پر اور میری محبت پر پورا بھروسہ رکھنا‘ ویسے بھی میں نے تمہیں تمہاری خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ قبول کیا ہے‘ اس لئے کبھی خود کو کسی سے کم سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے“۔ انہوں نے مجھے خود سے قریب کیا تھا۔

”ویسے تو مجھے پتا تھا میری شرمیلی بیوی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے مگر اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ اب ہوا ہے کہ تم نے میری محبت میں اتنا بڑا میدان اتنی آسانی سے مار لیا‘ یعنی کھانا بنانا سیکھ لیا وہ بھی اتنا زبردست...... مجھے مزید اپنا دیوانہ بنانے کا انتظام تم نے خود ہی کر لیا ہے‘ اس سب میں میرا تو چلو بھلا ہو گیا“۔ وہ شرارت آمیز شوخی سے بولے تھے۔

”ہاں مگر اس خوش امیدی میں مت رہیئے گا کہ روزانہ آپ کو اس قسم کا کھانا بنا کر کھلاؤں گی جیسا آج بنایا تھا“۔ میں نے شرارت سے مسکرا کر کہا تھا۔

”کوئی بات نہیں میرا گزارا تو پہلے بھی چل رہا تھا آگے بھی چلتا رہے گا اس معاملے میں کبھی شکایت نہیں کروں گا‘ مگر ایک چیز پر کبھی کمپرومائز نہیں کروں گا“۔ اتابک نے مجھے تادیبی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

”کس پر......؟“

”یہی کہ تم میری محبت پر شک کرو‘ مجھ سے خفا ہو‘ کبھی مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دو یا پھر وہ محبت جو تم مجھ سے کرتی ہو اس میں کمی کرو“۔

”یہ ایک چیز ہے......“ ایک چیز میں کمپرومائز نہ کرنے کا کہہ کر ان کی اتنی لمبی لسٹ بتانے پر میں بوکھلا گئی تھی۔

”جی ہاں ان سب کا تعلق میری ذات سے ہے لہٰذا یہ ایک ہی چیز ہے جس پر میں کبھی کمپرومائز نہیں کر سکتا“۔ اتابک نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔

”آئندہ ہمارے درمیان میں کوئی بدگمانی کوئی شک نہیں ہوگا‘ جس طرح آپ نے مجھے میری خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کیا ہے‘ میں بھی ہمیشہ آپ کی خوشی کا خیال رکھنے کی کوشش کروں گی اور کوشش کروں گی کہ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو“۔ میں نے مسکرا کر اپنے دل کی مکمل سچائی کے ساتھ ان کو یقین دلایا تھا۔

”مجھے تو تم سے بہت سی شکایتیں ہیں‘ پہلے انہیں تو دور کر دو“۔ ان کا لہجہ خمار آلود ہوا تھا۔

”فلک لالہ نے تو تمہیں انعام میں پانچ ہزار دیئے ہیں میں کیا دوں تمہیں انعام کے طور پر آخر اتنا اچھا کھانا بنایا تھا تم نے“۔ انہوں نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

”صرف اپنی محبت“۔ میرا جواب مختصر مگر خوبصورت تھا۔

”وہ تو میں ہمہ وقت دینے کو تیار رہتا ہوں“۔ اتابک نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا‘ مجھے پتا تھا اب وہ میری نہیں سننے والے‘ میرا دل مطمئن ہو چکا تھا‘ میں نے اتابک کے لئے ان کی محبت میں کھانا بنانا سیکھ لیا تھا‘ وہ کام جس میں میری دلچسپی نہیں تھی نہ ہی جس کا مجھے شوق تھا مگر...... محبت میں تو سوہنی گھڑے پر دریا پار کر لیتی تھی پھر یہ تو بڑی معمولی سی بات تھی‘ اتنا تو میں اتابک کی محبت میں کر ہی سکتی تھی‘ میں نے بھی آخر اتابک کے دل کا راستہ ڈھونڈ ہی لیا تھا۔

”دل میں آ کر ہی میں نے ڈھونڈا تھا
دل کا رستہ بھی دل کی منزل بھی“

⟡......☆......⟡

نائلہ طارق

قسط نمبر 13۔

سلسلے وار ناول

سانس سرکش اور سکوت

پیر کو حرکت دیتی وہ درد کا اندازہ لگا رہی تھی جب سیل فون نے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

''سب یہاں موجود ہیں اور تم کمرے میں بند ہو' کچھ اچھا نہیں لگ رہا مجھے یہاں''۔ ابھرتی آواز پر وہ



مسکرائی تھی۔

''اچھا ہوا ناں..... تم تو چاہتے ہی نہیں تھے کہ میں کسی کی نظر میں نہ آؤں''۔ وہ یاد دلا رہی تھی۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے''۔ وہ فوراً ہی بولا تھا۔

''درد اگر کم ہوا ہے تو پلیز آ جاؤ' میں بھائی کو تمہارے پاس بھیجوں؟''

''ہرگز نہیں' میں کیسے آؤں گی' درد کم ہے لیکن میں ٹھیک طرح چل نہیں پا رہی' خوامخواہ سب کے سامنے شرمندگی ہوگی''۔ وہ فوراً انکار کر گئی تھی۔

''شرمندگی کی اس میں کیا بات ہے' سب کو معلوم ہے یہاں تمہاری تکلیف کا' بس آ جاؤ تم''۔ اس کے لہجے میں اصرار تھا۔

''ٹھیک ہے میں اس حالت میں آ جاتی ہوں مگر شرط یہ ہے کہ تم مجھے لینے آؤ''۔ وہ اطمینان سے بولی تھی۔

''میں..... میں کیسے آ سکتا ہوں؟'' وہ دنگ ہوا تھا۔

''کیوں..... تم کیوں نہیں آ سکتے' دنیا کے سامنے میرے پاس آتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے..... یا پھر اتنی



ہمت نہیں کہ مجھے یہاں سے اٹھا کر اپنے خاندان کے درمیان لے جاؤ“۔اس کے انتہائی تلخ لہجے پر دوسری جانب چندلمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی تھی۔

”تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اپنے بھائی کے علاوہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے‘ مگر اب تم تک آنے کے لیے مجھے ان کا بھی کوئی خوف نہیں ہے‘ مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ تمہیں اٹھا کر اس محفل میں لے آؤں‘ اپنے اس فعل پر میں سر اٹھا کر سب کا سامنا کر سکتا ہوں اس کے بعد حالات جو بھی ہوں مجھے ان کی بھی پرواہ نہیں ہے‘ میں بھی اب مزید خود پر بند نہیں باندھ سکتا“۔اس کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی‘ مزید کچھ کہنے سنے بغیر وہ لائن ڈسکنیکٹ کر گیا تھا۔ایک پل کے لیے تو وہ بالکل ہی ساکت ہوگئی تھی مگر اگلے ہی پل پیر کی تکلیف بھلائے کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا جب اس نے شیث کو جارحانہ اور تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیوں کی سمت آتے دیکھا تھا وقت ضائع کیے بغیر وہ اپنے کمرے میں جا کر دروازہ لاک کر چکی تھی‘ دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ وہ بند دروازے سے لگی لحظہ بہ لحظہ قریب آتے قدموں کی دھمک سن رہی تھی۔

”دروازہ کھولو سارہ! اس طرح چھپ کیوں گئیں‘ مجھ میں ہمت بھی ہے اور میرے بازوؤں میں اتنی طاقت بھی کہ تمہیں اٹھا کر اپنے خاندان کے درمیان لے جا سکوں“۔منہ پر ہاتھ رکھے وہ سن کھڑی ابھرتی آواز کو سن رہی تھی اس کے لہجے میں نہ کوئی غصہ تھا نہ ہی اس کے لہجے میں کوئی سختی یا ناگواری تھی مگر کچھ تھا جسے محسوس کرتے ہوئے پسینے میں شرابور ہونے لگی تھی۔

”تم مجھ پر بھروسہ رکھو سارہ! میں واقعی آج سب کچھ سب کے سامنے لے آنا چاہتا ہوں“۔اس کے لہجے میں اصرار تھا عاجزی تھی۔سانس روکے وہ ساکت کھڑی تھی‘ پتا نہیں اور کتنی دیر تک وہ دروازے پر دستک دیتا رہا تھا اس کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔

”تمہیں سرعام گولیوں سے چھلنی کرنا چاہیے سارہ! کس طرح تم اس انسان کو ذہنی طور پر تارچر کرتی ہو جس سے محبت کا دعویٰ تمہارا دل کرتا ہے“۔نم آنکھوں کے ساتھ خود کو برا بھلا کہتی وہ سر پکڑ کر رہ گئی تھی تب ہی باہر سے ابھرتی آوازوں کے ساتھ اسے دستک کی آواز آئی تھی۔عرق آلود پیشانی پر ہاتھ پھیرتی وہ اٹھی تھی‘ باہر سب لڑکیاں اسے آواز دے رہی تھیں‘ ایک گہرا سانس لے کر بمشکل چہرے پر مسکراہٹ کھینچ کر لاتے ہوئے اس نے دروازہ کھول دیا تھا۔

............☆☆☆☆☆............

سب لڑکیوں کے ہمراہ باہر آتے ہوئے اس نے چور نگاہوں سے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی جو فی الوقت تو اسے کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ساری فیملیز ہی کھانے پر مدعو تھیں لہٰذا گراؤنڈ میں ہی سارا انتظام کیا گیا تھا۔تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ٹیبلز کرسیاں لگائی گئی تھیں‘ چھوٹی سی تقریب کا گماں ہو رہا تھا۔اس کے وہاں پہنچتے ہی ساری خواتین باری باری اس کے پیر کا حال احوال پوچھنے لگی تھیں جبکہ وہ شرمندگی کے ساتھ سب کو مطمئن کر رہی تھی۔شیری کو اس کے حوالے کر کے سدرہ نے اسے بالکل بھی چلنے پھرنے سے منع کر دیا تھا سو وہ اپنی ٹیبل پر ہی موجود لڑکیوں سے باتوں میں مشغول رہی تھی۔سیل فون پر آنے والی کال ریسیو کرنے سے پہلے اس نے احتیاطاً سب لڑکیوں کو دیکھا تھا جو کسی موضوع پر بحث کرنے میں مگن تھیں۔

”سوری...... مجھے تم سے کوئی فضول بات نہیں کرنی چاہیے تھی“۔اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ معذرت کر گئی تھی۔

”تمہاری یہ فضول باتیں مجھے چٹانوں سے ٹکرانے کی ہمت دیتی ہیں‘ سو یہ باتیں کرتی رہا کرو“۔وہ بولا تھا۔

”میں معافی مانگ رہی ہوں تم سے‘ کیا تمہیں یہ لگ رہا تھا کہ میں تمہیں چیلنج کر رہی تھی؟“ خفت زدہ لہجے میں وہ پوچھ بھی رہی تھی۔

”اس کا جواب تم مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہو“۔

”تمہیں تو معلوم ہے میں غصے میں اوٹ پٹانگ بول دیا کرتی ہوں‘ اب جو ہو گیا سو ہو گیا مٹی ڈالو“۔وہ گڑبڑائے انداز میں بولی تھی۔

”دروازہ کیوں لاک کر لیا تھا تم نے؟ تمہیں کیا لگ رہا تھا میں واقعی تمہیں اٹھا کر یہاں لانے والا تھا؟“ وہ مسکراتے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

”مجھے تمہاری آواز سنائی نہیں دے رہی‘ یہاں بہت شور ہو رہا ہے“۔عجلت میں بولتے ہوئے اس نے لائن منقطع کر دی تھی اور پھر کچھ چونکتے ہوئے گردن موڑ کر دیکھا تھا اپنے کزن کے ہمراہ وہ اسی جانب آ رہا تھا بس ایک نگاہ اس نے سارہ کی جانب ڈالی تھی جو فوراً ہی اس کی جانب سے چہرہ ہی نہیں اپنا رخ بھی موڑ گئی تھی۔غائب دماغی کے ساتھ وہ سب کے درمیان موجود ہوتے ہوئے بھی کہیں اور گم تھی۔بار بار سوچیں بھٹک رہی تھیں‘ کیا وہ اسے یہ باور کروانا چاہتا تھا کہ وہ خود اپنے اندر اتنا حوصلہ نہیں رکھتی کہ دل میں پنپتے ڈھکے چھپے جذبے سرعام عیاں ہو جائیں یا ذرا پہلو تہی کر گئی ہے اس تعلق سے کہ کہیں اس کے چرچے مشتہر نہ ہو جائیں۔

............☆☆☆☆☆............

رات گئے اپنے پورشن کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے رک کر گراؤنڈ کی سمت دیکھا تھا جہاں شان کھڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا جبکہ شاہ رخ باؤنڈری پر لیٹا ہوا تھا۔آواز لگا کر اس نے ان دونوں کو ہی بلایا تھا‘ وہیں رکا وہ شان کو دیکھ رہا تھا جو تیز قدموں کے ساتھ اس کی طرف آ رہا تھا۔

”اسے ساتھ کیوں نہیں لائے؟“ اس نے پوچھا تھا۔

”موڈ خراب ہے اس کا‘ پوچھ رہا ہوں تو کچھ نہیں بتا رہا‘ اب آپ ہی دیکھیں اسے میں تو جا رہا ہوں سونے“۔شان اطلاع دے کر چلا گیا تھا جبکہ وہ شاہ رخ کی سمت بڑھ گیا تھا۔سیل فون سے نظر ہٹا کر اس نے قریب آتے شیث کو دیکھا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا‘ جبکہ اس کی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے وہ جان چکا تھا کہ ناراضی اس سے ہی ہے۔

”یہاں کیوں بیٹھے ہو چلو گھر میں‘ اتنی رات ہو چکی ہے سونا نہیں ہے تمہیں“۔اس کے ساتھ ہی باؤنڈری پر بیٹھتے ہوئے وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا تھا۔

”آپ جائیں میں کچھ دیر بعد آ جاؤں گا“۔سیل فون چیک کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہی کچھ دیر بعد جاؤں گا“۔اس کے کہنے پر شاہ رخ نے سیل فون سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا تھا جو مسکراتی نظروں سے اس کے ناراض چہرے کو ہی دیکھ رہا تھا۔

”جب آپ میری شکل نہیں دیکھنا چاہتے‘ میری کوئی بات نہیں سننا چاہتے تو ضرورت کیا ہے میرے پاس بیٹھنے کی‘ بہتر ہے تشریف لے جائیں“۔اتنے احترام سے شاہ رخ کا مخاطب ہونا مکمل یقین کا باعث تھا کہ وہ ٹھیک ٹھاک طریقے سے ناراض تھا۔

”تم جانتے ہو میں نے کیوں غصے میں تم سے وہ سب کہا تھا“۔وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے شاہ رخ سے مخاطب تھا۔

''وجہ صرف ایک ہی ہے کہ بھابی ہم سب بھائیوں پر اندھا اعتماد کرتی ہیں' میں نہیں چاہتا کہ ذرا سی بھول چوک ہمارا امیج خراب کر دے یا بھابی اور بھائی کی نظروں میں گرا دے''۔

''میں نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جو مجھے یا میری وجہ سے آپ کو کسی کی نظر میں گرا دے''۔ وہ شدید ناراضی سے بولا تھا۔

''میں اسے صرف تنگ کر رہا تھا مگر پھر میں اس کے راستے سے ہٹ بھی گیا تھا' آپ سب دیکھ تو رہے تھے وہ اپنی غلطی کی وجہ سے گری تھی''۔

''میں جانتا ہوں تم اسے تنگ کر رہے تھے مگر اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے' وہ برسوں سے ہمارے گھر میں نہیں ہے جو سب کی فطرت کو جانتی ہو' ہو سکتا ہے وہ یہ مذاق وغیرہ برداشت نہ کرے اور بھابی سے جا کر تمہارے بارے میں کچھ کہہ دے' بھابی تمہیں جانتی ہیں وہ کبھی تمہارے بارے میں غلط نہیں سوچیں گی مگر بھائی تک اگر کوئی بات پہنچی تو وہ تم سے واقف ہونے کے باوجود کوئی لحاظ نہیں کریں گے' تم جانتے ہو کہ وہ تو یہ بھی برداشت نہیں کرتے ہیں کہ ہم تینوں میں سے کوئی سرسری انداز میں بھی سارہ سے مخاطب ہو''۔ وہ سنجیدگی سے اسے سمجھانا چاہ رہا تھا جو کچھ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''اگر میری بات سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو میں تم سے معافی مانگ لیتا ہوں مگر تم اب یہ ناراضی ختم کرو''۔ وہ مصالحت آمیز لہجے میں بولا تھا۔

''آج ناراضی ختم کر دوں گا مگر کل پھر آپ کسی بات کو لے کر درمیان میں آ جائیں گے''۔ وہ سر جھٹک کر بولا تھا۔

''یعنی میرے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوا' تمہارا ارادہ پکا ہے کہ آگے بھی اسے تنگ کرتے رہو گے''۔ اس کے خشمگیں لہجے پر شاہ رخ نے کچھ کہا تھا نہ ہی اس کی جانب دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے اب بھی اگر اسے تنگ کرنا ہے تو کرو میں درمیان میں نہیں آؤں گا' چاہے وہ تمہاری شکایت لے کر بھائی تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے''۔ ہارے ہوئے انداز میں وہ اسے خبردار بھی کر رہا تھا۔

''وعدہ کریں آپ درمیان میں نہیں آئیں گے''۔ شاہ رخ نے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''وعدہ تو نہیں مگر میں کوشش ضرور کروں گا''۔ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا تھا۔

''چلو اب اٹھ جاؤ' مجھے اب شدید نیند آ رہی ہے''۔ اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں ہر بار سوچتا ہوں کہ اس کو تنگ نہیں کروں گا کہ کہیں کوئی ہنگامہ کھڑا نہ ہو جائے مگر ہر بار اسے دیکھتے ہی میں سب بھول جاتا ہوں''۔ شیث کے ہمراہ آگے بڑھتے ہوئے وہ بتا رہا تھا۔

''میری شکل دیکھتے ہی جس طرح اس کے تیور بگڑتے ہیں وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں' جب تک اس سے تفریح نہ لے لوں سکون نہیں ملتا''۔ وہ اپنی ہی دھن میں بتا رہا تھا جس پر شیث ایک گہری سانس لے کر رہ گیا تھا۔

............☆☆☆☆☆............

''کیا ہوا تھا تمہیں؟ اتنے جوش میں آنے کے لیے کس نے کہا تھا؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''موقع ضائع کر دیا تم نے ورنہ آج تو قصہ تمام ہو جانا تھا......''

''کس کا میرا یا تمہارا؟'' اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

''ویسے سچ بتاؤں' آج تم نے ٹھیک ٹھاک دماغ خراب کر دیا تھا اس کے بعد تمہارا کیا ہوتا یہ تو مجھے نہیں معلوم لیکن اپنے بارے میں مجھے مکمل یقین ہے کہ بھائی نے مجھے دو سیکنڈ میں اس گھر سے کک آؤٹ کر دینا تھا''۔ بولتے ہوئے وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو اسے گھور بھی رہی تھی۔

''تمہیں دیکھ کر واقعی لگ رہا تھا کہ تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے' خبردار جو دوبارہ کبھی ان تیوروں کے ساتھ میری طرف ایک قدم بھی بڑھایا جیسے آج تم......'' اسے گھرکتے ہوئے سارہ نے یکدم ہی رک کر اس کا اشارہ سمجھنے کی کوشش کی تھی جو اسے خاموش رہنے اور گلاس بند کرنے کا سگنل دیتا سرعت سے پلٹ کر اس جانب بڑھ گیا تھا جہاں ماربل کے اسٹینڈ پر فون سیٹ رکھا تھا۔ دوسری جانب وہ کوئی بھی آواز کیے بغیر گلاس بند کر کے پردہ پھیلا چکی تھی' نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں چند لمحوں تک دیوار کے ساتھ لگی کھڑی رہی تھی اور پھر نامحسوس انداز میں ذرا سا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا تھا' اس کی سانس ہی رک گئی تھی' اس وقت جب اس کی نظر شمس پر پڑی تھی وہ فون اسٹینڈ کے پاس موجود شیث کی سمت ہی جا رہے تھے۔ فوراً ہی پردہ چھوڑ کر وہ دبے قدموں بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ لمحے مزید خاموشی سے گزر گئے تھے اس کے ساتھ وہ شیث کیلئے پریشان بھی ہوتی چلی گئی تھی کہ جانے شمس نے اس سے کیا کہا یا پوچھا ہوگا۔ اگر بروقت ہی شیث کی چھٹی حس بیدار نہ ہوتی تو اس وقت کیسا ہنگامہ اٹھ چکا ہوتا' خیر خطرہ تو ابھی بھی نہیں ٹلا تھا۔ دوبارہ ونڈو کی جانب جانے کا اس نے ارادہ کیا تھا جب اسے اپنے کمرے کے باہر قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی تھی' ایک پل کو رک کر اس نے کمرے سے باہر جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہا تھا مگر اسی وقت سیل فون پر کال آ گئی تھی۔

''شکر ہے تم میرا اشارہ سمجھ گئیں ورنہ اس وقت میری ہلکی سی آواز ہی شک میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھی''۔ وہ بولا تھا۔

''انہوں نے تم سے کچھ پوچھا نہیں؟'' وہ تجسس کے ساتھ بولی۔

''ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی سوال نہ کریں''۔ وہ خشمگیں لہجے میں بولا تھا۔

''میں نے ان سے کہا کہ کریڈٹ ختم ہو گیا تھا اس لیے اپنے ایک دوست سے ضروری بات کرنے کیلئے باہر آ گیا تھا''۔ وہ بتا رہا تھا۔

''وہ اتنی رات میں اچانک اوپر کیوں آ گئے؟ یقیناً چھاپہ مارا ہے انہوں نے''۔ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''نہیں' دراصل میرے کمرے کے ٹیرس پر بھابی نے شیری کا بلینکٹ واش کر کے پھیلایا تھا' ابھی ضرورت ہوئی ہوگی اس کی تو لینے کیلئے آئے تھے''۔ وہ بتا رہا تھا۔

''شیث! میں سوچ رہی ہوں کہ اگر تمہیں ان کی آمد کا پتا نہ چلتا تو کیا ہوتا؟'' وہ ایک جھرجھری لے کر بولی تھی۔

''ہونا کیا تھا' تمہاری وجہ سے جو کچھ چند گھنٹے قبل نہ ہو سکا وہ اب ہو جاتا''۔ وہ اطمینان سے بولا تھا۔

''ہاں...... مجھے معلوم ہے تم اپنے بھائی کے سامنے کتنے بہادری کے مظاہرے کر سکتے ہو اس لیے ہی ونڈو سے شاید دور بھاگے تھے''۔ وہ جتانے والے انداز میں بولی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو...... تمہاری آواز سنائی نہیں دے رہی''۔ وہ یقیناً سیل فون کان سے دور ہٹائے بول رہا تھا۔

''اب تو واقعی میری آواز نہیں سنائی دے گی تمہیں' خدا حافظ...... شب بخیر''۔ ہنستے ہوئے اس نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے کوفت بھری نظروں کے ساتھ سامنے سے آتے شاہ رخ کو دیکھا تھا' خود پر ٹھہری اس کی شرارت بھری نظروں اور چہرے کی بھرپور مسکراہٹ نے اسے فوراً ہی خبردار کر دیا تھا۔

''میری زندگی کے مالک
میرے دل پہ ہاتھ رکھ دے
تیرے آنے کی خوشی میں
میرا دم نکل نہ جائے''

اس کے بلند آواز میں سُر لگانے پر وہ ناگواری کے ساتھ کترا کر نکلنا ہی چاہ رہی تھی مگر وہ بروقت ہی سامنے آ رُکا تھا۔

''آپ مسکراتی کیوں نہیں ہیں؟'' بڑی معصومیت سے پوچھا گیا تھا۔

''اب تمہاری طرح احمق تو ہوں نہیں جو ہر وقت دانتوں کی نمائش کرتی رہوں۔'' وہ ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''میں نے کبھی آپ کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا' مگر پھر بھی آپ مسکراتے ہوئے بہت اچھی لگتی ہیں' پلیز میرے لیے تو مسکرایا کریں۔'' وہ اس معصومیت کے ساتھ بول رہا تھا جبکہ اپنی ناگوار نظریں اس پر سے ہٹا کر سارہ نے شان کو دیکھا تھا جو قریب آ رُکا تھا اور اب حیرت سے کبھی سارہ کو اور کبھی شاہ رخ کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ نہیں جانتیں کہ آپ مجھے کتنی......''

''کیا کر رہے ہو' موموئے اگر سن لیا ناں تو تمہیں ایک ہی جھٹکے میں جہنم تک پہنچا دے گی۔'' شان نے دہل کر خبردار کرتے ہوئے اسے ڈائیلاگ مکمل کرنے سے روکا تھا۔

''چپ چاپ نکل جا یہاں سے' چل آگے بڑھ۔'' خشمگیں انداز میں شان کو گھورتے ہوئے اس نے سرعت سے اس کا راستہ روکا تھا جو بچ کر نکل رہی تھی۔

''شان! اسے ہٹاؤ ورنہ میں ابھی جا کر آپی سے شکایت کر دوں گی۔'' اس نے جھلا کر شان سے کہا تھا۔

''اس سے مدد مانگنے کا کیا فائدہ' مجھے ہٹا کر یہ خود کھڑا ہو جائے گا۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا تھا جبکہ سارہ نے ناگوار نظروں سے ذرا ہٹ کر ہنستے ہوئے شان کو دیکھا تھا۔

''آپ سے ایک بات پوچھوں' بُرا تو نہیں مانیں گی۔'' وہ دوبارہ اسی ٹون میں آ گیا تھا جبکہ وہ بس ضبط کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ نے کبھی محبت کی ہے؟'' اس کے معصوم انداز پر سارہ نے بمشکل خود پر کنٹرول رکھتے ہوئے اسے دیکھا تھا جو حیران نظروں سے ان دونوں کو ہی دیکھتا ہوا قریب آ رہا تھا۔

''میں آپ کو بالکل کھلی آفر دے رہا ہوں' محبت کرنے کیلئے میں ایک آئیڈیل بندہ ہوں' میں نے تو پہلی نظر میں ہی آپ کو......'' وہ اپنی ہانک رہا تھا' دوسری جانب سارہ ناگوار نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جو کان بند کیے اب قریب سے گزر رہا تھا۔

''ایکسکیوزمی......'' سارہ نے بالآخر جل کر خود ہی اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر مزید کھول اٹھی تھی کیونکہ وہ سر جھکائے رُکے بنا ہی آگے بڑھ گیا تھا۔

''یہ بندہ ساؤنڈ پروف ہے' ان کو نہ لڑکیاں دکھائی دیتی ہیں نہ سنائی دیتی ہیں' یہ پیس بڑے بھائی نے چائنا سے منگوایا تھا۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے سارہ کی معلومات بڑھا رہا تھا۔

''ہٹو میرے سامنے سے۔'' وہ عاجز آ کر چیخی تھی۔

''اونچی آواز میں مجھ سے بات بھی کی ناں......'' اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر مکا بجاتے ہوئے وہ جس طرح خونخوار انداز میں بولا تھا سارہ دنگ ہی رہ گئی تھی۔

''اتنے دن میں تو دس لڑکیاں سیٹ ہو جاتی ہیں تم کس مٹی سے بنی ہو' کب لائن پر آؤ گی۔'' اس کے کھا جانے والے انداز پر سارہ نے گھبرا کر پیچھے ایک نظر ڈالی تھی جہاں ریلنگ پر بازو ٹکائے شان اطمینان سے کھڑا ہنس رہا تھا' مگر اب اس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا جو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے قریب رک گیا تھا۔

''یہ نمبر موموکا ہے ناں؟'' اپنا سیل شان کے سامنے کرتے ہوئے وہ ایک نمبر دکھا رہا تھا' جواباً شان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا' جس پر وہ مطمئن انداز میں اب سیڑھیاں طے کرتا اوپر جا رہا تھا۔

''جب میں آپ سے اظہار کر چکا ہوں تو آپ کو بھی کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' مجھ جیسا معصوم بندہ تو آپ کو شاید جنت میں بھی نہ ملے' تو پھر آپ دنیا میں ہی جنت حاصل کیوں نہیں کرنا چاہتیں' آپ پلیز دو گلاس ٹھنڈے پانی کے پی کر میرے بارے میں سوچیں اور ابھی سوچیں۔'' مظلومیت کے ساتھ بولتے ہوئے اس نے شان کو دیکھا تھا۔

''ابے اوئے تماش بین' تھیٹر میں آیا ہے تو جو کھڑا انجوائے کر رہا ہے' چل ٹھنڈا پانی لے کر آ فوراً۔'' وہ شان پر غرایا تھا دوسری جانب سارہ نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''دیکھو آخری بار سمجھا رہی ہوں' اگر تم اسی طرح مجھے پریشان کرتے رہے تو میں نے تمہاری ساری یہ گھٹیا باتیں تمہارے بڑے بھائی کو سنا دینی ہیں' اس کے بعد یا تو وہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے یا پھر میں انہیں نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ غصیلے انداز میں بولی تھی۔

''مجھے چھوڑیں نہ چھوڑیں مگر مجھے اتنا یقین ہے کہ آپ انہیں نہیں چھوڑیں گی۔'' اس کے فوراً ہی لہک کر کہنے پر وہ کھول کر شان کی طرف پلٹی تھی جو قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''تم بھی بس شکل سے ہی شریف نظر آتے ہو۔'' وہ شان پر غرائی تھی مگر اگلے ہی پل واپس پلٹتے ہوئے اس کی چیخ ہی نکل گئی تھی۔

''بدتمیز' گھٹیا انسان تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بالوں کو چھونے کی' ہاتھ توڑ دوں گی تمہارے۔'' وہ بھڑک کر بولی تھی۔

''ہاتھ تو لگا کر دکھاؤ' پلاسٹک کے نہیں ہیں میرے ہاتھ جو توڑ دو گی۔'' وہ لڑنے والے انداز میں بولا تھا۔

''ایک تو ہمارے کمرے پر قبضہ کر لیا اوپر سے ہمارے شیمپو بھی استعمال کر رہی ہو' یہاں تک مجھے اپنے شیمپو کی خوشبو آ رہی ہے۔'' وہ مزید اس پر غرایا تھا۔

''ویسے ایک بات بتائیے' بھائی کی طرح کیا آپ بھی اپنے بالوں میں سونا یوریا ڈالتی ہیں؟'' اس کے مشکوک انداز پر سارہ نے خود بھی ایک پل کو مشکوک ہو کر اپنے ادھ کھلے نم بالوں کو چھوا تھا۔

''اگر میں خاموشی سے سب برداشت کر رہی ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم حد سے بڑھ جاؤ' اس

سے پہلے کہ میں کر دوں تمہارا حشر خراب' بند کر دو یہ گھٹیا باتیں اور حرکتیں سمجھے''۔ وہ شدید ناگواری کے ساتھ بولی تھی۔

''میں خود کچھ بھی نہیں کرتا' آپ سامنے آتی ہیں تو خود بخود سب ہو جاتا ہے' میں اپنے نکے چھوٹے راج دلارے بھائی شان کی قسم کھا کر کہتا ہوں مجھے آپ سے محبت جیسی کوئی چیز ہونے لگی ہے اور......'' معصومیت سے بولتے ہوئے اس نے یکدم رک کر سارہ کے فق چہرے کو دیکھا تھا اور پھر شان کو جو ہڑبڑائے انداز میں سرپٹ سیڑھیاں چڑھتا اوپر بھاگا تھا' اس پر سے نظر ہٹا کر وہ اب رکی ہوئی سانس کے ساتھ گردن موڑے اسے دیکھ رہا تھا جو اس کے ہی کندھے پر بازو ٹکائے اطمینان سے چیونگم چباتی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''محبتوں کے دیوتا...... ہوگئے اظہار۔ کسی مدد کی ضرورت ہے تو ہم حاضر ہیں بیٹا' قطعی کوئی شرمانے کی ضرورت نہیں ہے''۔ وہ بڑے اطمینان سے اس سے مخاطب تھی جس کا بی پی لو ہو چکا تھا۔ دوسری جانب وہ اب سارہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''اور تو...... بھابی کی بہن......'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی' شاہ رخ نے بڑے احترام سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا تھا اور پھر سارہ کو دیکھا تھا۔

''کیوں پرائے مردوں کو ورغلاتی ہو' کیوں میرا راستہ روک کر میرے جنت میں جانے کے راستے روکتی ہو' آخر میں تمہیں کن لفظوں میں سمجھاؤں کہ میں کسی اور کا ہوں''۔ اس کے مظلوم انداز پر سارہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں تھیں دوسری جانب مومو نے کھا جانے والے انداز میں شاہ رخ کے معصوم چہرے کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل اس کا زوردار مکا شاہ رخ کے پیٹ پر لگا تھا' جو وہ جھک کر کراہتے ہوئے پیچھے ہٹتا چلا گیا تھا۔

''اور تو باربی ڈول...... تجھے منع کیا تھا میں نے یہ زلفیں لہراتی کیٹ واک کرتی قطعی نظر نہ آنا مجھے' عقل میں نہ آئی تیرے''۔ اس نے جھپٹ کر سارہ کے بال اپنے ہاتھ میں جکڑے تھے۔

''یہ ستیاناس تو نقاب والیوں پر پھسل جاتا ہے اور تو گھوم رہی ہے اس کی آنکھوں کے سامنے بل کھاتی''۔ اس کے خونخوار انداز میں بالوں کے جھٹکے دینے پر سارہ کی چیخیں نکلنے لگیں تھیں۔

''نہ بیٹا آج تیری یہ زلفیں رہیں گی نہ یہ میرے سینے پر سانپ بن کے لوٹیں گی' تو یہیں رک ابھی واپس آتی ہوں' اگر ہلی بھی یہاں سے تو اٹھا کر پٹخ دوں گی''۔ ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑ کر دھمکاتے ہوئے وہ بھاگتی ہوئی کچن کی سمت گئی تھی۔

غصے میں بری طرح کھولتے ہوئے سارہ نے اسے دیکھا تھا جو دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے نیچے ہی نیم دراز کچن کی سمت ہی متوجہ مومو کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا' بھناتے ہوئے سارہ نے اپنے پیر سے سلیپر اتار کر اس کی سمت پھینکا تھا جو وہ لگنے والی ضرب پر تڑپ کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''میرا دماغ خراب کر رکھا ہے تم اور تمہاری اس چھپکلی نے''۔ وہ اس پر غرائی تھی جو بڑے احترام سے اس کا سلیپر ہاتھوں میں اٹھائے بیٹھا تھا۔

''مل گئی...... مل گئی پیاری کی نشانی...... مل گئی......'' سلیپر اس کے سامنے لہراتے ہوئے وہ جس طرح گا رہا تھا سارہ کا غصے میں حشر خراب ہونے لگا تھا۔

''واپس دو ورنہ بہت برا کروں گی' دو میرا سلیپر''۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے...

''نہیں دوں گا' پیا کی نشانی......'' وہ فوراً ہی پیچھے کھسکتے ہوئے گنگنایا تھا

''تمہیں تو میں......'' کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے سارہ نے رک کر اوپر دیکھا تھا جہاں سے ریلنگ پر جھکا شان خوب انجوائے کر رہا تھا مگر اگلے ہی پل اس کے سارے قہقہے دم توڑ گئے تھے' جب سارہ نے بھناتے ہوئے اپنا دوسرا سلیپر اتار کر اس کی جانب پھینکا تھا۔

''ارے باپ رے......'' شاہ رخ کی آواز پر وہ پہلے اس کی طرف اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں اس جانب متوجہ ہوئی تھی جہاں وہ قینچی لہراتی اسی جانب آ رہی تھی۔ دنگ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک پل کو تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کیا کرے لیکن اگلے ہی پل پلٹ کر سیڑھیوں کی سمت بھاگی تھی۔

''ارے کیا کر رہی ہو...... رکو''۔ شاہ رخ کی بھی ہوائیاں اڑی تھیں جو اس نے سرعت سے مومو کو روکا تھا۔

''ہٹ گھٹیا آدمی...... تجھے تو بیٹا میں بعد میں دیکھتی ہوں' پہلے اس چھٹکنی کے پر اکھاڑوں ذرا''۔ ایک ہی دھکے میں اس نے شاہ رخ کو پیچھے کیا تھا۔

''رک وہیں' بھاگی تو تیا پانچہ کر ڈالوں گی''۔ وہ اسے للکار رہی تھی جو اس امید پر درمیان میں رک گئی تھی کہ شاہ رخ اسے روک لے گا مگر...... اسے پیچھے آتے دیکھ کر وہ دوبارہ اسی اسپیڈ میں سیڑھیاں طے کرتی اوپر بھاگی تھی اور سیدھی اس کی طرف گئی تھی جو سامنے سے آ رہا تھا' درمیان سے ہٹتے ہوئے شان نے حیرت سے پہلے سارہ کو اور پھر بھاگی آتی مومو کو دیکھا تھا۔

''آگے جاؤ میرے پاس مت رکنا ورنہ یہیں سے نیچے چھلانگ لگا دوں گا''۔ ریلنگ سے آدھا لٹکتے ہوئے شان نے فوراً ہی اسے دھکایا تھا جو یکدم ہی اس کے پاس رکی تھی۔

''شیث! اسے روکو وہ میرے بال کاٹنے آ رہی ہے''۔ اس کے پیچھے چھپی وہ روہانسے انداز میں ہلکی آواز میں چیخی تھی۔

''کچھ نہیں ہوگا' کانپ کیوں رہی ہو؟'' اس کی طرف پلٹتے ہوئے وہ حیرت سے بولا تھا۔

''تو کیا رقص کروں اس آدم خور بلا کے سامنے''۔ وہ کھا جانے والے انداز میں غرائی تھی' دوسری جانب وہ مسکراہٹ چھپائے دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جس کے قبضے میں شان آ چکا تھا۔

''گدھے...... سستی مارے ایک کام دیا تھا تجھ سے وہ بھی نہ ہوا' یہ رکھوالی کر رہا ہے مکار محبتوں کے تبادلے ہو رہے ہیں اور تو کھڑا مزے لے رہا ہے''۔ شان کی گردن پکڑے ریلنگ سے لٹکاتے ہوئے وہ غرا رہی تھی۔

''کیا کر رہی ہو مومو! گر جائے گا وہ''۔ اسے روکنے کیلئے شیث ایک قدم ہی بڑھا تھا جب سارہ نے فوراً ہی پیچھے سے اس کی شرٹ پکڑ کر اپنی سمت واپس کھینچ لیا تھا۔

''ہٹو پیچھے جب دیکھو مارتی رہتی ہو' بہت اچھا کرتا ہے شاہی تمہارے ساتھ''۔ اس کے شکنجے سے نکلتے ہوئے شان دھاڑا تھا۔

''بیٹا! آج تیری زبان کترنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا''۔ قینچی اٹھائے وہ شان کی طرف بڑھی ہی تھی جو وہ اسے پیچھے دھکیل کر سیڑھیوں کی جانب بھاگ گیا تھا جبکہ اس کے پیچھے چھپ جانے کے بجائے وہ واپس پلٹی تھی اور اگلے ہی پل چونک کر پہلے شیث کو اور پھر اس کے عقب سے جھانکتی سارہ کے فق چہرے کو دیکھا تھا۔

''او...... انارکلی آج تو مجھے بتا ہی دے آخر کون کون سے شوق پال رکھے ہیں تو نے' چھپنے کیلئے بھی چھانٹ کے جگہ ڈھونڈی ہے تو نے' فوراً باہر نکل''۔ قینچی کے اشارے سے وہ اسے سامنے بلا رہی تھی مگر وہ شیث کے پیچھے سے نکلنے کو تیار نظر نہیں آ رہی تھی۔

”تم بھی وہیں جم کے کھڑے ہو دو منٹ میں بھول جاؤں گی ہماری مکھن ملائی کے بڑے بھائی ہو تم......“

”تم پہلے قینچی میرے حوالے کرو تمہارا کوئی بھروسہ نہیں ہے“۔ شیث نے اس کی بات کاٹی تھی۔

”نہ بڑی ہمدردیاں ابل پڑی ہیں چار دن میں‘ گھر کی عورتوں کو کبھی گھاس نہ ڈالی اور باہر سے آنے والوں پر اتنا بھروسہ ہو گیا کہ بس نہیں چل رہا کلیجے سے ہی لگا ڈالو“۔ وہ کھا جانے والے انداز میں بولی تھی۔

”سوچ سمجھ کر بولا کرو ذرا‘ جاؤ اب یہاں سے“۔ کچھ ناگواری کے ساتھ شیث نے اسے گھرکا تھا۔

”میرے سامنے سے مت ہٹنا‘ یہ میرے بال کاٹ دے گی“۔ اس کے پیچھے چھپی سارہ خوف سے چیخی تھی۔

”ارے نہیں کچھ کر رہی‘ تو باہر نکلتی ہے کہ میں آ جاؤں‘ یہ جو چھ فٹ کی دیوار کے پیچھے کھڑی ہے نہ پھر یہ بھی نہیں روک سکے گی مجھے‘ صبر نہ آزما میرا باہر نکل“۔ اس کے کڑک انداز پر وہ خوفزدہ انداز میں شیث سے دور ہٹ کر سامنے آئی۔

”دوپٹہ ڈال سر پہ‘ بال چھپا فوراً“۔ اس کے قینچی کے اشارے کے ساتھ غرانے پر وہ تیزی سے دوپٹہ سر پر ڈالتی سرعت کے ساتھ حواس باختہ وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

”نہ بھئی یہ چکر کیا چل رہے ہیں‘ آج ساری ہسٹری بتائے بغیر تم ہلنا مت یہاں سے“۔ وہ جو کترا کر نکل جانا چاہتا تھا مومو نے فوراً ہی اس کا راستہ روکا تھا۔

”اب کیا ہوا ہے؟“ اس نے خشمگیں لہجے میں پوچھا تھا۔

”اب یہ بھی ہم بتائیں‘ اندھے تو نہیں ہیں دیکھتے ہیں سب“۔ اس کے ترچھی نظروں سے گھورنے پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”نہ اور کوئی اسے نہیں ملتا صرف تم ہی نظر آتے ہو“۔ ابرو چڑھائے وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

”جب میں یہاں آتی ہوں تو اس ندیدے کی وجہ سے وہ ہیروئن مجھے خطرے میں نظر آتی ہے اور تو اور مدد کیلئے کسی اور طرف نہیں تمہاری طرف ہی دوڑی آتی ہے‘ نہ تم سے بڑا مددگار اس گھر میں اسے اور کوئی کیوں نظر نہیں آتا“۔ بولتے ہوئے وہ مشکوک نظروں سے اس کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔

”تم ذرا سی بات کو پھیلایا مت کرو‘ اب قینچی لے کر اس کے پیچھے بھاگو گی تو وہ اور کیا کرتی‘ میری جگہ کوئی اور سامنے آ جاتا تو وہ اس کے پیچھے چھپ جاتی“۔ وہ کچھ جھلاہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

”نہ بڑا دل پھٹ رہا ہے اس کیلئے‘ تم سے پہلے شان موجود تھا یہاں...... میری گناہگار آنکھوں نے بہت اچھی طرح دیکھا تھا‘ جب شان کو درمیان سے دھکا دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ تمہاری طرف بھاگی تھی“۔ وہ ابرو چڑھائے بتا رہی تھی۔

”اب یہ مجھے نہیں پتا اس لیے میرا دماغ مت کھاؤ اور خبردار جو تم نے اسے اس طرح دوبارہ پریشان یا ہراساں کیا تو......“

”میں قربان جاؤں چھوٹے...... نہ کیا بات ہے یہ کون سے دریا ابل پڑے ہیں دل میں اچانک“۔ معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ وہ ابرو اچکاتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

”قطعی کوئی شرمانے کی ضرورت نہیں ہے‘ ہم تمہارے رازدار بننے کو تیار ہیں“۔

”ایسا کچھ نہیں ہے بس تمہارا ہی دماغ خراب ہے“۔ وہ اسے جھڑکتے ہوئے جانا چاہتا تھا مگر مومو نے فوراً ہی

اس کا بازو پکڑ کے روکا تھا۔

”بیٹا! تم ہمارے ہونے والے جیٹھ نہ ہوتے تو ایک ہی مکے میں سارا سچ اگلوا لیتے‘ چلو اب میں اس چھپکلی سے ہی سب جا کر پوچھتی ہوں“۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں کہیں جانے کی“۔ شیث نے فوراً ہی اسے روکا تھا۔

”تو پھر تم مجھے بتاؤ“۔ وہ ہٹیلے انداز میں بولی تھی‘ تب ہی نیچے سے شاہ رخ کی آواز آئی تھی۔

”جلدی آ جائیں بھابی! کب سے بلا رہا ہوں مگر سین ختم ہو جاتے ہیں تب اینٹری مارتی ہیں“۔ شاہ رخ ان پر جھلایا تھا جو پھر کہیں رک گئیں تھیں۔

”تم میری شکل ہی دیکھتے رہو گے یا کچھ بولو گے بھی“۔ مومو پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”میرا وقت برباد نہ کرو‘ جاؤ نیچے وہ فارغ کھڑا ہے لگ جاؤ کام سے“۔ جان چھڑانے کیلئے اس نے شاہ رخ کی طرف اس کی توجہ دلائی تھی۔

”چھوٹے بھائی! تمہیں تو دیکھ لوں گا میں اچھی طرح سے“۔ شیث کی آواز اس کے کانوں تک بھی پہنچی تھی تو وہ نیچے سے ہی بولا تھا۔

”بیٹا! پہلے ہم کو تو اچھی طرح سے دیکھ لو بعد میں کسی اور کو دیکھنا“۔ دائیں آنکھ دباتے ہوئے مومو نے اسے مخاطب کیا تھا۔

”معاف کیجیے گا آپ انتہائی فضول خاتون ہیں“۔ شاہ رخ نے جل کر اوپر دیکھا تھا۔

”کیا بول رہے ہو‘ تھپڑ لگاؤں گی تمہیں“۔ سدرہ نے ناراضی سے شاہ رخ کو دیکھا تھا۔

”آپ کو نہیں پتا یہ آپ کی بہن صاحبہ کا کیا حشر کرنے جا رہی تھیں‘ پوچھیں ذرا ان سے“۔ شاہ رخ نے مزید جل کر کہا تھا۔

”مومو! میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا مگر تم سدھرو گی نہیں‘ خبردار جو میری بہن کو ہاتھ بھی لگایا“۔ وہ اب مومو پر ناراض ہو رہی تھیں۔

”ارے معاف کر دو بھابی!“ وہ بولی تھی۔

”ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا تمہاری بہن کی بیک کتنی مضبوط ہے“۔ ہلکی مگر معنی خیز آواز میں اس نے مسکراتے ہوئے شیث کے شانے کو تھپتھپایا تھا۔

”ایسے مت گھورو بیٹا! ہم اڑتی چڑیا کے پر گن چکے ہیں“۔ ان کے خشمگیں نظروں سے دیکھنے پر وہ ہنستے ہوئے بولی تھی جبکہ وہ اسے پرے ہٹاتے ہوئے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

............☆☆☆☆☆............

کھلے دروازے سے انہوں نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈالی تھی‘ سامنے ہی لاؤنج میں وہ شیری کو گود میں اٹھائے شان سے کوئی بات کر رہی تھی جو وہیں صوفے پر نیم دراز تھا۔

”اپنی بہن سے کہو میری اولاد کو میرے لئے بھی چھوڑ دیا کرے‘ ہر وقت اسے ساتھ لگائے رکھتی ہے‘ کچھ دن بعد تو وہ مجھے پہچاننے کی بھی نہیں“۔ ان کے اچانک بھڑکنے پر سدرہ نے حیرت سے انہیں دیکھا تھا جو آستین کے بٹن بند کرتے ہوئے باہر کی سمت دیکھ رہے تھے۔ صبح صبح وہ کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں کہ شوہر کا مزاج مزید گرم ہو جائے اس لئے ضبط کر گئیں تھیں۔

''اور ذرا یہ بھی سمجھا دینا میرے بھائیوں سے دور ہی رہا کرے ورنہ اس نے تو ذرا سی بات پر ہی واویلا مچا کر تماشہ لگوا دینا ہے''۔ ناگواری کے ساتھ مزید کہتے ہوئے وہ ڈریسنگ کی سمت بڑھ گئے تھے۔

دودھ گرم ہونے کے لئے رکھ کر سدرہ کسی کام سے کچن سے باہر گئیں تھیں اس لئے شیری کو گود میں ہی اٹھائے وہ وہیں رکی ان کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

''آج اتنی صبح کیسے جاگ گئیں تم' خیریت تو ہے؟'' کچن میں آتے ہوئے وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''اور شرمندہ کر لو مجھے''۔ سارہ نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا جو فریج کھولے کھڑا تھا۔

''ویسے اتنی صبح میری شکل دیکھ کر تمہارے بھائی کا مزاج تو بگڑ چکا ہے' شان سے ابھی بات کر رہی تھی تو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے مجھے کچا ہی چبا ڈالیں گے''۔ کچھ نخوت بھرے انداز میں وہ بتا رہی تھی۔

''یہ تمہارا وہم بھی تو ہو سکتا ہے' وہ اس لئے بھی تو تمہیں دیکھ سکتے ہیں کہ شاید انہیں صبح ہی صبح اپنی اکلوتی سالی بہت خوبصورت لگ رہی ہو''۔ جوس کا گلاس ہاتھ میں لئے وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا قریب آیا تھا۔

''ہاں بالکل ایسا ہو سکتا ہے' اور اس وقت تمہیں یہاں میرے پاس دیکھ کر انہیں میں اور بھی خوبصورت لگوں گی اتنی کہ وہ میری گردن دبانے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگائیں گے''۔ اس کے مسکراتے چہرے کو گھورتے ہوئے وہ بولی تھی۔

''اور یہ چہرے کو کیا ہوا ہے تمہارے...... طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' وہ ایکدم ہی اس کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھ کر چونکی تھی۔

''کہاں ٹھیک ہے طبیعت...... رات سے اتنا ٹمپریچر ہے مجھے' ویسے تو بات ہو نہیں سکتی مگر تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ کال ہی کر لیتیں''۔ اسے بتاتے ہوئے وہ شکایت بھی کر رہا تھا۔

''سوری...... مجھے تو بالکل اندازہ نہیں تھا' کوئی ٹیبلٹ لینی تھی ناں' زیادہ تیز تو نہیں ہو رہا بخار؟'' کچھ پریشانی سے بولتے ہوئے سارہ نے اس کی پیشانی کو چھوا تھا تب ہی کچن کے دروازے پر وہ بس ایک پل کو اپنی جگہ ساکت ہوئے تھے مگر اگلے ہی پل ان کے چہرے کے تاثرات بگڑے تھے۔ اپنا ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے وہ بالکل نارمل تھی جبکہ شیث کے چہرے کا رنگ حسب توقع اڑ چکا تھا' شدید ناگوار نظروں سے وہ اسے دیکھ رہے تھے جو ان سے نظر ملائے بغیر باہر جانے کیلئے ان کی سمت ہی آ رہا تھا۔ اسے باہر جانے کا راستہ دیتے ہوئے وہ اس کی سمت متوجہ ہوئے تھے جو شیری کو سنبھالے ابلتے دودھ کے برتن کی آنچ کم کر رہی تھی۔

''کون سی زبان سمجھتی ہو تم' دور رہو اس سے' آخری بار سمجھا رہا ہوں ورنہ دل تو چاہ رہا ہے تمہارا وہ ہاتھ ہی توڑ دوں جس سے تم نے اسے چھوا ہے''۔ شدید غصیلے انداز میں بولتے وہ اس کی طرف آئے تھے۔

''جس پر میرا حق ہے آپ اس کے قریب جانے سے مجھے نہیں روک سکتے''۔ وہ نخوت کے ساتھ بول رہی تھی۔

''زبان کاٹ دوں گا تمہاری سمجھیں''۔ شہادت کی انگلی اٹھائے وہ سرخ چہرے کے ساتھ غرائے تھے۔

''ہاتھ بھی توڑ دیں' زبان بھی کاٹ دیں' سارے ارمان پورے کر لیں مگر بے فکر رہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا' وہ مجھے ہر حالت میں قبول کرلے گا''۔ وہ اطمینان کے ساتھ بولی تھی۔

''ایسا میں ہونے نہیں دوں گا' اس بات کا بھی یقین رکھو' میرے گھر میں رہ کر میرے ہی گھر میں نقب مت لگاؤ تم''۔ وہ بھڑک کر بولے تھے۔

''اگر آپ اسے نقب لگانا کہتے ہیں تو اطلاع کیلئے عرض ہے کہ یہ نقب میں نے اس وقت لگائی تھی جب میں نے آپ کے گھر میں قدم بھی نہیں رکھا تھا''۔ وہ اسی اطمینان کے ساتھ بولی تھی۔

''بکواس بند کرو اپنی...... جو گالی تم میرے بھائی کو دے چکی ہو اس کے بعد تم مزید کسی چیز کی امید مت رکھنا''۔ وہ شدید طیش میں بولے تھے۔

''ادھر دو میرے بچے کو''۔ اپنے اشتعال میں انہوں نے شیری کو اس کی گود سے چھیننا چاہا تھا۔

''نہیں دوں گی' کیا کر لیں گے آپ؟'' اس بار بری طرح کھول کر وہ پیچھے ہوئی تھی مگر انہوں نے ذرا بھی پرواہ کیے بغیر ایک ہی جھٹکے میں بچی کو اس سے لے لیا تھا۔

''میری بہن کو مجھ سے چھیننے کے بعد سکون نہیں ملا جو اسے بھی چھین رہے ہیں' واپس دیں مجھے''۔ بلند آواز میں احتجاج کرتے ہوئے اس نے شیری کو ان سے واپس لینے کی کوشش کی تھی جو انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پیچھے ہٹایا تھا' بری طرح لڑکھڑاتے ہوئے اس کا ہاتھ ابلتے دودھ کے برتن سے ٹکرایا تھا اور اگلے ہی پل اس کے حلق سے چیخیں بلند ہونے لگیں تھیں' دوسری جانب وہ جو کچن کے باہر ہی رکا سب سن رہا تھا سرعت سے واپس کچن میں آیا تھا اور اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا تھا۔

شدید اذیت کے ساتھ چیختے ہوئے وہ سدرہ کو آوازیں دے رہی تھی جو بری طرح گھبرائی بھاگتی ہوئی کچن میں آئیں تھیں' ان کے پیچھے شان بھی دوڑتا ہوا آیا تھا۔

سپاٹ نظروں سے اس نے شمس کو دیکھا تھا جو چہرے کے بدلے تاثرات کے ساتھ ساکت کھڑے تھے' بس ایک پل کو ان کی نظر شیث سے ٹکرائی تھی مگر اگلے ہی پل نظر چرا گئے تھے جبکہ وہ بلند رونے کراہنے کی آوازوں پر کان بند کیے پلٹ کر اسی خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

چند لمحوں تک وہ اسی طرح ساکت کھڑے اسے دیکھتے رہے تھے جس کے جل جانے والے ہاتھ اور پیر پر سدرہ بدحواسی میں انڈے کی سفیدی لگا رہی تھیں۔

''شان! میرے کمرے سے گاڑی کی چابی لے کر باہر آؤ''۔ عجلت میں شان کو مخاطب کرتے ہوئے وہ قریب آئے تھے' جبکہ وہ ان کی ہدایت پر تیزی سے روتی چیختی سارہ کے پاس سے اٹھ کر باہر بھاگا تھا۔ سارہ کی کربناک آوازوں پر گھبرا کر روتے ہوئے شیری کو سدرہ کے حوالے کرتے ہوئے انہوں نے پلک جھپکتے ہی جھک کر اسے ہاتھوں میں اٹھایا تھا اور اگلے ہی پل اس کی مزید بلند ہوتیں احتجاجی چیخوں کی پرواہ کیے بغیر تیز قدموں کے ساتھ کچن سے باہر نکل گئے تھے۔

..........☆☆☆☆☆..........

بلند سسکیوں کی آوازوں پر ایک بار پھر شان نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی تھی جہاں وہ بینڈیج والے ہاتھ میں چہرہ چھپائے سسکی لینی تھی' شدید تاسف کے ساتھ اسے دیکھنے کے بعد وہ شمس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو تنے ہوئے چہرے کے ساتھ ڈرائیو میں مصروف تھے مگر بیک ویو مرر میں اسے بھی دیکھ رہے تھے جس کے رونے کی آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔

''بس کرو' گھر جا کر یہ سیلاب بہا دینا' یہاں سڑک پر واویلا مچاؤ گی تو سب یہی سمجھیں گے تمہیں اغوا کر کے لے جا رہا ہوں''۔ وہ سخت لہجے میں گھرکتے ہوئے بولے تھے۔

''مچاؤں گی واویلا اور یہیں سڑک پر مچاؤں گی' پولیس اریسٹ کر کے ڈرائنگ روم کی سیر کروائے ناں تب پتا چلے

گا آپ کو"۔ ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہ چیخی تھی اور اگلے ہی پل کھڑکی کے بند شیشے پر ہاتھ مارنا شروع کر دیا تھا۔

"کتنی دوا سے انجیکشن کا اثر دماغ پر ہو رہا ہے"۔ شان کی طرف دیکھ کر وہ اطمینان سے بولے تھے' وہ حیرانگی کے ساتھ خاموش ہی رہا تھا' دوسری جانب وہ پھر سیٹ پر سر گرائے رونے میں مصروف ہو گئی تھی۔

............☆☆☆☆☆............

اسے ٹیبلٹ وغیرہ کھلا کر آرام سے لیٹے رہنے کی تلقین کرنے کے بعد وہ نیچے آ گئیں تھیں۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے انہوں نے سوالیہ نظروں سے شان کو دیکھا تھا جو نفی میں سر ہلاتا ان کی طرف ہی آ رہا تھا۔

"اس وقت بھی سیل آف جا رہا ہے ان کا"۔ وہ بولا تھا۔

"اب کیا کروں میں' کہاں چلا گیا آخر یہ؟ جاگ رہے ہیں وہ بھی اس کے انتظار میں"۔ وہ بے طرح پریشان ہو کر بڑبڑائیں تھیں۔

لاؤنج میں داخل ہوتے شاہ رخ سے نظر ہٹا کر انہوں نے اسے دیکھا تھا جو اس کے پیچھے ہی اندر آ رہا تھا۔ تیر کی طرح وہ اس کی جانب بڑھی تھیں جبکہ شان نے شکر کی سانس لیتے ہوئے انہیں دیکھا تھا جو اپنے کمرے کی دہلیز پر رکے خطرناک سنجیدگی کے ساتھ اس کی سمت متوجہ ہوئے تھے جو کسی بھی جانب دیکھے بغیر سیڑھیوں کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"شیث! کہاں تھے تم صبح سے اب تک؟" غصیلے انداز میں بولتے ہوئے وہ رک گئیں تھیں۔ اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ وہ شوہر کی طرف بڑھی تھیں جو اسی جانب آ رہے تھے۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" وہ فوراً ہی درمیان میں آ کر انہیں روکتے ہوئے بولی تھیں۔

"پوچھنے جا رہا ہوں اس سے کہاں غائب تھے حضرت' ہمیں جہنم میں بھیج کر"۔ وہ بھڑک کر بلند آواز میں بولے تھے۔

"آپ اس وقت مت جائیں اس کے پاس' میں جا کر پوچھتی ہوں اس سے"۔ وہ ملتجی انداز میں انہیں روکتے ہوئے بولی تھیں۔

"تو پوچھو جا کر اس سے' میں یہاں پریشان بیٹھا ہوں اور وہ......" بمشکل ضبط کرتے ہوئے وہ رک کر شاہ رخ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"کہاں سے آ رہا ہے یہ' پوچھا تھا تم نے؟" وہ بولے تھے۔

"میں نے پوچھا تھا مگر انہوں نے بتایا نہیں کچھ"۔ وہ بمشکل ہی جواب دے سکا تھا' بڑے بھائی کے غصے سے ہمیشہ ہی اس کی جان نکلتی تھی۔

"بتایا ہوگا بھی کچھ تو کون سا تم مجھے بتا دو گے' ایک ہی تھالی کے ہو تم سب کے سب"۔ شدید اشتعال میں وہ اس پر برسے تھے اور اگلے ہی پل اپنے کمرے کی سمت چلے گئے تھے۔

"صبح سے ان کی کوئی خبر نہیں تھی تو تب بھی مجھے ہی باتیں سننے کو مل رہی تھیں' اب وہ آ گئے ہیں تو بھی مجھ پر غصہ نکالا جا رہا ہے......ایک میں ہی ملتا ہوں یہاں بھڑاس نکالنے کیلئے"۔ شدید ناراضی کے ساتھ بولتے ہوئے شاہ رخ وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔

"اس کا دماغ تو میں ٹھکانے لگاتی ہوں جا کر اور تم ذرا خیال رکھنا وہ اوپر نہ آئیں"۔ شان سے کہتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئیں تھیں۔

"کیا حرکت کی ہے یہ تم نے' صبح سے کہاں تھے تم' بتاؤ مجھے......؟" وہ سخت لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھیں جو

تنے ہوئے چہرے کے ساتھ کمرے کے وسط میں کھڑا ان کی طرف ہی متوجہ تھا۔

"جہنم میں گیا تھا جا کر انہیں بھی بتا دیں"۔ وہ بمشکل ضبط کرتے ہوئے بولا تھا۔

"ہوش میں ہو تم یا نہیں' صبح سے پریشان کر کے رکھ دیا ہے' ایسی بھی کون سی قیامت آ گئی تھی جو تم اس طرح گھر سے نکل گئے اور اب واپس آ رہے ہو' تم جانتے ہو اپنے بھائی کو' کتنی مشکلوں سے میں انہیں ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتی رہی ہوں' باتیں تو مجھے ہی سننی پڑتی ہیں ناں"۔ وہ گھرکنے والے انداز میں بولی تھیں۔

"پہلے ہی وہ سارہ سے بدظن ہیں اور آج تمہارے اس طرح غائب ہو جانے پر وہ اور اس سے متنفر ہو گئے ہوں گے اب تو ایک ہی راستہ رہ گیا ہے کہ میں اُسے اس گھر سے ہی نکال کر کہیں اور بھیج دوں"۔ وہ بولی تھیں۔

"وہ یہاں سے اب کہیں اور نہیں جائے گی اور اگر وہ یہاں سے گئی تو اس سے پہلے میں اس گھر سے نکل جاؤں گا"۔ وہ فوراً ہی بگڑے انداز میں بولا تھا۔

"یہ بات جا کر تم اپنے بھائی سے کہو' سارہ کا اس گھر میں ایک دن بھی رہنا دشوار ہو جائے گا' کم از کم میں تو اسے اس طرح یہاں نہیں رہنے دوں گی' میرے ماں باپ ایسے گئے گزرے نہیں تھے' اللہ کا شکر ہے اتنا کچھ پیچھے چھوڑ گئے ہیں کہ وہ عزت کے ساتھ کسی اور چھت کے نیچے رہ سکتی ہے"۔ وہ بولیں تھیں۔

"آپ بتائیں میں کیا کر رہا ہوں' بات تک تو کرتا نہیں ہوں ان کے سامنے' پہچانتا تک نہیں ہوں اسے کہ کہیں انہیں ناگوار نہ گزرے' مگر آج جو ہوا ہے وہ آپ برداشت کر سکتی ہیں میں نہیں کر سکتا"۔

"کیا ہوا ہے آج' بتاؤ مجھے ہوا کیا ہے؟" اس کی بات کاٹ کر وہ بولیں تھیں جواباً وہ سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

"جو بھی ہوا وہ ایک حادثہ تھا' انہوں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا' سارہ مجھے سب بتا چکی ہے"۔

"اس نے آپ کو کیا بتایا کیا نہیں یہ آپ مجھے مت بتائیں' جو کچھ میں سن چکا ہوں جو دیکھ چکا ہوں اس کے بعد مجھے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں ہے"۔ وہ ان کی بات کاٹ کے بولا تھا۔

"جب میں کہہ رہی ہوں کہ انہوں نے جان بوجھ کر وہ سب نہیں کیا تھا تو تم سمجھتے کیوں نہیں ہو"۔ وہ سخت لہجے میں بولیں تھیں۔

"یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ بات اگر سارہ کی ہو تو وہ سب کچھ کر سکتے ہیں' ان سے کچھ بعید نہیں ہے"۔ وہ شدید ناگوار انداز میں بولا تھا۔

"اگر تم سمجھتے ہو کہ ایسا ہے تو ٹھیک ہے' اس کے بعد کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم دور رہو اس سے' مت پرواہ کرو اس کی' مت ہلکان کرو خود کو اس کیلئے۔ جو تمہارا بھائی چاہتا ہے تم اسی پر عمل کرو' مگر خدا کے لیے شیث! صرف کچھ عرصے کیلئے سکون کے ساتھ میری بہن کو میرے ساتھ رہنے دو"۔ وہ عاجز آ جانے والے انداز میں بولیں تھیں۔

"بھابی! یہ آپ کہہ رہی ہیں مجھ سے' سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ مجھ کیسے یہ سب......" شدید بے یقینی سے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اس نے سدرہ کو دیکھا تھا جو نظر چرا گئیں تھیں۔

"آپ کے شوہر کے احکامات ان کی پابندیاں کم ہیں کیا جو اب آپ بھی......" شدید تاسف کے ساتھ وہ پھر بات مکمل نہیں کر سکا تھا' بس شکایتی نظروں سے انہیں دیکھتا سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ دوسری جانب وہ بھی مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر سکیں تھیں' دروازے کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

............☆☆☆☆☆............

شدید تکلیف اور بے چینی کی وجہ سے اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی' ہاتھ اور پیر پر پڑنے والے آبلوں میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ ناقابل برداشت ہوتی جلن پر اس نے ہاتھ سے بینڈیج اتارنی شروع کر دی تھی' ایک نظر کھڑکی کی جانب ڈال کر اس نے قریب سوئی ہوئی ہنی کو دیکھا تھا اور پھر دھیرے سے بیڈ سے اتر گئی تھی۔

ہاتھ پر دوپٹے کا پلو ڈالتے ہوئے اس نے کھڑکی کا پردہ سرکایا تھا' دوسری جانب اس کے بے حد سنجیدہ چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے وہ حیران نہیں ہوئی تھی' جبکہ وہ بس سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو اَب کھڑکی کا گلاس ایک طرف ہٹا رہی تھی' تکلیف کے آثار اس کے چہرے کے ایک ایک نقش سے نمایاں ہو رہے تھے۔

''اب اس طرح چہرہ سوجائے کیوں کھڑے ہو؟ حسرت ہی رہ گئی کبھی تو یہ چاند مسکراتا ہوا میری کھڑکی میں طلوع ہو''۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولی تھی۔

''کیا واقعی مجھے مسکرانا چاہیے؟'' وہ اسی سنجیدہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

''شیث! ہر چیز کو منفی پہلو سے مت دیکھا کرو' بندے کو اتنا بھی پوزیسو نہیں ہونا چاہیے''۔ وہ گہرا سانس لے کر بولی تھی۔

''میں اگر تمہارے لئے پوزیسو ہوں تو اس کی بہت ساری وجوہات ہیں' بھابی کی طرح اب تم بھی کہہ دو کہ تمہاری پرواہ کرنا بھی چھوڑ دوں''۔ وہ بولا تھا۔

''آپی نے تم سے ایسا کچھ کہا ہے؟'' وہ حیرت سے پوچھ رہی تھی' جواباً وہ بس ناگواری سے سر جھٹک کر رہ گیا تھا۔

''غصے میں انہوں نے ایسا کہہ دیا ہوگا' تم جانتے ہو وہ کتنی پریشان تھیں' تمہیں ضرورت کیا تھی اس طرح چلے جانے کی؟'' وہ بولی تھی۔

''ضرورت اس لئے تھی کہ نہ تو میں تمہاری تکلیف دیکھ سکتا تھا اور نہ ہی اپنی بے بسی کا سامنا کرنا چاہتا تھا''۔ وہ بگڑے انداز میں بولا تھا۔

''شیث! انہوں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا تھا میں تو خود ہی......''

''تم بھابی کی آنکھوں پر پردہ ڈال سکتی ہو مگر میری آنکھوں پر نہیں' اس لئے مجھے یہ سب نہ بتاؤ''۔ وہ تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا تھا جواباً وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''بہت زیادہ تکلیف ہو رہی ہے؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ پوچھ رہا تھا۔

''نہیں...... بہت زیادہ نہیں''۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ تمہاری یہ مسکراہٹ تمہاری تکلیف کو مجھ سے چھپا کر مجھے مطمئن کر دے گی تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے تمہاری''۔ وہ بغور اس کے اُترے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا تھا جواباً وہ خاموش ہی رہی تھی۔

''اپنا ہاتھ دکھاؤ مجھے''۔ اس کے دوپٹے میں چھپے ہاتھ کی جانب دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''نہیں' میں نہیں دکھاؤں گی ورنہ یہ جو تمہارا چہرہ ہے ناں مزید لٹک جائے گا''۔ وہ فوراً ہی بولی تھی۔

''سارہ! مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ''۔ اس کی بات اَن سنی کیے وہ سنجیدگی سے دوبارہ بولا تھا۔

''توبہ ہے''۔ کچھ خفگی سے اسے گھورتے ہوئے سارہ نے دوپٹہ ہاتھ پر سے ہٹا کر اسے دیکھا تھا جس کے چہرے کے تاثرات مزید تن گئے تھے' لب بھینچے وہ اگلے ہی پل اس کے ہاتھ سے نظر ہٹا گیا تھا۔

''لو...... میں نے تو اس امید پر ہاتھ آگے کیا تھا کہ تم میرا ہاتھ پکڑ کے جائزہ لو گے''۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے وہ مایوسی کے ساتھ شکایت کر رہی تھی۔

''ایسا کرنے سے تمہاری تکلیف کم ہو جائے گی؟'' اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

''ہاں...... بالکل ایسی ویسی''۔ اس کے فوراً ہی کہنے پر اس تمام عرصے میں پہلی بار وہ بس ایک پل کیلئے ہلکا سا مسکرایا تھا۔

''لاؤ پھر دو اپنا ہاتھ''۔ وہ بولا تھا۔

''رہنے دو اب بول بول کر رومانس کروایا تو کیا فائدہ''۔ ہاتھ دوپٹے میں چھپائے وہ مصنوعی ناراضی سے بولی تھی۔

''ڈاکٹر کے پاس گئیں تھیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''ہاں......وہی لے کر گئے تھے زبردستی اٹھا کر یونانی دیوتا''۔ بولتے ہوئے وہ دھیرے سے ہنسی تھی۔

''اب کیا سوچنے لگے ہو؟'' اس کی خاموشی پر وہ بولی تھی۔

''ایک ہی بات کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا ہوں' بار بار ایک ہی منظر سامنے آ رہا ہے' تمہارے لئے ان کا دل کس حد تک سخت ہے آج مجھے اندازہ ہو گیا ہے......''

''پھر وہی بات''۔ عاجز ہو کر سارہ نے اس کی بات کاٹی۔

''غلطی میری بھی تو ہے' انہوں نے صرف غصے میں میرا ہاتھ جھٹکا تھا' مجھے بھی تو ان سے خوامخواہ کی بحث نہیں کرنی چاہیے تھی''۔ وہ بول رہی تھی۔

''مگر میں بھی کیا کرتی وہ بات ہی اس طرح کرتے ہیں کہ......اور پھر ان سے منہ ماری کیے بغیر میں بھی نہیں رہ سکتی' ویسے تو مجھ سے وہ بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تو اب اسی طرح ہی انہیں جلا بھنا کر اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہوں''۔ اس کے کہنے پر شیث نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''میرا خیال ہے تم جا کر سو جاؤ' تمہیں آرام کی ضرورت ہے''۔ حیرانگی سے اسے دیکھ کر تلقین کرتے ہوئے شیث نے خود ہی کھڑکی کا گلاس سرکاتے ہوئے بند کر دیا تھا' جس پر دھیرے سے ہنستے ہوئے سارہ نے پردہ بھی پھیلا دیا تھا۔

............☆☆☆☆☆............

میرے سامنے والی کھڑکی میں
ایک چاند سا مکھڑا رہتا ہے
میرے سامنے والی کھڑکی میں......

ٹی وی سے نظر ہٹائے وہ خشمگیں نظروں سے شان کے مسکراتے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو اَب اخبار اٹھائے گنگناتے ہوئے ہی سامنے والے صوفے پر بیٹھ رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ اس گھر میں جاسوس بھی رہتے ہیں''۔ شان کو گھورتے ہوئے اس نے کہا تھا جواباً اس نے ہنستے ہوئے اخبار چہرے کے سامنے پھیلا دیا تھا۔

وسلنگ کرتے ہوئے وہ لاؤنج میں آیا تھا' ایک نظر اس نے شان پر ڈالی تھی جو اخبار کی ورق گردانی میں مگن تھا' نیچے کارپٹ پر ڈرائنگ بک پر جھکی ہنی کی پونی اس نے کھینچی تھی' اس کی احتجاجی آوازوں پر سارہ نے ٹی وی سے نظر ہٹا

کراس کی سمت متوجہ ہوئی تھی۔

''بالکل اپنے باپ پر گئی ہے''۔ اس کی پونی چھوڑتے ہوئے شاہ رخ نے اسے گھورا تھا اور پھر شان کی سمت پلٹا تھا۔

''اِدھر دو اخبار' خوامخواہ کی شو نہ مار''۔ شان سے اخبار جھپٹ کر وہ سارہ کی سمت آیا تھا جبکہ وہ بس ناگواری سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی' جو کچھ فاصلے پر چہرے پر شرارت سجائے بیٹھ رہا تھا۔

''سنئے! آپ ہنستے ہوئے کیسی لگتی ہیں؟'' اخبار ایک طرف ہٹائے وہ اب معصومیت کے ساتھ پوچھ رہا تھا جبکہ وہ بس ناگواری سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ویسے آپ نے میری آفر پر غور تو کیا ہوگا' تو پھر میں رشتہ پکا سمجھوں؟'' اس کے شرمائے شرمائے انداز پر سارہ نے کوفت کے ساتھ مدد طلب نظروں سے شان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''آپ یقین کریں میری تو نیندیں اُڑ چکی ہیں' ساری ساری رات جاگ کر بس آپ کے بارے میں ہی سوچتا ہوں''۔ وہ بہت سنجیدگی کے ساتھ اعتراف کر رہا تھا جبکہ سارہ کی آنکھیں پھٹنے لگی تھیں۔

''یہ سچ کہہ رہا ہے سارہ! آج بھی یہ بارہ بجے سو کر اٹھا تھا''۔ شان نے اطلاع دی۔

''ابے تو چپ کر نہ یار!'' شاہ رخ نے تلملا کر اسے ٹوکا تھا۔

''او کے' کیری آن''۔ مسکراہٹ چھپا کر بولتے ہوئے شان نے نامحسوس انداز میں سامنے کمرے میں موجود سدرہ کو ہلکا سا اشارہ کیا تھا تو وہ چونکتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

''یقین کریں یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے' کتنی اچھی بات ہوگی کہ ایک ہی گھر میں آپ کا میکہ ہوگا اور ایک ہی گھر میں سسرال' ایک ٹکٹ میں دو فائدے پہنچیں گے آپ کو''۔ اپنی دھن میں بولتے ہوئے وہ رُکا تھا جب سدرہ کا کرارا ہاتھ اس کے سر پر پڑا تھا۔

''کوئی شرم نہیں' کوئی حیا نہیں' بس لگے ہو ہانکنے میں''۔ چڑھے تیوروں کے ساتھ سدرہ نے پھر اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے سارہ کے پاس سے ہٹایا تھا۔

''کیا ہوگیا' بھڑک کیوں رہی ہیں' میں تو عیادت کر رہا تھا ان کی' دیکھیں ان بے چاری کا ہاتھ جل کے کتنا خوبصورت ہوگیا ہے' آپ تو پوچھتی نہیں اسے کیا ہم بھی نہ پوچھیں' اب ایسے بھی انسانیت سے نہیں گرے ہوئے''۔ وہ لڑنے والے انداز میں بولا تھا۔

''ہاں میں سن رہی تھی کہ کس طرح عیادت کر رہے تھے تم''۔ وہ مزید اسے گھورتے ہوئے بولیں تھیں۔

''رہنے دیں بس' آپ کا بس چلے تو ہمارا سایہ بھی اپنی بہن پر نہ پڑنے دیں' اور خود تو میرے بھائی پر سالوں سے قبضہ کر کے بیٹھی ہیں' دومنٹ میں میرے بھائی کا کمرہ خالی کریں آپ...... اور تم کیا دیکھ رہی ہو مجھے' کتنی بار سمجھایا ہے کہ میری نظروں کے سامنے رہا کرو تم...... دل نہیں لگتا تمہارے بغیر میرا......'' سدرہ سے لڑتے ہوئے اس نے سارہ کو ہدایت دی تھی مگر اگلے ہی پل کرنٹ کھا کر وہاں سے بھاگا تھا کیونکہ سدرہ چپل اٹھائے اس کے پیچھے ہی بھاگی تھیں' ان کے پیچھے ہی شان ہنستا ہوا گیا تھا' جبکہ وہ دنگ بیٹھی رہ گئی تھی' زندگی میں پہلی بار اس نے اس طرح اپنی بہن کو بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

سعدیہ عابد

افسانہ

میرے بخت کا تاج

''ماہرہ! تم پلیز مما سے بات کرو نہ مجھے شادی نہیں کرنی''۔ میں نے خود سے 2 سال بڑی بہن سے ملتجی لہجے میں کہا تو اس کی پُرتجسس سوالیہ نگاہیں میرے چہرے پر آٹکیں اور میں جو پہلے ہی اکتائی ہوئی تھی' میری اکتاہٹ مزید بڑھنے



لگی اور میرے لہجے میں خودبخود چڑچڑاپن آ گیا۔

"تم مما سے بات کرو گی یا میں خود کر لوں؟"

"میں مما سے کیا بات کروں گی؟"

"یہی کہ مجھے شادی نہیں کرنی"۔ میں اس کے ٹھہرے ہوئے لہجے پر چبا چبا کر بولی کہ میں اس سے کب سے ایک صاف بات کہہ رہی ہوں پھر اس کا سوال میرے دماغ کو گھمائے گا ہی اور ہوا بھی ایسا اور اس نے نیا سوال اپنے مخصوص انداز میں کیا تو میں بری طرح تلملا گئی۔

"شادی نہیں کرنی یا ورسلان احمد سے نہیں کرنی؟"

"بات ایک ہی ہے"۔

"بات ایک نہیں ہے اسی لئے تو کہہ رہی ہوں"۔

"پلیز ماہرہ! میں پہلے ہی ٹینس ہوں"۔ میری ہمت جواب دے گئی' آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے۔

"فار گاڈ سیک ساہرہ! کیوں بلاوجہ ٹینس ہو رہی ہو اور مجھے بھی کر رہی ہو' آخر کیوں نہیں کرنی شادی کوئی وجہ بھی تو پتہ چلے؟" ماہرہ کی بھی ہمت جواب دے گئی۔

"میں اپنے کلاس فیلو راغب سے شادی کرنا چاہتی ہوں"۔ بلی بالآخر تھیلے سے نکل ہی آئی۔

"مما کبھی نہیں مانیں گی کہ انہوں نے تمہارا رشتہ ورسلان بھیا کے ساتھ تقریباً طے ہی کر دیا ہے"۔ ماہرہ نفی میں سر جھٹکتے ہوئے بولنے لگی۔

"تم بات کرو نہ مما سے' وہ تمہاری بات سن لیں گی اور تم تو ورسلان بھائی سے بھی بات کر سکتی ہو کہ ان سے تمہاری کافی بات چیت ہے"۔ اب میں بہن کو ملتجی نگاہوں سے دیکھتی' اس کے ہاتھ تھام گئی۔

"مما تک تو ٹھیک ہے لیکن میں ورسلان بھیا سے بات نہیں کر سکتی کہ میری ان سے صرف بات چیت ہے' اتنے دوستانہ مراسم نہیں ہیں اور ان سے تو مجھے کسی حد تک ڈر سا بھی لگتا ہے' مجھ سے زیادہ تو تم ان سے فرینکلی انداز میں بات کر لیتی ہو"۔

"ہاں کر لیتی ہوں' اب لیکن منہ اٹھا کر خود ہی اس سے شادی کرنے سے انکار تو نہیں کر سکتی نا' اس لئے تمہاری مدد مانگ رہی ہوں اور تم ہو کہ اپنے ہی واہمات کا شکار ہو' میری خاطر مما کو راضی نہیں کر سکتیں؟ مگر کوشش تو کر سکتی ہو' میرا انکار ہی کم از کم ان تک اور ورسلان تک پہنچا دو"۔ میں نے ماہرہ کو غصیلی نگاہوں سے دیکھا۔

"اچھا...... بابا ناراض نہ ہو' میں مما سے بات کروں گی لیکن ورسلان بھیا سے نہیں' یہ یاد رکھنا اور ذرا اپنے راغب صاحب کے بارے میں بھی تو کچھ بتاؤ تاکہ میں مما کو مطمئن کر سکوں"۔ ماہرہ نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا تو میں بھی مسکراتے ہوئے اسے راغب علی کے بارے میں بتانے لگی۔

"راغب' میرا کلاس میٹ ہے اور اس نے مجھے پرپوز کیا ہے' راغب کے فادر بزنس مین ہیں اور اس نے ہی ان کا بزنس سنبھالنا ہے کہ وہ اکلوتی اولاد ہے' راغب کی مدر ہاؤس وائف ہیں' میں راغب کو فرسٹ ایئر سے ہی لائیک کرتی ہوں اور اس کے پرپوز کرنے پر مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی تھی' اس لئے چاہتی ہوں کہ تم مما سے راغب کی بات کرو' مما اگر ابھی پوزیٹو جواب دیں تو راغب کے پیرنٹس کل رشتہ لے کر آ جائیں گے کہ اس نے اپنے پیرنٹس کو میرے بارے میں بتا دیا ہے اور وہ بیٹے کی پسند دیکھنے پر اشتیاق مند ہیں"۔ میں نے اسے ساری تفصیل بتائی۔

"او کے...... مما سے بات کروں گی تم جا کر سو جاؤ کہ مجھے بھی نیند آ رہی ہے"۔ میں اس کے اقرار پر خوش ہوتی' خوشی سے اس کا رخسار چومتی گڈ نائٹ کہہ کر روم سے نکل آئی۔

ماہرہ اور ساہرہ دو ہی بہنیں ہیں جب ماہرہ محض گیارہ برس کی تھی' صدیقی صاحب روڈ ایکسیڈنٹ میں چل بسے' پہاڑ جیسی زندگی دو چھوٹی چھوٹی بچیوں کے ساتھ طاہرہ صدیقی نے بہت مشکل سے گزاری' طاہرہ پیشہ کے لحاظ سے گائنا کولوجسٹ تھیں' شادی سے قبل دو سال تک اس پیشے سے وابستہ رہیں لیکن صدیقی صاحب کے انکار اور پسند کو دیکھتے ہوئے وہ مکمل ہاؤس وائف بن گئیں' مگر شوہر کی موت کے بعد انہوں نے ان کا بزنس اپنے اکلوتے بھائی کے حوالے کر

خود انہوں نے ہاسپٹل جوائن کر لیا اور دو سال کی پریکٹس کے بعد انہوں نے اپنا ذاتی کلینک کھول لیا' طاہرہ کا تعلق متوسط طبقے سے تھا' صدیقی صاحب نے ان سے لو میرج کی تھی' طاہرہ کے اکلوتے بھائی ارسلان احمد' ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتے تھے' صدیقی صاحب کے کوئی بھائی بہن تھے نہیں' فادر کی بھی ڈیتھ ہو گئی تھی' اس لئے ارسلان احمد نے ...وئی کے بزنس کو سنبھال لیا' ارسلان احمد اور ان کی بیوی فوزیہ ...نوں ہی خدا ترس اور دوسرے کا احسان ماننے والے ہیں' ...ہوں نے بزنس کو اپنی قابلیت سے ترقی دی مگر آج بھی وہ ...ں پر بہن کا ہی حق سمجھتے ہیں مگر طاہرہ صدیقی بھی نیک فطرت خاتون ہیں' پیسے اور محنت دونوں کی ہی قدر جانتی ہیں ...یہ بات مانتی ہیں کہ سرمایہ ان کا ہے تو محنت ساری ارسلان ...کی ہے اس لئے 50 پرسنٹ شیئرز انہوں نے ارسلان احمد کے نام کر دیئے اور اب جتنا بھی لوس اور بینیفٹ ہوتا ہے وہ ...نوں کو 50،50 ملتا ہے اسی طرح وہ ماہانہ بھی آدھا حصہ بہن ...کو دیتے ہیں' دونوں کے ہی دل و نیت صاف ہیں تو روز بہ روز ...ترقی ہی کر رہے ہیں ماہرہ یونیورسٹی سے بی اے کر رہی ہے اور ...ماہرہ بی کام کر رہی ہے' ماہرہ کی منگنی طاہرہ کی اکلوتی دوست ...ہید کے اکلوتے بیٹے دانش تیمور سے 6 ماہ قبل ہی ہوئی ہے ...دی اس کے فائنل ایئر کے بعد ہو گی کہ اس کا لاسٹ ایئر ...ل رہا ہے' ارسلان احمد کا ایک ہی بیٹا ورسلان احمد ہے' ...سلان' ماہرہ سے پورے 4 سال بڑا ہے' سنجیدہ اور کم گو اور ...سی حد تک غصیلا! ورسلان نے بزنس ایڈمنسٹریشن کی ڈگری ...لے اور باپ کے ساتھ بزنس سنبھال رہا ہے ارسلان اور ...زیہ کی خواہش تھی کہ ماہرہ ان کی بہو بنے جبکہ طاہرہ چھوٹی ...کی طرف سے زیادہ فکرمند ہیں کہ وہ باپ کی طرح غصہ ور ...ضدی ہے' اس کے برعکس ماہرہ کم گو سنجیدہ مزاج کی بردبار ...لی ہے' وہ بہن کی طرح نہ ضدی ہے نہ اوٹ پٹانگ حرکتیں ...کرنے والی شوخ و چنچل ہے' اسی لئے طاہرہ کی خواہش ہے کہ ...ورسلان کی شادی ساہرہ سے ہو' اسی لئے جب دانش کا پرپوزل ...آیا تو انہوں نے بھائی سے بات کی اور انہوں نے جب اپنی ...خواہش کا اظہار کیا تو وہ صاف کہہ بیٹھیں۔

"ارسلان بھیا! ناہید نے مجھ سے کافی برس پہلے ہی کہہ دیا تھا' جب ماہرہ محض انٹر میں ہی تھی' میں نے اگرچہ اس وقت نہ مثبت نہ ہی منفی کسی قسم کا ری ایکٹ نہیں کیا تھا اور اب اس نے دوبارہ بات کی ہے تو مجھے رشتہ ٹھیک ہی لگتا ہے کہ دانش ہر لحاظ سے ماہرہ کے لئے پرفیکٹ ہے' ہاں دانش کو میں ورسلان پر فوقیت نہیں دے سکتی' لیکن ساہرہ بھی تو ہے' ماہرہ اور ساہرہ میں تو کوئی فرق نہیں ہے' آپ سوچ لیں اگر آپ کو ایسا مناسب لگے تو ٹھیک ہے"۔

"دونوں بچیاں ہمارے لئے ایک جیسی ہیں اور اچھا ہی ہے دونوں دیکھے بھالے لوگوں میں ہی چلی جائیں گی' ناہید کی فیملی کو تو ہم برسوں سے ہی جانتے ہیں' اس لئے تم ماہرہ کے لئے دانش کا پرپوزل ایکسپٹ کر لو اور ساہرہ پھر ہماری"۔ فوزیہ احمد صحیح معنوں میں بھابی سے بڑی بہن اور ماں ثابت ہوئی تھیں' زندگی کے ہر ایک معاملے میں اور اسوقت بھی نرمی سے بولیں جبکہ ماہرہ کو اپنے بیٹے کے حوالے سے اپنے گھر میں جاگتی آنکھوں سے ہنستے مسکراتے دیکھ چکی تھیں' مگر ساہرہ بھی ان کو کم عزیز نہیں ہے کہ بیٹی کی کمی انہوں نے چھوٹی نند کی بیٹیوں سے ہی تو بھری ہے۔

"لیکن بھابی جان! میں ابھی ساہرہ کی بات نہیں کرنا چاہتی کہ اس میں ابھی بچپنا ہے اور کم از کم گریجویشن ہو جائے تب اس سلسلے کو اٹھانا چاہوں گی' ماہرہ کی بات بھی ابھی اس لئے کر رہی ہوں کہ ناہید بہت فورس کر رہی ہے اور دانش پریکٹس اور کورس وغیرہ کے سلسلے میں سال بھر کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہے تو وہ بیٹے کو رشتے میں جوڑ دینا چاہتی ہے ورنہ تو میں ماہرہ کے تعلیم مکمل ہونے تک اس سلسلے کو اٹھانا بھی نہیں چاہتی تھی مگر ناہید کے آگے مجبور ہو رہی ہوں"۔

"اللہ کا نام لے کر منگنی کرو' باقی جو ہماری ماہرہ بیٹی کا نصیب اور ماہرہ سے پوچھا ہے کہ نہیں؟"

"ہاں معلوم کیا تھا اس نے ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال دی ہے' صحیح کہتے ہیں بھیا کہ نیک اولاد سکون و راحت کا باعث ہوتی ہے"۔ وہ مطمئن سی مسکرائیں تو وہ

دونوں بھی مسکرا دیئے کہ ان کا بیٹا بھی تو ان کا بہت نیک و فرمانبردار ہے۔ منگنی کے بعد دانش انگلینڈ چلا گیا' 6 ماہ بعد ہی سے ناہید نے شادی کا کہنا شروع کر دیا تو انہوں نے بھی تیاریاں شروع کر دیں اور ارسلان احمد نے بھی کہا کہ وہ ساتھ ہی ساہرہ کی بھی شادی کر دیں کہ ان کا بیٹا تو اب اسٹیبلش ہو چکا ہے' اور وہ بیٹی کو بھی سمجھتی ہیں کہ گریجویشن سے آگے پڑھنے کا اس کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے' اس لئے انہوں نے ورسلان کے پرپوزل کا اسے بتا کر اس کی رائے پوچھی اور وہ ماں سے کچھ کہے بغیر اٹھ گئی' راغب سے بات کی اور اس کے مشورے ہی پر اس نے ماہرہ کے ذریعے بات ماں تک پہنچائی' طاہرہ صدیقی کو تکلیف تو ہوئی مگر بیٹی کی خوشی کے خیال سے راغب سے ملیں اور وہ بیٹی کے قابل لگا تو ایک بار پھر بھائی کے پاس جا پہنچیں اور ساری بات بتائی اور انہوں نے تو شکر ہی ادا کیا کیونکہ ورسلان نے تو صاف ساہرہ سے شادی سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے اب بہن کو تو انکار کر نہیں سکتے تھے' اس کے مجبوری ظاہر کرنے پر ان پر برائی آنے سے بچ گئی اور انہوں نے خود راغب اور اس کے فادر سے مل کر سارے معاملات طے کیے اور یوں ماہرہ کے ساتھ ساہرہ کی بھی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں' ماہرہ تو نارمل ہی ہے کہ اس نے منگنی کے بعد ایک دفعہ بھی دانش سے نہ خود بات کی نہ اس نے رابطہ کیا' لیکن ساہرہ کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں پڑ رہے اور اس کی سنہری رنگت میں گھلی سرخیاں' طاہرہ صدیقی کو ان کے فیصلے پر اطمینان دلانے کے ساتھ ان کی خوشیوں کے لئے بھی دعا مانگنے اور مانگتے رہنے پر مجبور کر رہی ہیں کہ ان کی بیٹی کی خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے' خوشیوں کو نظر لگی ضرور لیکن ساہرہ کی نہیں ماہرہ کی...... اور وہ ہو گیا جس کا کسی نے سوچا تو کیا تصور بھی نہیں کیا تھا' مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے؟ کوئی نہیں...... کوئی بھی نہیں۔

☆

"ماہرہ کو میں نے ہمیشہ بیٹی سمجھا ہے طاہرہ! اس لئے میری نیت پر شک مت کرو' تمہیں دھوکا دینا ہوتا تو آج یوں سر جھکائے اپنے بیٹے کی اصلیت نہ بتا رہی ہوتی" ناہید کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"تمہاری نیت پر شک نہیں کر رہی' تمہاری تو میں بہت مشکور ہوں کہ تم نے مجھے ساری حقیقت بتائی مگر اب خود ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں دنیا کا سامنا کیسے کروں گی بارات نہیں آئے گی تو......" حلق میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹک گیا اور وہ بے اختیار ہو کر بلک اٹھیں۔ دانش نے انگلینڈ میں شادی کر لی تھی' ناہید اس سے انجان ہی تھیں' بیٹے کے کمرے میں اس کی شیروانی وغیرہ رکھنے گئیں تو الماری چوپٹ کھلی ہوئی تھی' بند کرتے ہوئے پہلے بکھرا ہوا سامان اندر رکھا اور ایک پیکٹ ان کے قدموں میں آ گرا وہ تصویریں تھیں' ان کے بیٹے کے ساتھ ایک فارمر لڑکی اور چند ایک تصاویر میں ایک ڈیڑھ سال کا خوبصورت گول مٹول بچہ' اسی وقت دانش واش روم سے آ گیا اور اس نے ماں کو ساری سچائی بتا دی کہ وہ جب پڑھائی کے سلسلے میں گیا تھا شادی جب ہی ایک سال بعد کی تھی اور وہ بیوی سے ملنے کے لئے ہی کورس کی آڑ میں گیا تھا' وہ انہیں امامہ کے بارے میں بتانا چاہتا تھا مگر نہیں بتا پایا' امامہ کرسچن تھی جو دو سال قبل شادی کے بعد مسلمان ہوئی ہے جب ناہید کو بیٹے کی شادی کا پتہ چلا تو انہوں نے دھوکے سے شادی کرنے کی بجائے میاں کے ساتھ آ کر خود طاہرہ صدیقی کو ساری سچائی بتا دی۔

"یو ڈونٹ وری طاہرہ! برات آئے گی اور ماہرہ کی آج ہی شادی ہوگی' دانش سے نہیں ورسلان سے......" دونوں میاں بیوی جو حیرت و دکھ سے بت بن گئے تھے' اس وقت بھی انہوں نے خود کو سنبھالا اور بہن کا سہارا بن گئے اور وہ بھائی کے کاندھے سے لگی بلک اٹھیں' کچھ ہی دیر میں ناہید شوہر کے ساتھ دل گرفتہ سی لوٹ گئیں۔

"بھیا! ورسلان کیا وہ مان جائے گا؟" خدشات نے سر ابھارنا شروع کر دیا۔

"ہاں"۔ بھائی کا پریقین لہجہ انہیں چونکا گیا اور جب تفصیل انہوں نے بتائی وہ ان دونوں ہی بہن بھائی کو مطمئن کر گئی اور جب ماہرہ کو پتہ چلا تو وہ صاف انکاری ہو گئی۔

"مما پلیز...... مجھے ورسلان بھیا سے شادی نہیں کرنی ہے......" نکاح سے قبل بتانا ضروری تھا اس لئے انہوں نے ذکر کیا' مگر وہ تو جیسے کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھی اور اندر آتی مامی جان کو دیکھ وہ چپ ہو گئی۔

"نکاح خواں آ گئے ہیں"۔ انہوں نے بلا لینے کو کہہ دیا۔

"مما پلیز! مجھے یہ نکاح......"

"اپنی مما پر بھروسہ رکھو"۔ وہ اس وقت کچھ بھی سمجھانے کی پوزیشن میں نہ تھیں اس لئے نم لہجے میں مختصراً کہا اور اس کی پیشانی چوم لی اس نے روتے دل' برستی آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں سے نکاح نامے پر سائن کر دیئے۔

"جس شخص کو ہر ایک دعا میں مانگا' وہ مجھے یوں احسان و مجبوری کی صورت ملے گا تصور بھی نہ کیا تھا"۔ وہ جو رونے پر آئی تو اس نے ان سب کے ہی جیسے دل دہلا کر رکھ دیئے' رخصتی ان تینوں نے ہی متفقہ فیصلے سے کچھ ماہ بعد جب وہ اس رشتے کو دل و ذہن سے آمادہ کر لیتی' کر لینے کا سوچا تھا مگر ورسلان احمد نے ابھی رخصتی کی فرمائش کر ڈالی تو وہ تینوں ہی خاموش ہو گئے کہ یہ نیک کام آج نہیں تو کل ہونا تو ہے تو آج ہی کیوں نہیں۔

☆

"ورسلان! ہم آج رخصتی کے حق میں اس لئے نہ تھے کہ ماہرہ کو خود کو سنبھالنے کے لئے کچھ وقت چاہیے ہوگا' مگر تمہاری ضد کہیں یا مجبوری اس کے آگے ہار گئے' مگر اب تم نے ماہرہ کا پورا خیال رکھنا ہے' اس کی خوشی اور مرضی کو اہمیت دینی ہے' تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی ماما! اور بے فکر رہئے کہ آپ کو یا پھپھو جانی کو میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی' رخصتی کچھ ماہ بعد بھی ہو سکتی تھی' لیکن جب امپورٹنٹ فرض ادا ہو گیا تھا تو باقی سب تو فارمیلٹیز ہی ہیں' بٹ آپ کو یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا تو میں گیسٹ روم میں سو جاتا ہوں' جب تک ماہرہ سیٹ نہیں ہو جاتی"۔ وہ نہایت سنجیدگی سے بولا جو اس کی شخصیت کا خاصہ ہے۔

"نہیں اب اتنا ظلم تو نہیں کیا جا سکتا تم پر' اس لئے اپنے کمرے میں جاؤ"۔ ارسلان احمد کے ڈھیر سے مگر شرارتی لہجے پر وہ جھینپ گیا۔

"یہ بہو کا گفٹ ہے' اپنی طرف سے دے دینا"۔ انہوں نے خوبصورت کیس بڑھایا تھا جسے لئے وہ ان دونوں کو شب بخیر کہتا اپنے کمرے میں چلا آیا' اس کا کمرہ روز ہی کی مانند ہے اور وہ جو ایک خوبصورت سجاوٹ کے اضافے کو سوچتا ہوا آیا تھا اس کو نہ پا کر کچھ مایوس سا ہی لگا' تقریباً دس منٹ بعد وہ واش روم سے نکلی' دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں' اس نے شرمندگی سے نگاہ چرائی اور وہ اس کو دیکھنے لگا' پنک ایمبرائیڈ لان کے سوٹ میں وہ کافی اداس و پژمردہ سی دکھائی دے رہی ہے' مشہد رنگ بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپ ٹپ اس کی پشت پر گرتیں' پشت کو گیلا کرنے کا سبب بن رہی تھیں' اس کی نگاہوں کی تپش اسے گڑبڑانے' کنفیوژ کرنے کے ساتھ جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرنے لگی جبکہ ورسلان احمد اس کا جائزہ لیتا ہوا قدم بڑھاتا اس کے بہت قریب آ رکا' اور اس کو دور ہٹتے دیکھ بازو سے تھام کر اپنے مقابل کیا اور وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بلک اٹھی' اور وہ اسے معمول کی طرح دیکھتا رہا' اور نہایت سہولت سے اس کی کلائی تھامی اور اسے بیڈ پر بٹھایا' جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور سکوت کو توڑا۔

"لو پانی پی لو"۔ اس کے اطمینان پر وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی' اس کی شہابی رنگت والے کتابی چہرے پر وہ کچھ اخذ نہ کر سکی۔

"پانی پی لو ماہرہ"۔ وہ اطمینان سے بولا اسے غصہ ہی تو دلا گیا' اس نے گلاس تقریباً اس کے ہاتھ سے جھپٹا اور دیوار پر دے مارا۔

"خود کو کیا سمجھتے ہیں' بہت بڑا فنکار؟" وہ کہتے ہوئے کھڑی ہونے لگی تو وہ اس کے شانوں پر خفیف سا دباؤ ڈالتا اس کے برابر ٹک گیا اور اس کا موی حنائی ہاتھ تھام لیا۔

''مہندی تمہارے ہاتھ پر خوب بج رہی ہے''۔ الٹ پلٹ کر دیکھا اور مہندی سے سجے سرخ نقش و نگار پر انگلیاں پھیرنے لگا اس کا لمس اس کے سرد جسم میں پھریری سی دوڑانے لگا' وہ جھٹکے سے اس کے برابر سے اٹھ گئی۔

''مت کریں یہ سب.....'' وہ بولی نہیں دھاڑی۔

''بات آہستہ کرو کہ میں نہیں چاہوں گا ہم دونوں میاں بیوی کی پیار بھری تکرار ہو یا جھگڑے سے مزین تکرار' وہ اس کمرے سے باہر جائے' آفٹر آل خود کو اپنی پرسنلز کو بڑا سینت سینت کر رکھنے والوں میں سے ہوں''۔ درمیان میں ہی اسے ٹوک دیا اور بڑے سکون سے اسے دیکھتا اٹھا اور اس کی طرف بڑھا۔

''نوکر نہیں ہوں میں آپ کی''۔ اس کا اطمینان اسے زچ کر گیا تھا اور اس کے تپ کر کہنے پر اس نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

''میں نے ایسا کیا کہا..... نہیں یار! تم تو میری بیوی ہو..... پیاری لاڈلی' چہیتی اور اکلوتی بیوی.....'' وہ اس کی حالت سے حظ اٹھاتا مزے سے بولا۔ اور اس کو بازو سے جکڑ کر اپنی اور کھینچا' وہ چکیلی ڈال کی مانند اس کے سینے سے آ لگی اور اس کی شوخ جسارتیں شروع ہوتیں بڑھنے لگیں اور وہ اس کے حصار میں سے بے چینی سے نکلنے کو کسمسانے لگی مگر اس کا گھیرا تنگ ہونے لگا اور اس نے اس کے سینے پر مکے برسانا شروع کر دیئے۔

''ہر کوشش بے کار جائے گی اس لئے انرجی ضائع مت کرو''۔ وہ شوخی و شرارت سے سرگوشی کرتا اسے اپنے حصار میں لئے اس کی سنے سمجھے بغیر بیڈ کی طرف بڑھ گیا اور اس کے حصار سے نکلنے کی ہر کوشش بے کار جانے لگی تو بے بسی سے آنسو گرنے لگے۔

''رونا اچھی بات ہے کہ آپ خواتین رو کر اپنی ضدیں منوا لیتی ہیں' میں بھی بندہ بشر ان اشکوں کی چالاکی میں آ ہی جایا کروں گا' مگر آج تو اپنے اتنے قیمتی آنسو ضائع نہ کرو کہ ورسلان احمد اور اس کی قربت کا اعجاز یہ آنسو نہیں چاہتیں ہوں گی''۔ وہ سحر زدہ مخمور لہجے میں کہتا اس پر جھکا اور اس کے اشک ہونٹوں سے چنتے ہوئے اس کو اپنے پیار کی اوس میں بھگوتا ہی چلا گیا۔

☆

''پھپھو جانی! مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے' کام کا بھی پاپا جان نے کہہ دیا ہے کہ وہ دیکھ لیں گے' اصل پرابلم تو ماہرہ کی طرف سے ہے کہ وہ کہیں جانا ہی نہیں چاہتی''۔ اس کی آنکھیں حیرت و بے یقینی سے پھٹ سی گئیں' اسے کہاں امید تھی کہ وہ اس کے انکار کا یوں سب کے سامنے کہہ دے گا۔

''کیوں ماہرہ؟ میں اور راغب بھی تو جا رہے ہیں اور تمہیں مجھ سے زیادہ سیر و تفریح آؤٹنگ کا شوق ہے''۔ ساہرہ نے بہن کو ڈائریکٹ مخاطب کیا تو وہ گڑبڑا گئی' ماہرہ کو ساحل سمندر پر جانے کا بہت شوق ہے اور وہ لوگ اکثر ماہرہ ہی کی وجہ سے آؤٹنگ کا پروگرام رکھتی تھیں کہ دونوں اس طرح کا شوق نہیں رکھتیں۔

''اوف..... کبھی تو پوری بات سن لیا کرو' میں نے کہ ماہرہ کہیں نہیں جانا چاہتی' محترمہ تو ہر جگہ جانا چاہتی ہیں' ناردرن ایریاز اور سوئٹزرلینڈ اس کا بس چلے تو باری باری ہر جگہ جائے اور ان دو جگہوں کا نام اس لئے لیا کہ دونوں جگہ فی الحال ماہرہ نے ڈیسائیڈ کر لی ہیں تبدیلی کا امکان نہیں ہے اضافہ ضرور ممکن ہے''۔ وہ اس کی گڑبڑاہٹ محسوس کرتا ہوا مزے سے بولا اور وہ ایک ناراض غصیلی نگاہ اس پر ڈالتی ایکسکیوزمی کہہ کر اٹھ گئی۔

''تم بہت فضول انسان ہو ورسلان! یوں سب کے سامنے کہنے کی کیا ضرورت تھی' بچی کی کتنی سی شکل نکل آئی تھی''۔ فوزیہ نے بیٹے کو ڈپٹا۔

''بہو کی فکر ہے بیٹے کا خیال نہیں ہے جو روز ادھر سے ادھر جاتا ہے سن کر اینڈ میں کہیں نہیں جاتا کہ آپ جانا ہی نہیں چاہتے' سن کر دل سوس کر رہ جاتا ہے''۔ اس نے اتنے مضحکہ خیز انداز میں کہا کہ وہ سب مسکرا دیئے۔

''ایسا کریں ورسلان بھائی! فرسٹ ہنی مون سو ہنڈ میں رکھ لیں' ایک دو ماہ بعد ذرا فرصت سے ناردرن ایریاز کا پروگرام رکھ لیجئے گا کہ اس بندے معصوم نے بھی یہی کیا ہے کہ بیوی کو ناراض کر کے جگہ کے ساتھ ہنی مون تھوڑی منانا ہے''۔ راغب نے پہلو میں بیٹھی ساہرہ کو میٹھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا' ورسلان کا بے ساختہ قہقہہ تھا سب کی دبی دبی مسکراہٹ وہ جھینپ کر ماہرہ کی طرح واک آؤٹ کر گئی۔ احمد کا پیج میں وہ دونوں آج انوائٹ تھے' ان کے جانے کے بعد وہ کمرے میں آیا تو وہ تکئے میں منہ دیئے رونے میں مشغول تھی۔

''دور ہو جائیں ہاتھ مت لگائیں مجھے''۔ وہ بیڈ پر نیم دراز ہوتا اس پر جھکا تو وہ تڑپ کر سیدھی ہوئی' ہاتھ تھام کر فرار کی راہ مسدود کی تو وہ چیختے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اچھا نہیں لگا تا ہاتھ''۔ غصہ سے ہوتے سرخ چہرے کو دیکھ اپنا رخسار اس کے روئی جیسے سفید نرم و ملائم گال سے نرمی سے مس کیا۔

''کیوں کر رہے ہیں یہ سب..... پلیز مت کریں''۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر سسکنے لگی۔

''کیا کر رہا ہوں؟ کچھ کرنے کہنے کا موقع ہی کب دے رہی ہو''۔

''شٹ اپ..... جسٹ شٹ اپ' بس چپ کر جائیں اور کتنا ڈی گریڈ کریں گے''۔ اس کا ہاتھ جھٹک کر بیڈ سے ہی اترنے لگی اور اس کے اطمینان و رسانیت میں اب بھی فرق نہ آیا۔

''کیا کیا ہے میں نے؟''

''یہ پوچھئے کیا نہیں کیا؟ خود کو بہت سمجھتے ہیں' مجبور و بے کس لڑکی سے شادی کر کے اپنی بڑائی کے تو جھنڈے گاڑے ہیں''۔ وہ اپنی عادت و فطرت کے یکسر برخلاف تیز لہجے میں بولی تھی۔

''مجبور و بے کس..... ہاں شاید دل کا کوئی پرابلم لگتا ہے' شادی مجھ سے ہو گئی اور محبت تو دانش تیمور.....'' اسے لگا کہ ورسلان نے تھپڑ کھینچ مارا ہو۔

''شٹ اپ ورسلان! جو بات ہو نہ اسے کہیں بھی نہیں''۔ وہ پہلے سے زیادہ تلخی سے بولی۔

''اور اگر یہی میں کہوں تو؟ وہ جو نہیں ہے اسے تم کس بنیاد پر اتنے یقین سے کہہ رہی ہو؟''

''میرا یقین کونسا غلط ہے؟ دانش تیمور مجھ سے شادی نہیں کر رہا تھا تو آپ نے کر لی' اسی طرح تو پاپا کی ڈیتھ کے بعد سے ماموں جان اور آپ احسان کرتے آئے ہیں' ورنہ آپ کے یا ماموں جان کے ذہن و دل میں ایسی کوئی بات ہوتی تو بات مجھ تک بھی تو آتی نا' مما پریشان تھیں' ماموں جان ان کو کبھی پریشانی میں دیکھ ہی نہیں سکتے' اس لئے انہوں نے مما کی پریشانی یعنی مجھے خود پر اور آپ پر مسلط کر دیا اور آپ تو کمال کے فنکار نکلے' پہلی شب سے یوں ری ایکٹ کر رہے ہیں جیسے سب کچھ جو ہوا ایسا ہی ہو بھی رہا تھا' مجھ ٹھکرائی ہوئی لڑکی کو جیسے آپ نے اپنا کر احسان ہی نہیں کیا' مگر میں اچھے سے جانتی ہوں ورسلان احمد کے آپ کسی اور سے محبت کرتے ہیں مجھے صرف ماموں جان کے لئے اپنایا ہے' لیکن میں پوچھتی ہوں کیوں؟ خود کہتے ہیں مجھ میں کوئی عیب نہیں ہے کوئی موذی بیماری نہیں ہے تو پھر کیوں یہ احسان کیا کہ جیسے آپ دنیا کے آخری مرد ہیں' آپ نے نہیں اپنایا تو جیسے میں کنواری ہی مر جاؤں گی' آپ کے نام' آپ کے احسان' آپ کی کھوکھلی محبت کی ضرورت نہیں تھی اور جب کوئی اور دل میں رہتی تھی تو کیوں مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا' صرف اس لئے نا کہ آپ سارے مرد جھوٹے اور دغا باز ہوتے ہیں' محبت کسی سے شادی کسی سے' وعدے کسی سے' اپنائیں گے کسی کو' مگر آپ کے ساتھ مجھے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے' آپ کے احسان تلے میرا وجود دب گیا ہے' کچھ برا کہتے دھتکارتے' یوں جو اچھا بنے رہنے کا ڈرامہ کر رہے ہیں تو سخت برے لگتے ہیں' اپنا آپ برا لگتا ہے خود سے نفرت سی محسوس ہوتی ہے کہ میں خائن بن گئی جس شخص پر' جس کی محبت' جس کے قرب و خلوت پر میرا کوئی حق ہی نہ تھا' میں زبردستی قابض ہو گئی وہ بھی صرف خود آپ کی وجہ سے' منع کر سکتے تھے' ماموں جان کو بتا سکتے تھے کہ آپ کسی اور سے

محبت کرتے ہیں لیکن نہیں کیا' تو کیوں؟ مجھے کیوں اپنی زندگی میں نہ چاہتے ہوئے بھی شامل کیا؟'' اس کی خاموشی اسے بولنے اور بولتے رہنے پر اکساتی رہی' حلق میں آنسوؤں کا گولا اٹکنے لگا تو وہ چپ کرکے سسکنے لگی۔

''غلطی ہوگئی' مگر سدھاری تو اب بھی جاسکتی ہے اس لئے اپنی پیکنگ کرلو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں''۔ وہ اپنے مخصوص سنجیدہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولتا اسے بری طرح چونکا گیا' وہ جو بیڈ کی پائنتی سے ٹیک لگائے سر گھٹنوں میں دیئے زور و شور سے رو رہی تھی' جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا' اس کے چہرے کے تاثرات انتہائی سنجیدہ اور نہ سمجھ آنے والے تھے۔

''پانچ منٹ میں جانے کی تیاری کرلو' پھر مجھے نیند آ رہی ہے' چھوڑ کے آ کر مجھے سونا بھی ہے''۔ وہ ایسے بول رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

وہ اٹھی اور اس تک آئی' کچھ کہنے کو لب وا کئے ہی تھے کہ اشارے سے اسے روک گیا۔

''جو تم نے کہنا تھا وہ سن چکا ہوں' اب صرف وہ کرو جو کہا ہے''۔ درشتگی سے کہا گیا۔

''ایسے...... لیکن مجھے گھر نہیں جانا ہے''۔ ہونٹ کپکپائے۔

''کیوں؟'' یہ کیوں اتنی سنجیدگی و اطمینان سے پوچھا گیا کہ وہ لب کچلنے لگی۔

''احسان کیا تھا اس کا سود سمیت خراج وصول کر چکا' اب تم رہو یا نہ رہو' فرق نہیں پڑتا مجھے' ہاں چھوڑ اس لئے آتا ہوں تاکہ تم جاؤ تو میری محبت' میری زندگی میری قربت و خلوت میں حق سے داخل ہوسکے اب دیر نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ ابھی یا صبح خود ہی جانا پڑے''۔ نہایت طنزیہ لہجے میں کہا گیا۔

''میں کہیں نہیں جا رہی ہوں' آپ کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دے رہی......''

''تم ہوتی کون ہو مجھے اجازت دینے والی؟'' لفظ اجازت پر زور دے کر تیکھی نگاہوں سے اس کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھا۔

''احسان کیا ہے میں نے تم پر ماہرہ صدیقی! اپنا نا[...] دے کر ماہرہ ورسلان احمد اور احسان تو کبھی بھی واپس ما[...] جاسکتا ہے اس لئے فیصلہ ہوگیا کہ میں ورسلان [...] تمہارے نام سے اپنا نام واپس لے لوں گا''۔ اس [...] آنکھوں میں ناچتا دکھ و کرب دیکھ پاتا کہاں اس کے اختی[ار] میں تھا' رخ موڑ کر لب بھینچ گیا' اس نے جھٹکے سے ا[...] بازو سے تھام کر اس کا رخ واپس اپنی طرف موڑا۔

''میں نے وہی دینے کی بات کی جو تم نے مانگا'' اب کے نرمی سے بولا۔

''صرف نام نہیں مانگا تھا میں نے آپ سے...... نام تو لوٹا سکتے ہیں' مگر کیا اپنا قرب و لمس واپس لے [...] ہیں؟ بولیں کیا ایسا کر سکتے ہیں نہیں...... قطعاً نہیں تو ج[ب] یہ سب نہیں کر سکتے تو نام کیوں لوٹانے کی بات کر[تے] ہیں''۔ اسے خونخوار نگاہوں سے گھورتے ہوئے وہ ا[س] کے سینے پر ہاتھوں اور ناخنوں سے کھرچنے نوچنے لگی۔

''تم نے مجبور کیا ہے مجھے اس سب کے لئے'' اسے سینے سے لگا کر خود میں بھینچ سا لیا۔

''احسان نہیں کیا تم سے شادی کر کے کہ میں تو [...] ایسا چاہتا تھا''۔ ایک جھٹکے و برق رفتاری سے اس کے [...] سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''بہت پہلے سے ایسا چاہتا تھا' مگر تم سی اے [...] چاہتی تھیں' تمہاری خواہش کے احترام میں' میں نے دل [پر] ضبط کے پہرے بٹھا لئے' آفس کے کام کے سلسلے میں [یو] ایس اے گیا ہوا تھا کہ میری تو جیسے دنیا ہی لٹ گئی' تمہا[ری] منگنی سے دو دن قبل ہی میری یو ایس اے سے واپسی [...] تب مجھے تمہاری منگنی کا پتہ چلا' مگر اب میں کیا کہتا او[ر] کرتا آخر؟ خاموش ہوگیا مگر جب ماما نے ساہرہ کا نام [لیا تو] میں نے شادی سے انکار کر دیا مگر پاپا کہاں میرا انکا[ر سن] رہے تھے اس لئے میں نے کہہ دیا کہ میں کسی اور سے [محبت] کرتا ہوں مگر نام تمہارا لے نہیں سکتا تھا اور تمہاری بہن [سے] شادی بھی نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس وقت ماما' پاپا کو [...]

گیا اور جب دانش کی شادی کا پتہ چلا تو پاپا نے سنڈلی ہماری شادی کا فیصلہ لیا' اعتراض کرتا تو کیسے؟ کہ میری تو خواہش پوری ہو رہی تھی' احسان نہ سمجھو اسی لئے تو میں نے تم سے نارملی بی ہیو کیا' مگر تم میرے رویئے کو بھی احسان سمجھنے لگیں''۔ حیرت سے خود کو تکتی ماہرہ کی آنکھوں میں بات کے اختتام پر بغور دیکھنے لگا۔

''یہی حیرت و بے یقینی بھرا شک تمہاری آنکھوں میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا' اسی لئے تمہاری الجھنیں سلجھانے کی کوشش نہ کی کہ تمہاری آنکھوں' تمہارے رویئے میں صاف محسوس کیا کہ تم میرے نارمل بی ہیویئر کو احسان سمجھ رہی ہو' کیونکہ تم نے تو شادی کرنے کے عمل کو بھی احسان ہی سمجھا' اب یہ سب بتاتا تو تم نے یقین کرنا نہیں تھا کہ تم تو اب بھی یقین نہیں کر رہی ہو''۔

''یقین کروں بھی تو کیسے ورسلان؟ آپ نے کبھی یہ ظاہر ہی کب کیا اور ہماری شادی تو بہت آسانی سے ہوسکتی تھی' آپ کے دل میں ایسا کچھ تھا مجھ سے کہہ نہیں سکتے تھے تو کم از کم مامی اور ماموں جان سے تو کہتے اور آپ اگر منگنی سے دو دن قبل بھی یہ سب کہتے تو مما نے کون سا انکار کر دینا تھا''۔ وہ الجھی الجھی سی بولی' اس نے جس دن ورسلان نے ساہرہ سے شادی سے انکار کر کے کسی اور لڑکی کا محض ذکر کیا تھا' وہ خود سن لیا تھا کہ وہ اس دن فوزیہ کے بلانے پر یونیورسٹی سے ان کے ہاں آئی تھی اور اسی لئے تو وہ اس سے بدگمان ہی تھی کہ وہ تو خود نہ جانے کب سے اس سے محبت کر رہی تھی مگر اس کے لئے دیئے سنجیدہ رویئے کی وجہ سے وہ اس سے فرینک ہی نہیں ہو پائی تھی کہ وہ خود سنجیدہ طبیعت کی خاموش طبع اور تنہائی پسند ہے' کبھی کہ اپنے دل کی بات کہتی اور اس کے دل کی بھی خبر نہ تھی ورنہ ہی اس نے کبھی اشارہ دیا۔

''ہاں...... شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو' کم ہمت نہ تھا مگر ہمت دکھا بھی نہ سکا اور اب میری بات' میرے عمل پر یقین کر سکتی ہو تو کر لو کہ تم سے محبت نہ جانے کب سے کر رہا ہوں اور تم سے شادی احسان کرتے ہوئے یا پھپھو جانی کی پریشانی کے خیال سے نہیں صرف دل سے مجبور ہو کر کی...... ہاں تمہارے دل کی خبر نہیں ہے کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی رہی ہو یا سوچتی ہو؟ میری سوچوں پر تو صرف تم ہی قابض ہو' دل و ذہن کی مکمل آمادگی سے تمہیں اپنایا ہے''۔ ورسلان احمد کی سنجیدگی میں ذرا فرق نہ آیا۔

''سچ کہہ رہے ہیں؟'' وہ جیسے اب بھی بے یقین ہی ہے۔

''اُف اور کس طرح یقین دلاؤں؟'' وہ اب چڑنے لگا اور اس کے چہرے پر دبی دبی سی جھنجلاہٹ اسے یکدم ہی مسکرانے پر مجبور کر گئی۔

''میرے دل میں بھی شروع سے آپ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے''۔ شرمائے ہوئے لہجے کی بات اسے چونکا گئی اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے نزدیک کر لیا۔

''مجھے تو کہتی ہو کہ میں نے کم ہمتی دکھائی اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟'' سرگوشی کی۔

''واہ...... میں لڑکی ہو کر اپنے منہ سے کہتی کیا اچھی لگتی''۔ وہ مسرور سی ٹھنکی۔

''ہاں' مجھے تو صرف تم ہی ہر حال میں اچھی لگتی ہو''۔ وہ پیار سے بولا اور اس نے اتنے دنوں میں فرسٹ ٹائم مطمئن سی ہو کر آسودگی و طمانیت سے عالم خود سپردگی میں سر اس کے چوڑے سینے پر ٹکا دیا تو اس نے مسکرا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ان دونوں کی ہنسی کی جلترنگ کمرے کی خاموش فضا میں گنگنا اٹھی کہ محبت دیر سویر مل ہی جاتی ہے' کچھ لوگ اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ محبت کو کھوتے کھوتے پا جاتے ہیں بس اس کے لئے صبر و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو چیز جس کا نصیب ہوتی ہے وہ اسے مل کر ہی رہتی ہے اور اس کے لئے بعض اوقات کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا کیونکہ نہ ملنے والی چیز صبر کا دامن چھوڑنے ہزار ہا کوشش کرنے کے بعد بھی نہیں ملتی' اور وہ تو ایک دوسرے کے مقدر میں ازل سے لکھے جا چکے تھے اور مقدر کا لکھا کب مٹتا ہے۔

☆

سباس گل

قسط نمبر 6

سلسلے وار ناول

اعتبارِ عشق



''پاپا......پاپا......'' وہ دونوں بھاگ کر ان سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔

''ارے کیا ہوا پاپا کی جان؟ آپ رو کیوں رہے ہو؟ یہ دیکھو پاپا آپ کے لئے کتنی پیاری چیزیں لائے ہیں۔ شان' روشی بیٹا! کیا بات ہے؟'' نفیس انہیں لے کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے پریشانی اور نرمی سے بولے۔

''پاپا! نانو آ گئی ہیں''۔ شان نے بتایا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''تو میرے جگر گوشے! رونا تو مجھے چاہیے کہ میری شامت آ گئی ہے آپ کیوں رو رہے ہو اور یہ آپ کی ممی کہاں ہیں؟''

''وہ نانو کو لے کر باہر گئی ہیں''۔ شان نے بتایا۔

''یعنی آتے ہی باہر بھی چلی گئیں' کمال ہے باہر جانے کی کیا جلدی تھی؟'' وہ حیران ہو کر بولے۔

''وہ اس لئے پاپا! کہ......نانو نے......ماما کو جلا دیا ہے''۔ روشی نے روتے ہوئے بتایا۔

''کیا......؟'' نفیس کے پورے وجود میں زلزلہ سا آ گیا' وہ ایک لمحے کو تو سن سے ہو گئے۔

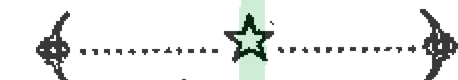
''کک......کیا کہا آپ نے......ماما کو جلا دیا''۔

''جی پاپا! نانو نے ماما کو جلا دیا اور باہر اس لئے چلی گئیں تا کہ اُن پر الزام نہ آئے......اور وہ کہہ سکیں کہ ہم تو گھر پر ہی نہیں تھیں''۔ شان نے کہا۔

''شان بیٹا! مجھے ساری بات تفصیل سے بتاؤ''۔ نفیس نے بھیگی' ٹوٹی آواز میں کہا۔ ان کا دل ڈوب رہا تھا' شان اور روشی نے روتے ہوئے انہیں ساری حقیقت بتا دی۔

''او مائی گاڈ! میری محبت کی سزا اس معصوم لڑکی کو مل رہی ہے' شان بیٹا! کہاں ہیں آپ کی ماما؟'' وہ سر پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور بے قراری سے بولے۔

''اپنے کمرے میں اور پتہ ہے پاپا! ماما کو بہت درد ہو رہا تھا' ان کی آنکھوں میں آنسو بھی آ رہے تھے......لیکن وہ......ممی اور نانو کے سامنے روئیں نہیں''۔ روشی نے روتے ہوئے بتایا تو نفیس کا دل تڑپ کر رہ گیا۔ انہوں نے روشی کو اپنے ساتھ لپٹا لیا' اس کے آنسو صاف کیے۔



وہ عینی کے لئے گرم کپڑے لائے تھے جو اٹھا کر اس کے کمرے کی طرف چلے آئے' جونہی وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئے عینی نے انہیں دیکھتے ہی فوراً آنکھیں بند کر لیں اور یوں ظاہر کیا جیسے سو رہی ہو۔ نفیس کی نظروں نے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لے لیا تھا' اس کے پاؤں اور ٹخنے پر برنال لگا دکھائی دے رہا تھا' انہوں نے بیڈ کے قریب آ کر شاپنگ بیگز بیڈ پر رکھ دیئے اور عینی کو پکارا۔

''عینی!''

عینی خاموش آنکھیں بند لیٹی رہی تو وہ اس کے قریب آ کر بیڈ کی بیک پر ہاتھ رکھ کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''عینی! مجھے معلوم ہے تم جاگ رہی ہو' اتنی تکلیف میں نیند آ بھی کیسے سکتی ہے' پلیز......آنکھیں کھولو''۔

''آنکھیں کھلی رکھنے کا کوئی فائدہ ہے سر؟'' عینی نے آنکھیں کھول کر ان کے چہرے پر پھیلی پریشانی کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بے چین ہو گئے' اس کی آنکھیں کتنا مینہ برسا چکی تھیں انہیں اندازہ ہو رہا تھا اور اس کا لہجہ کتنا اجنبی تھا وہ بے قرار ہو گئے۔

''پلیز عینی! مجھے سر کہہ کر غیروں کی سی بات مت کرو''۔ انہوں نے تڑپ کر کہا۔

''پتا نہیں......اپنوں کے بیچ یہ غیروں جیسا احساس کیسے سرایت کر گیا''۔ وہ معنی خیز بات بولی۔

''عینی......! یہ تمہارے پاؤں پر کیا ہوا ہے؟'' وہ جانتے تھے لیکن اس کی زبان سے سننا چاہتے تھے۔

''جل گیا ہے''۔ اس نے اٹھتے ہوئے پاؤں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''جل گیا ہے یا جلا دیا گیا ہے''۔ نفیس نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے' درد اور جلن کا احساس تو دونوں حالتوں میں ہونا ہے''۔

''عینی! کیوں چھپا رہی ہو اصل بات؟''

''میں نے کہا ناں جل گیا ہے پاؤں میری اپنی لاپرواہی سے' چائے بناتے ہوئے گرم قہوہ گر گیا تھا''۔

''گر نہیں گیا تھا بلکہ گرا دیا گیا تھا' مجھے بچوں نے سب کچھ بتا دیا ہے''۔ نفیس نے کہا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے اس طرح تو بچوں کی شخصیت پر بہت برا اثر پڑے گا' ان کیلئے یہ سب ٹھیک نہیں ہے' کیا ملا آپ کو مجھ سے شادی کر کے' پریشانی......اور مجھے کیا' یہ زخم......ابھی نجانے کتنے زخم میرے منتظر ہیں' میں ان اذیتوں کی عادی نہیں ہوں' رحم کریں میرے حال پر''۔ وہ پرنم لہجے میں بولی۔

''کیا چاہتی ہو تم......؟'' وہ دکھ سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

''میں......میں جو چاہتی ہوں اس سے روکنے کیلئے ہی تو میرے ساتھ یہ سب کیا جا رہا ہے''۔

''تم نے مجھ سے چھپانا کیوں چاہا؟''

''میں گھر میں کسی قسم کی بدمزگی اور ناراضگی نہیں چاہتی' مجھے وحشت ہوتی ہے ایسی صورتحال سے' محبت آپ نے کی ہے اور اس کی سزا مجھے مل رہی ہے''۔ عینی نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا' نفیس بے چینی سے لب بھینچ کر اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں بات کروں گا سلمٰی آنٹی اور کنول سے''۔ نفیس نے کافی دیر بعد خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''نہیں پلیز......آپ ان سے کچھ نہیں پوچھیں گے''۔

''لیکن عینی! یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے' میرے لئے ناقابل برداشت ہے''۔ نفیس نے کہا۔

''تو برداشت کرنا سیکھئے سر! نجانے ابھی کتنے برداشت کے مرحلے آنا باقی ہیں''۔ عینی نے سنجیدہ لہجے میں کہا' وہ انہیں ایکدم سے بہت بڑی دکھائی دینے لگی۔

''عینی! اٹھو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں''۔ انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میں نہیں جاؤں گی''۔ عینی نے ان کے ہاتھ کی تپش محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''عینی! ضد مت کرو' تمہارا زخم......''

''زخم مجھے لگا ہے آپ کو کیا تکلیف ہے؟'' وہ غصے سے بولی تو انہوں نے دکھ سے کہا۔

''کیا تم نہیں جانتیں کہ مجھے کیا تکلیف ہے؟ عینی! میں تمہیں تکلیف دینے کیلئے بیاہ کر نہیں لایا تھا' میں تو تمہیں خوشیاں دینے کیلئے لایا تھا' محبتیں دینے کیلئے لایا تھا''۔

''ہاں مل رہی ہیں ناں مجھے محبتیں اور مجھ پر دن رات خوشیاں بھی بکھر رہی ہیں اور کس قسم کی خوشیاں دیں گے آپ مجھے؟'' وہ تقریباً روتے ہوئے بولی۔

''میں بہت کنفیوژ ہو گیا ہوں عینی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھ سے کہاں غلطی ہوئی ہے' کنول ایک وفا شعار اور

قابلِ اعتبار جیون ساتھی ہے' میں اس کے خلوص اور نیت پر شک کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی ممی فتنہ پرداز خاتون ضرور ہیں مگر مجھے کنول پر اعتبار ہے اور تم پر بھروسہ کہ تم ان کی باتوں پر دھیان نہیں دو گی' پھر رہ گئی تمہاری اور میری ناراضگی کی بات' تم مجھ سے خفا ہو شروع دن سے خفا ہو' تو بھی سلمیٰ آنٹی اور کنول ایسی ویسی حرکت یا سازش نہیں کر سکتیں' انہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تم سے میرا میاں بیوی والا تعلق استوار ہی نہیں ہوا' تم مجھ سے خائف اور دور دور رہتی ہو اور کنول نے تو اپنی مرضی سے مجھے دوسری شادی کی اجازت دی تھی اس لئے وہ تمہارے لئے کبھی بھی بُرا نہیں سوچ سکتیں...... عینی! اگر تم چاہو تو یہ دوری ختم ہو سکتی ہے' یوں الگ الگ کب تک چلے گا' اس طرح تو سلمیٰ آنٹی کو باتیں بنانے اور معاملات اور تعلقات بگاڑنے کا مزید موقع ہاتھ آ جائے گا''۔ نفیس نے اس کے سامنے بیٹھ کر اسے بہت رسانیت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''او کے...... کنول آپا آپ کا پہلا پیار اور اعتبار ہیں' تو میں آپ کا اعتبار اپنی وجہ سے ٹوٹنے نہیں دوں گی' رہ گئیں سلمیٰ آنٹی' تو آپ کی خاطر میں اُن کی کسی تلخ اور طنزیہ بات کا جواب بھی نہیں دوں گی' بچوں سے میری دوستی اب بھی ہے' میری طرف سے نہ پہلے کوئی بات ایسی ہوئی کہ جس سے جھگڑے کی نوبت آ جائے اور نہ آئندہ میں ایسا کچھ کروں گی' آپ تو مجھے جانتے اور سمجھتے ہیں ناں تو مجھے کیا ضرورت ہے آپ سے کچھ کہنے کی یا چھپانے کی' میری تکلیف آپ محسوس کر سکتے ہیں تو مجھے اور کیا چاہیے۔ لیکن سر! بہت کم ایسا ہوا ہے ایک شخص نے دو بیویوں کے ساتھ پُرسکون اور خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کی ہو' ایک کمان میں دو تیر تو اکٹھے رہ سکتے ہیں لیکن ایک گھر میں دو بیویاں اکٹھی نہیں رہ سکتیں وہ بھی ایک شوہر کی بیویاں''۔ عینی نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا' اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ نفیس کی نظریں مسلسل اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''عینی! یہ تو تمہارے ظرف کی بات ہے''۔ نفیس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ تڑپ کر بولی۔

''صرف میرے ظرف کی بات سر! میرے لئے تھوڑا سا بھی اعتبار نہیں ہے آپ کے پاس' کنول آپا تو بہت اعلیٰ ظرف ہیں اس کا عملی مظاہرہ وہ کر ہی چکی ہیں جس کے نتیجے میں اس گھر میں' میں آپ کی بیوی کی حیثیت سے موجود ہوں اور میں...... آپ نے میرے ظرف کی بات کی ہے سر' یعنی آپ کے نزدیک میں اس وقت تک اب تک کم ظرفی کا مظاہرہ کرتی رہی ہوں' میں کم ظرف ہوں''۔

''عینی! ایسا نہیں ہے میری جان...... او گاڈ! میں تو ایسی بات کہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا' میں تمہیں کیسے سمجھاؤں' میری تو اپنی عقل جواب دے گئی ہے۔ پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو عینی' پلیز......'' نفیس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا' ان کی پریشانی ان کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔ عینی کو دکھ ہوا کہ وہ تھکے ہوئے گھر آئے تھے اور اس نے اپنی باتوں اور رویئے سے انہیں پریشان اور دکھی بھی کر دیا۔

''آئی ایم سوری...... آپ بیٹھیں میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں''۔ اس نے نرمی سے کہا اور اٹھ کر جانے لگی تو انہوں نے روک دیا اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر محبت سے مسکرا کر بولے۔

''نہیں جانو! تم آرام کرو' چائے میں خود بنا لوں گا اور ہاں یہ کچھ شاپنگ کی ہے میں نے تمہارے لئے' گرم کپڑے ہیں' سوئیٹر' مفلر' کوٹ' جرسیاں اور گرم اونی شال ہے' پہن لینا''۔

''کیا سارے ایک ساتھ پہننے ہیں؟'' عینی نے اپنی پرانی طبیعت کا رنگ دِکھاتے ہوئے کہا تو انہیں ہنسی آ گئی۔ اور پھر وہ اپنے والٹ سے ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر اس کے پرس میں رکھتے ہوئے بولے۔

''جیسے تمہارا دل چاہے پہن لینا' بس تمہیں ٹھنڈ نہیں لگنی چاہیے اور یہ کچھ رقم میں رکھ رہا ہوں' تم اپنی پسند سے مزید

سوٹ خرید لینا' میں نے تو پانچ ہی خریدے ہیں''۔

''پانچ ہی بہت ہیں' تھینک یو ویری مچ''۔ عینی نے شاپنگ بیگز میں سے کپڑے نکال کر دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے خوش ہو کر پوچھا۔

''تمہیں پسند آئی میری پسند''۔

''جی بہت...... آپ کی پسند تو بہت خوبصورت ہے''۔ عینی نے دل سے تعریف کی تو نفیس نے گرم اونی شال اٹھا کر کھولتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''اس میں کیا شک ہے' میری پسند تو ہے ہی بہت خوبصورت''۔ نفیس نے بہت معنی خیز اور محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ شرمیلے پن سے مسکرا دی' انہوں نے شال اس کے شانوں پر پھیلا کر اسے اوڑھا دی۔ عینی نے بہت محبت سے انہیں دیکھا۔

''خوش رہو میری جان!'' نفیس نے اس کا گال تھپتھپا کر محبت سے کہا تو عینی کو جہاں خوشی اور بے خودی کا احساس ہوا وہاں اُسے لگا جیسے ان کا ہاتھ معمول سے زیادہ گرم ہے' انہیں بخار تھا اور وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے' وہ بے چین ہو گئی۔ دن رات کام اور گھر کی مسلسل ٹینشن نے انہیں بیمار کر دیا تھا لیکن وہ بدستور اپنے کام میں مگن تھے اور گھر میں سب سے معمول کے مطابق ڈیل کر رہے تھے۔

سنئے''۔ نفیس جانے لگے تو اس نے بے اختیار ہو کر انہیں پکارا۔

''کیا بات ہے عینی؟'' انہوں نے رک کر اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' اس نے پوچھا' اسے خود سے شرمندگی محسوس ہوئی کہ اپنے شوہر سے اس طرح اجنبیوں کی طرح پوچھ رہی تھی۔

''تمہیں کیسی لگ رہی ہے؟'' وہ اس کی پریشانی پر خوش ہو کر الٹا اُسی سے پوچھنے لگے۔

''ٹھیک نہیں لگ رہی' آپ چینج کر لیں میں آپ کے کھانے کیلئے کچھ لاتی ہوں' اس کے بعد آپ دوا کھا کر سو جایئے گا' آپ کا درد اور بخار ختم ہو جائے گا''۔ عینی نے اپنا برنال لگا پاؤں بہت احتیاط سے بیڈ سے نیچے رکھتے ہوئے کہا تو نفیس کا رواں رواں اس کی محبت میں سرشار و شاداں ہو گیا۔

''تم سے کس نے کہا کہ مجھے درد اور بخار ہو رہا ہے؟'' انہوں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے اپنا دایاں ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا تو اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

''کسی نے نہیں مگر مجھے لگا کے آپ کو بخار ہے''۔

''تھینک یو عینی ڈارلنگ! فی الحال تمہارا میرے لئے اتنا فکر مند ہونا ہی بہت ہے۔ اس وقت تمہیں بھی آرام کی ضرورت ہے' پاؤں کو تکلیف مت دو' میں خود کچھ لے لوں گا یا کنول آئے گی تو اس سے کہہ دوں گا' میں بالکل ٹھیک ہوں''۔ نفیس نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بس انہیں دیکھے گئی' اس کا دل چاہا کہ ان کے سینے سے لگ کر خوب روئے' اپنی بے رخی پر ان سے معذرت کرے لیکن اس کی سوچ بھی ڈور بیل بجنے پر منتشر ہو گئی۔ نفیس گیٹ کھولنے کے ارادے سے جانے لگے تو اس نے کہا۔

''پلیز...... اس بات کا ذکر کنول آپا سے مت کیجیے گا''۔

''او کے ایز یو وِش''۔ نفیس یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئے۔

☆

''ارے آپ کب آئے؟'' انہوں نے گیٹ کھولا تو سامنے کنول ہی موجود تھیں حیرانگی سے بولیں۔

''ابھی کچھ دیر پہلے آیا ہوں''۔ وہ جواب دے کر اندر چلے گئے یہ بھی نہ دیکھا کہ کنول کے ساتھ سلمٰی بیگم بھی آئی ہیں یا نہیں' کنول نے حیرت سے سلمٰی بیگم کی طرف دیکھا اور اندر آنے کا اشارہ کیا۔ نفیس نے عینی کی بات مانی تھی ان سے عینی کے پاؤں جلانے سے متعلق کوئی سوال جواب نہیں کیا تھا اور اس سے وہ یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئیں کہ نفیس کو عینی اور بچوں نے کچھ بتایا ہی نہیں ہے جبکہ نفیس کی الجھن اور پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا' رات بھر وہ ٹھیک سے سو بھی نہیں سکے تھے۔

☆

دوپہر کو روشی اور شان اسے کھانے کے لئے بلانے آئے تو اس نے انکار کر دیا۔

''ماما! آپ کھانا نہیں کھائیں گی تو ہم بھی نہیں کھائیں گے''۔ شان نے دھمکی دی۔

''جی ہاں ہم ہڑتال کر دیں گے''۔ روشی نے پرجوش انداز میں کہا تو وہ ہنس پڑی اسے ان دونوں پر بے حد پیار آیا ان کی بات اسے ماننا ہی پڑی۔

''اچھا چلیں ماما اپنے بچوں کی بات کیسے ٹال سکتی ہیں''۔ وہ ان دونوں کا ہاتھ تھامے ڈائننگ روم میں پہنچی تو کنول میز پر کھانے کے برتن لگا رہی تھیں' اسے دیکھتے ہی ناگواری سے منہ پھیر لیا' عینی نے توجہ نہیں دی اور بچوں کے ساتھ میز تک آ گئی تو سلمٰی بیگم کی فسادی زبان نے حرکت کی' اور یہ جملے عینی کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند گرنے لگے۔

''آیئے مہارانی صاحبہ! آپ کے لئے کھانا تیار ہے' آپ آرام فرمائیں اور کھانا میری بیٹی پکائے اور پکا پکایا کھانے کے لئے چلی آئیں منہ اٹھا کے کنول کی سوکن میرے داماد پر ڈورے ڈال کر اسے اپنے جال میں پھنسا لیا اوپر سے اکڑی بھی خود ہی پھرتی ہو''۔

''میں بچوں کے اصرار پر یہاں آئی ہوں' رہی بات کھانے کی تو ابھی تک میں نے اس گھر میں اپنے ہاتھ کا پکا کھانا کھایا ہے اور آپ کی بیٹی کو بھی کھلایا ہے' مگر مجھے آپ کی طرح جتانے اور طنز کے تیر چلانے کی عادت نہیں ہے آپ شوق فرمایئے''۔ عینی نے بڑے ضبط سے کہا اور وہاں سے چلی آئی اور اپنے کمرے کی چیزیں سیٹ کر کے رکھیں نفیس کے لائے ہوئے کپڑوں میں سے ایک گرم سوٹ نکال کر پہن لیا اور بائٹل گرین اور بلیک کلر کی جرسی بھی پہن لی اسے ان کے لائے ہوئے تمام کپڑے بہت پسند آئے تھے' وہ تیار ہو کر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی باہر لان میں چیئر پر آ بیٹھی' جہاں ہلکی ہلکی دھوپ اپنا سنہرا آنچل پھیلائے ستا رہی تھی' عینی نے اپنے پاؤں پر لگے برنال کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

''مجھے تو سلمٰی بیگم کے ہوتے ہوئے یہاں سے چلے جانا چاہئے' ورنہ وہ تو ہر روز مجھے نئے انداز سے جلائیں گی اور میں اس طرح جل جل کر مرنا نہیں چاہتی''۔ نفیس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی' اس لئے وہ جلدی گھر آ گئے' اسے لان میں یوں اکیلا اور سوچوں میں گم دیکھا تو وہیں چلے آئے اور نہایت خاموشی سے اس کے چہرے کو تکنے لگے۔ وہ آسمان پر نگاہ جمائے نجانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ نفیس کو بہت دکھ ہوا یہ دیکھ کر مگر اسے اپنے لائے ہوئے لباس میں دیکھ کر خوشی بھی ہوئی انہوں نے محبت سے اسے مخاطب کیا۔

''ہیلو عینی''۔

''اسلام علیکم''۔ عینی نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر سلام کیا۔

''وعلیکم سلام...... کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟'' وہ اس کے سامنے چیئر پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہے تھے اس نے مختصر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے''۔

''تمہارے پاؤں میں اب درد تو نہیں ہے''۔ نفیس نے اس کے پاؤں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''درد پاؤں میں تو نہیں ہے''۔ عینی نے بہت معنی خیز لہجے میں کہا' وہ ایک پل کو اسے دیکھ کر رہ گئے پھر بولے۔

''تم پھر سب سے الگ تھلگ بیٹھی ہو' سب کے ساتھ رہا کرو''۔

''آپ کے خیال میں کیا میں شوق سے اپنی مرضی سے الگ تھلگ بیٹھی ہوں مجھے سب کے ساتھ رہنا پسند نہیں ہے آپ کیوں نہیں سمجھتے نفیس''۔ اس نے دل میں ان کے سوال کا جواب دیا مگر لب خاموش تھے' نفیس نے اس کی خاموشی کی تحریر شاید پڑھ لی تھی' جبھی خود بھی کچھ دیر کو خاموش ہو گئے اور پھر گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کنول اور بچے کہاں ہیں کیا کر رہے ہیں؟''

''اندر ہیں سب لنچ کر رہے ہیں''۔ اس نے دھیمی آواز میں بتایا۔

''تم نے لنچ نہیں کرنا''۔

''مجھے بھوک نہیں ہے''۔

''بھوک نہ ہونے کی وجہ کہیں سلمٰی آنٹی تو نہیں ہیں' انہوں نے پھر تم سے کچھ کہا؟''

''جی ہاں کہا کہ میں نے ان کے داماد پر ڈورے ڈال کر اسے پھنسایا ہے''۔ وہ اسی انداز میں بولی۔

''اس نے ایک پل کو ان کے چہرے کو دیکھا تو جیسے اس کے دل پر چوٹ سی لگی ان کی سرخ سوجھی ہوئی آنکھیں اسے بے چین کر گئیں۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ حیرت سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''آپ روتے رہے ہیں کیا؟''

''کیا تم چاہتی ہو کہ میں روؤں؟'' انہوں نے اس کے چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں تو...... اور ویسے بھی مرد روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے''۔ عینی نے سنجیدگی سے کہا۔

''یار! یہ تو بڑی زیادتی ہے ہم مردوں کے ساتھ' عورتیں تو جب چاہیں رو سکتی ہیں اور مرد بے چارہ رونے کی بات پر بھی رو نہیں سکتا عینی! رونا مجھے بھی پسند نہیں ہے لیکن تم اگر میری زندگی سے میری نظروں سے دور چلی گئیں تو مجھے لگتا ہے کہ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر جائیں گی' مجھے رلانا مت عینی!'' انہوں نے بہت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ایسی بے رحم تو نہیں ہوں''۔ اس نے پیار بھری خفگی سے کہا۔

''جانتا ہوں''۔ وہ مسکرا دیئے۔

''تو پھر ایسا کہا کیوں؟'' اس نے پوچھا۔

''پتا نہیں''۔ انہوں نے آنکھیں بند کر کے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اور آپ کافی سکڑ گئے ہیں''۔ عینی نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''آپ کی آنکھیں کتنی ریڈ ہو رہی ہیں' آپ کو بخار ہے نا''۔ عینی نے کہا تو وہ ہنس پڑے اور پھر بے نیازی

سے بولے۔

''چھوڑو بخار کی باتیں یہ بتاؤ میرے ساتھ آسٹریلیا چلوگی''۔

''میں وہاں جا کر کیا کروں گی' آپ کنول آپا کو ساتھ لے جائیے گا''۔عینی نے کہا۔

''کنول نے تو آسٹریلیا بہت اچھی طرح دیکھا ہوا ہے''۔

''آپ کا بی ایس سی کا رزلٹ کب آؤٹ ہو رہا ہے؟''

''اب تک تو آؤٹ ہو جانا چاہئے تھا نا معلوم کیوں دیر ہو رہی ہے شاید اس ماہ کے اینڈ میں رزلٹ آؤٹ ہو جائے''۔

''تمہارا رزلٹ اگر میری مرضی کے مطابق آیا تو میں تمہیں ایک سرپرائز گفٹ دوں گا ابھی تو تم یہ بتاؤ چل رہی ہو میرے ساتھ آسٹریلیا؟''انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں''۔اس نے نفی میں سر ہلایا تو وہ محبت سے بولے۔

''کیوں جانو! پہلے تو تم میرے ساتھ ہر جگہ جانے کی ضد کیا کرتی تھیں اب کیا ہے؟''

''پہلے کی بات اور تھی' اب میں بڑی ہو گئی ہوں''۔

''ریئلی''۔نفیس نے شرارت بھرے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا تو جھینپ کر نظریں جھکا لیں نفیس مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے رہے' چند لمحوں بعد اس نے آہستہ سے کہا۔

''میں چند دن کے لئے امی کے پاس جانا چاہتی ہوں' اگر آپ کی اجازت ہو تو میں چلی جاؤں''۔

''کیا میری اجازت ضروری ہے؟''نفیس کو اس کی اجازت مانگنے کی ادا پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''جی''۔اس نے کہا تو وہ خوش ہو کر بولے۔

''تو جان نفیس! میں نے تو تمہیں پہلے ہی اجازت دے رکھی ہے' تم مجھے بتائے بغیر بھی جا سکتی ہو''۔

''لیکن بغیر بتائے جانا مجھے مناسب نہیں لگتا''۔عینی نے اپنی انگوٹھی گھماتے ہوئے کہا۔

''اور تمہارا یہ انداز اس قدر مناسب ہے کہ دل کو اظہار سے باز رکھنا مناسب نہیں لگتا''۔

''تو میں چلی جاؤں''۔عینی نے نروس ہوتے ہوئے پوچھا۔

''جانے کی بات مت کرو عینی! تم چلی گئیں تو میرے دل کی دھڑکنیں کمزور پڑ جائیں گی''۔

''پلیز! ایسا مت کہئے میرا دل بہت کمزور ہے''۔اس نے بے قراری سے کہا وہ مسکرا دیئے۔

''اچھا...... چلو میں پہلے تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں اس کے بعد گھر ڈراپ کر دوں گا''۔

''نہیں...... میں چلی جاؤں گی''۔

''عینی جان! یہ مناسب نہیں ہے اور پھپھو جان کیا سوچیں گی کہ نفیس کے پاس اتنا سا بھی وقت نہیں تھا کہ وہ اپنی بیوی کو خود میکے چھوڑ جاتا' میں بھی پھپھو جان سے مل لوں گا' تم نے اپنا سامان پیک کر لیا؟''انہوں نے کھڑے ہو کر کہا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے کپڑے تو وہاں بھی ہیں میرے وہی پہن لوں گی''۔

''او کے چلو پہلے ڈاکٹر سے تمہارے پاؤں کا معائنہ کرا لیں''۔

''ڈاکٹر کے پاس آپ ضرور جائیں لیکن اپنے چیک اپ کے لئے' میں بالکل ٹھیک ہوں''۔عینی نے کہا۔

''عینی! میری تسلی کے لئے''۔نفیس نے اس کے قریب آ کر پیار سے کہا۔

''میری تسلی کے لئے آپ اپنا چیک اپ کرائیں گے''۔اس نے کھڑے ہو کر کہا۔

''آپ کو ہمارے چیک اپ سے اس قدر دلچسپی کیوں ہے؟''وہ مسرور ہو کر بولے۔

''اس لئے کہ اگر دشمن اور مخالف بیمار اور کمزور ہو تو لڑائی اور مقابلے کا مزا نہیں آتا''۔عینی نے ان کی شوخی سے نروس ہو کر بات اور ہی انداز میں بناتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

''تو گویا ہم آپ کے دشمن ہیں''۔

''جی ہاں دشمن جاں''۔اس نے آہستگی اور احتیاط سے پاؤں اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ارے خوش رہو میری جان! مجھے تمہارا پیار ہی تو چاہئے''۔نفیس نے ہنس کر خوش ہو کر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور اسے گاڑی تک لے آئے فرنٹ سیٹ پر اسے بٹھانے کے بعد خود بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''میں تمہیں پاؤں کی حالت کے باعث جانے تو نہ دیتا کیونکہ پھپھو جان پریشان ہوں گی لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم سلمٰی آنٹی کی وجہ سے جا رہی ہو اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ان کی جلی کٹی باتیں سننا اور سہنا پڑیں''۔نفیس نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا وہ بس خاموش ہی رہی' نفیس اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے اس کا پاؤں ڈاکٹر نے چیک کیا اور پاؤں پر لگانے کی ایک کریم لکھ کر دے دی وہ اسے لے کر باہر آ گئے تو اس نے کہا۔

''آپ نے اپنا چیک اپ تو کرایا نہیں؟''

''کیوں بھئی مجھے کیا ہوا ہے؟''وہ ہنستے ہوئے بولے اور اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

''آپ کی آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہیں؟''اس نے ان کا چہرہ دیکھا۔

''میری آنکھوں میں خون اترا ہوا ہے''۔وہ مذاق سے بولے۔

''جی نہیں...... ان آنکھوں میں خون نہیں اتر سکتا' ان آنکھوں میں تو روشنی کے جگنو اترتے ہیں' محبتوں کے ستارے چمکتے ہیں''۔عینی یہ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

''صد شکر کہ تم نے ان آنکھوں کا مفہوم سمجھنے کی کوشش تو کی''۔وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولے تو اس نے سیٹ سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

''عینی! کیا ہوا؟''نفیس نے گھبرا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس نے آنکھیں کھولے بغیر ہی نفی میں سر ہلا دیا گویا کچھ نہیں کا اشارہ دیا۔اسے اس وقت زوروں کی بھوک لگ رہی تھی' کل سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا' اب سر بھی چکرا رہا تھا' نفیس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی راستے میں کئی جگہ رکے' اس کی دوا کے علاوہ انہوں نے پھل' جوس اور پیزا بھی خریدا اور ایک جگہ گاڑی روک دی۔

''آپ بہت لاپرواہ ہیں''۔عینی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ ہنس کر بولے۔

''اف عینی! میری جان...... میرے اس نیک عمل کو تم لاپرواہی کہہ رہی ہو' تمہاری جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو سو سو دعائیں دیتی مجھے کہ میری بھوک کا خیال کیا ہے''۔

''میں اپنی نہیں آپ کی بات کر رہی ہوں' آپ اپنی صحت کی طرف سے بہت لاپرواہی برتتے ہیں''۔عینی نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''ظاہر ہے جس شخص کی دو دو بیویاں ہوں وہ خود اپنی پرواہ کیوں کرے گا وہ تو یہ چاہے گا کہ اس کی بیویاں اس کی پرواہ کریں' اس کا خیال رکھیں اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو وہ بے چارا خود بھی اپنی پرواہ کرنا چھوڑ دے گا''۔نفیس نے بہت

نرم اور دھیمے لہجے میں کہا اس میں طنز کا شائبہ تک نہ تھا مگر عینی چوری بن گئی اسے ان کی بات طنز ہی لگی اور سچ بھی لگی اس لئے وہ ان سے نظریں نہ ملا سکی پھر وہ دونوں تعظیم ہاؤس آ گئے۔

☆

''ہائے آپی! یہ آپ کے پاؤں کو کیا ہوا؟ امی' بھابی...... دیکھیں تو اپیا کا پاؤں زخمی لگ رہا ہے''۔ ردا نے اس کا پاؤں دیکھتے ہی کہا تو عینی نے اسے ڈانٹا۔

''ردا کی بچی چپ کرو کچھ نہیں ہوا خوامخواہ امی کو پریشان کر رہی ہو''۔

''عینی میری جان...... بیٹا کیا ہوا پاؤں پر؟'' سمیرہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے فکر مند ہو کر پوچھا تو اس نے فوراً بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

''امی! چائے گر گئی تھی مجھ سے''۔

''ارے تم ایسی لاپرواہ کب سے ہو گئیں؟'' ثوبیہ بھابی نے اسے چھیڑا۔

''ضرور نفیس بھائی نے شرارت کی ہو گی''۔ ردا نے شوخی سے کہا تو وہ سامنے بیٹھے نفیس کو دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گئی اور ساتھ ہی ردا کے بازو پر مکہ جڑ دیا۔

''ردا بہنا! میری شرارت کبھی اتنی سنگین اور تکلیف دہ نہیں ہو سکتی''۔ نفیس نے کہا۔

''اچھا اب یہاں رہو گی نا کچھ دن......؟'' سمیرہ بیگم نے اس کے ہاتھ چوم کر پوچھا۔

''جی امی! رہوں گی''۔ وہ آہستہ سے بولی۔

''اوکے پھپھو جان! اب میں چلتا ہوں''۔ نفیس جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

''بیٹا! چائے' کھانا کچھ تو کھاتے جاؤ'' سمیرہ بیگم نے کہا۔

''پھپھو! سب کچھ کھا پی کر آئے ہیں' آپ عینی کو کھلائیں پلائیں' عینی تم بھی اپنا خیال رکھنا' میں آؤں گا اور فون بھی کروں گا اوکے ٹیک کیئر''۔ نفیس نے عینی کے پاس آ کر کہا تو اس کا دل چاہا کہ ان کا ہاتھ تھام لے انہیں روک لے۔

''آپ بھی اپنا خیال رکھیئے گا اور اب سیدھے گھر جایئے گا کبھی کسی کام سے نکل جائیں اور ریسٹ کیجئے گا''۔ عینی نے ان کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا اس کے لہجے کا اپنا پن آنکھوں سے چھلکتا پیار لفظوں سے مچلتا اظہار تفکر انہیں روح تک سرشار کر گیا۔

''تمہارے غصے کا انداز اگر ایسا پیارا ہے تو میں تو اپنی جان بھی وار دوں تم پر تمہارے غصے پر''۔ تو اس کا دل کانپ گیا وہ اس سے اس قدر پیار کرتے تھے اور وہ تھی کہ ایک بات پر از گراں سے بے رخی برتے جا رہی تھی۔

''کہاں ہو مسز نفیس احمد؟ آپ کے دولہا میاں تو چلے بھی گئے''۔ ردا نے اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر شوخی سے کہا تو وہ چونک گئی گیٹ کو بند دیکھا اور پھر ہنس پڑی' لیکن اس ہنسی کے پیچھے ایک دکھ تھا نفیس کو دکھ دینے کا دکھ' دوری کا دکھ' ان کے جذبات اور احساسات کو نظر انداز کرتے رہنے کا دکھ' وہ گھر آ کر بھی بے سکون ہی رہی' نیند بھی آنکھوں سے روٹھ گئی' نفیس کی صورت' محبت بن کر اس کے وجود سے لپٹی رہی' وہ بے چین سی کروٹیں بدلتے بدلتے تھک گئی اور آخر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا عینی! تم سوئیں نہیں؟'' ردا نے کروٹ بدلی تو اسے بیٹھا دیکھ کر پوچھا۔

''نیند نہیں آ رہی''۔ عینی نے جواب دیا تو وہ شرارت سے بولی۔

''ان کے بغیر نا' وہ یاد آ رہے ہیں؟''

''بکومت' میں کونسا ان کے ساتھ سوتی رہی ہوں''۔ وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''تم بیوی ہو ان کی یہ کیسے ممکن ہے کہ تم......''

''ردا! بہت فضول نہیں بولنے لگیں تم' سو جاؤ آرام سے''۔ عینی نے اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا تو وہ بڑی ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولی۔

''اب تو مجھے بھی نیند نہیں آئے گی وہ کم بخت یاد آئے گا ہائے کتنا ہینڈسم ہے''۔

''یہ کون کم بخت ہے جو تمہیں یاد آ رہا ہے؟''

''ہے ایک شہزادہ گلفام تمہاری اور آپی کی شادی میں اس کی نظر کرم مجھ پر پڑی تھی اپنی والدہ کو امی کے پاس بھیج چکا ہے' مگر امی کہہ رہی ہیں کہ ردا ابھی بچی ہے' لو بھلا میں کوئی بچی ہوں پورے اٹھارہ کی ہوں' امی کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا بلکہ ختم ہو جائے گا' میرے فرض سے بھی عہدہ برآ ہو جائیں اب''۔ ردا نے بہت مزے سے کہا تو عینی کو حیرت بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی امی نے اس سے اس رشتے کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''شرم کرو کتنی ڈھٹائی اور بے حیائی سے اپنی شادی کی باتیں کر رہی ہو''۔ عینی نے اسے لتاڑا۔

''لو تو میں آپ کی طرح تھوڑی ہوں کہ رونے بیٹھ جاؤں' آپس کی بات ہے جمال مجھے بھی پسند ہیں' ایم بی اے کیا ہے اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتے ہیں' ایک بہن اور بھائی بڑے ہیں دونوں شادی شدہ' سسر ہیں نہیں' یعنی میرے ہونے والے سسر اور حماد بھائی کے وہ بہت اچھے دوست ہیں انہی کی وساطت سے اس رشتے کی بات چلی ہے''۔ ردا نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے کہا تو عینی نے تکیہ اٹھا کر اس کے دے مارا۔

''کیسی گھنی ہو تم اب بتا رہی ہو''۔

''تم آئی ہی اب ہو' تمہارا دل تو میاں کے گھر میں ہی لگ گیا ہے''۔ وہ ہنسی۔

''ٹھیک کہتی ہو تم''۔ اس نے اعتراف کیا۔

''عینی! تم خوش ہو نا نفیس بھائی کے ساتھ''۔ ردا نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی ان کے ساتھ رہنے کا مجھے موقع ہی کہاں ملا ہے ردا! کنول آپا اور سلمیٰ آنٹی کا رویہ ساس نند والا ہے میرے ساتھ' لیکن نفیس بہت اچھے ہیں وہ تو خود بھی پریشان ہیں مجھے ان کی فکر ہے انہیں بخار تھا مگر وہ ٹالتے رہے نہ دوا لی نہ چیک اپ کرایا کئی دن سے وہ بہت تھکے تھکے سے نظر آ رہے تھے' کام بھی تو بہت کر رہے ہیں' اس وقت پتا نہیں کیا کر رہے ہوں گے''۔ عینی نے فکر مندی سے کہا تو وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر شرارت سے بولی۔

''وہ یقیناً تمہیں مس کر رہے ہونگے''۔

''اچھا''۔ عینی کو ہنسی آ گئی۔

''ہاں''۔ وہ بھی ہنس پڑی۔

☆

ردا کا اندازہ غلط نہیں تھا نفیس سچ مچ عینی کو بہت مس کر رہے تھے' اسے ناراضگی کے باوجود ان کی صحت کا خیال تھا وہ ان کے لئے فکر مند تھی بار بار انہیں ریسٹ کرنے کے لئے کہہ رہی تھی' چیک اپ نہ کرانے پر خفا ہو رہی تھی' کتنی اپنائیت اور محبت تھی اس کے لہجے اور انداز میں' وہ اپنی جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھے اس کا تصور آنکھوں میں سمائے نیند کی

وادی میں چلے گئے۔

''نفیس! عینی کل دوپہر سے گھر سے غائب ہے نجانے کہاں گئی ہے؟'' صبح ناشتے کی میز پر کنول نے نفیس کو ڈرتے ڈرتے بتایا' تو نفیس نے ان کا چہرہ دیکھا اور پھر مسکرا دیئے۔

''تمہیں اب اس کی عدم موجودگی کا احساس ہوا ہے' وہ کہاں جائے گی ظاہر ہے اپنے میکے میں ہوگی' ہوگی کیا وہ وہیں ہے اس نے جانے سے پہلے مجھ سے اجازت مانگی تھی''۔

''تو کم از کم ہمیں تو بتا دیتی' ہم ناحق پریشان ہو رہے ہیں''۔ کنول نے اطمینان کا سانس لے کر کہا تو وہ سنجیدگی سے بولے۔

''تم پھپھو جان کے گھر فون کر کے خود ہی معلوم کر لیتیں''۔

''خیر چھوڑیئے اس قصے کو' اس کا تو یہاں دل ہی نہیں لگتا''۔

''نہیں...... یہ بات نہیں ہے اس کا دل تو یہاں لگ گیا ہے لیکن شاید سلمیٰ آنٹی کو اس کا یہاں رہنا پسند نہیں ہے اسی لئے وہ میکے چلی گئی ہے''۔ نفیس نے سلمیٰ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ جو اب تک خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھیں تنک کر بولیں۔

''نفیس میاں! مجھے الزام مت دو' اس لڑکی کا تو اپنا جی نہیں چاہتا دو بچوں کے باپ کے ساتھ رہنے کو' خود ہی کہہ رہی تھی کہ میری شادی زبردستی ہوئی ہے میرے لئے کنوارے لڑکوں کی کمی نہیں تھی' کچھ کو میں پسند تھی اور کچھ مجھے پسند تھے مگر میری پسند اور مرضی تو کسی نے پوچھی ہی نہیں' بوجھ سمجھ کر بیاہ دیا [illegible] والے مرد سے اب بھلا میں یہ سب باتیں برداشت کر سکتی تھی' میں نے بھی دو چار سنا ڈالیں' [illegible] والی تھی تو شادی ہی نہ کی ہوتی' شادی بھی کر لی اور شوہر کے حقوق سے غافل ہیں' واہ بھئی اچھی شادی ہوئی ہے اور ہاں شادی سے یاد آیا' ڈیڑھ دو ماہ میں کنول کے بھائی کی بھی شادی ہو رہی ہے' میں کنول اور بچوں کو اپنے ساتھ لندن لے جا رہی ہوں''۔

''لیکن آنٹی! کامران کی شادی تو ہوگئی تھی اب کس کی شادی ہو رہی ہے؟'' نفیس نے حیران ہو کر پوچھا تو وہ بولیں۔

''اس نے انگریز سے شادی کی تھی اب وہ اسے طلاق دے چکا ہے اور میں نے اس کے لئے ایک پاکستانی لڑکی پسند کی ہے وہیں پلی بڑھی ہے بہت امیر ہے اور کامران کو پسند بھی ہے' میں نے پرسوں شام کی ٹکٹیں بک کروا لیں ہیں' آج پیکنگ کرنا ہے اور کچھ شاپنگ بھی کرنا ہے''۔

''آنٹی! کنول اور بچے ڈیڑھ ماہ پہلے جا کر کیا کریں گے' شادی سے چند دن پہلے ہم سب آ جائیں گے''۔ نفیس نے حیران پریشان ہو کر کہا۔

''تم بے شک شادی سے چند دن پہلے آ جانا لیکن میں کنول اور بچوں کو پرسوں اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں''۔ سلمیٰ بیگم نے قطعی انداز میں کہا۔

''آنٹی! اس طرح تو بچوں کی تعلیم کا بہت حرج ہوگا ابھی تو ایڈمیشن کرایا ہے ان کا اور پھر میں یہاں اکیلا رہ جاؤں گا''۔ نفیس نے اپنی حالت پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اکیلے کیوں رہیں گے' عینی جو ہے آپ کا اکیلا پن دور کرنے کے لئے اسے لے آیئے گا''۔ کنول نے طنزیہ لہجے میں کہا تو نفیس نے ان کے لہجے کو نظر انداز نہ کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''تم جانتی ہو کہ عینی کا موڈ اول روز سے آف ہے اور اب وہ میکے گئی ہے اتنے دن بعد' فوراً تو نہیں آئے گی اور کنول! میری طبیعت بہت خراب ہے میں کئی دن سے برداشت کر رہا ہوں مگر اب ہمت جواب دے گئی ہے' تم مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جاؤ گی''۔

''عینی بھی تو آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر گئی ہے اور میں نے تو آج تک آپ کی خدمت کی ہے اب ذرا اپنی دوسری بیوی کو بھی اپنی خدمت کا موقع دیجئے' ہمارے جانے سے شاید آپ دونوں کے بیچ جو فاصلے حائل ہیں وہ ختم ہو جائیں اور آپ نے عینی کو تو میکے جانے کی اجازت فوراً دے دی لیکن مجھے روک رہے ہیں''۔ کنول نے بہت سپاٹ اور طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں میکے جانے سے روک نہیں رہا کنول۔ اور نہ ہی تم نے مجھ سے اجازت مانگی ہے''۔

''تو اب مجھے اپنے میکے جانے کے لئے بھی آپ کی اجازت کی ضرورت ہوگی' بس میں نے کہہ دیا ہے میں پرسوں ممی کے ساتھ لندن جا رہی ہوں' آپ اپنی تیمارداری کے لئے عینی کو بلا لیں''۔ کنول نے بہت ہی سپاٹ لہجے میں کہا' کنول کو معلوم جو تھا کہ عینی ان سے نفرت کرتی ہے' سو وہ اب تو بالکل نہیں آئے گی کیونکہ سلمیٰ بیگم نے اس کا پاؤں جلا دیا تھا' وہ جتنا زیادہ عینی کو نفیس کے حوالے سے ستائیں اور پریشان کریں گی طعنے دیں گی' عینی اتنی ہی زیادہ نفیس سے نفرت کرے گی' لندن جانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ نفیس کو اپنی اہمیت جتانا چاہتی تھی' مگر نفیس کو ان کا لہجہ رویہ اور انداز بہت ہرٹ کر رہا تھا' اس کے برعکس عینی کا رویہ انہیں پسند آیا تھا جو ان سے ناراضگی اور نفرت کا اظہار کر چکی تھی اور اس کے باوجود میکے جانے سے پہلے ان سے اجازت لینا ضروری سمجھا تھا اس نے اور ان کی صحت کے لئے بھی تشویش کا اظہار کیا تھا' وہ بری طرح بخار میں جل رہے تھے اور کنول کے رویئے نے انہیں مزید جلا دیا تھا' وہ مجبوراً ہار مانتے ہوئے بولے۔

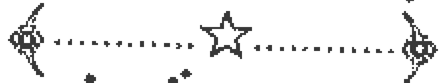
''ٹھیک ہے جاؤ تم لوگ لیکن بچوں کی پڑھائی کا جو حرج ہوگا وہ تمہیں پورا کرنا ہوگا' انہیں وہاں باقاعدگی سے پڑھانا تاکہ یہاں واپس آ کر یہ اپنے کلاس فیلوز کے برابر ہوں''۔

''ہو جائے گا پڑھنا لکھنا بھی' ابھی تو آپ مجھے گاڑی کی چابی دیں ہم نے بازار شاپنگ کے لئے جانا ہے''۔ کنول نے لاپرواہی سے کہا۔

''چابی بیڈ روم میں سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہے لے لو''۔ نفیس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں' سلمیٰ بیگم بھی فاتحانہ انداز میں مسکراتی ہوئی ان کے پیچھے چل دیں' روشی اور شان اٹھ کر نفیس کے دائیں بائیں بازو پر سر رکھ کر نرم لہجے میں بولے۔

''آئی لو یو پاپا''۔

''آئی لو یو ٹو'' نفیس نے ان دونوں کو اپنے ساتھ لپٹا کر ان کی پیشانیاں چوم لیں۔



تیسرے دن وہ چاروں لندن کی فلائٹ سے چلے گئے' نفیس انہیں ایئرپورٹ چھوڑ کر گھر آئے تو بستر پر نڈھال ہو کر گر گئے' ان کا دل دکھ سے بھر رہا تھا' آج سارا دن نفیس بخار میں جلتے رہے' عینی کو فون بھی نہیں کر سکے تھے' اسی وجہ سے عینی کو تشویش لاحق ہو رہی تھی' رات کو اسے نیند بھی نہیں آ رہی تھی' اس نے لاؤنج میں آ کر نفیس کے موبائل کا نمبر ڈائل کیا بہت دیر بعد نفیس نے موبائل آن کیا اور کان سے لگا کر کمزور سے لہجے میں ہیلو کہا تو عینی کو ان کی آواز اور لہجے نے اندر سے ہلا دیا وہ کچھ بول ہی نہ سکی' نفیس کی سانسوں کی تھکن' تیزی اور بے ترتیبی اسے واضح طور پر محسوس ہو رہی

تھی' وہ باوجود کوشش کے کچھ نہ بول سکی اور نفیس نے تھک کر موبائل بند کر دیا۔

''یا اللہ! خیر کرنا' نفیس کو کیا ہوا ہے؟'' عینی نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا وہ سچ مچ بہت پریشان ہو گئی تھی اسے پہلے ہی ان کی فکر تھی کہ ان کی طبیعت خراب تھی' اب تو اسے یقین ہو چلا تھا کہ ضرور نفیس بیمار ہیں جبھی تو گھر نہ آ سکے' فون نہ کر سکے اور اب جوان کی آواز لرز رہی تھی' تھکی ہوئی تھی اس سے اندازہ لگانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا کہ ان کی اس وقت کیا حالت ہو گی۔ وہ فوراً نفیس کے پاس جانا چاہتی تھی لیکن رات کے گیارہ بج رہے تھے اور نعیم بھائی سمیت سب گھر والے گہری نیند سو رہے تھے' وہ بے قراری سے لاؤنج میں ٹہلنے لگی' نفیس کی سرخ سرخ آنکھیں ان کے ہاتھ کی غیر معمولی تپش اور حرارت اسے یاد آ رہی تھی اور وہ خود کو سرزنش کر رہی تھی۔

''کیسی بیوی ہوں میں' شوہر کی پرواہ کئے بغیر یہاں چلی آئی' جب نفیس میرا اتنا خیال رکھ رہے تھے تو مجھے بھی تو بیوی بن کر ان کا خیال رکھنا چاہئے تھا' الٹا میں نے انہیں ہرٹ کیا' پریشان اور دکھی کیا' انہیں ان کا حق بھی نہیں دیا' کیا محبت کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے بے رخی سے' خفگی اور دوری سے' نہیں میں نے بہت غلط کیا ہے''۔

☆

''بھائی جان! آپ آفس جاتے وقت مجھے گھر ڈراپ کرتے جایئے پلیز''۔

''لیکن تم نے تو ابھی کچھ دن رہنا تھا یہاں؟'' نعیم بھائی نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب یہاں ان کا دل نہیں لگتا'' ۔ ثوبیہ بھابی نے شوخی سے کہا تو وہ شرم سے سرخ ہو گئی۔

''تو کہاں لگتا ہے؟'' ردا نے مسکراتے ہوئے ان سے پوچھا۔

''پیا کے دیس میں'' ۔ ثوبیہ بھابی نے شرارت سے کہا تو سب کو ہنسی آ گئی وہ شرم سے غصے سے ان دونوں کو گھورنے لگی اور انہیں منہ چڑا کر سمیرہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''امی جان! دراصل نفیس کی طبیعت خراب تھی اس لئے میں جانا چاہ رہی ہوں''۔

''خدا خیر کرے' کیا ہوا نفیس بیٹے کو؟ طبیعت خراب تھی تو تم کو آنا ہی نہیں چاہئے تھا' شوہر کی تیمارداری کرنا چاہئے تھی اور نفیس کو بھی دیکھو ہنستا بولتا کام کرتا پھرے گا بتائے گا نہیں کہ طبیعت خراب ہے''۔ سمیرہ بیگم نے کہا۔

''امی جان! کنول آپا تو ان کے پاس ہیں ناں اسی لئے میں آ گئی تھی اور انہوں نے خود ہی اجازت دی تھی مجھے یہاں آنے کی''۔ عینی نے کہا تو ثوبیہ بھابی بھی بولیں۔

''اور کیا امی جان! کنول بھابی تو اپنے شوہر کی خدمت کے لئے موجود ہیں وہاں''۔

''پھر بھی عینی کو بھی وہاں موجود ہونا چاہئے تھا' چلو خیر اب چلی جاؤ اچھا کیا جو تم نے خود ہی جانے کا سوچ لیا' اسی طرح سمجھداری سے کام لو گی تو شوہر کے دل میں جگہ بنانے میں آسانی ہو گی''۔ سمیرہ بیگم نے اس کا سر تھپک کر نرمی سے کہا۔

''امی جان! شوہر کے دل میں تو یہ پہلے سے ہی جگہ بنا چکی ہیں اب تو گھر میں جگہ بنانی ہے''۔ ردا نے شرارت سے کہا تو عینی اسے مارنے کے لئے لپکی۔

''ردا کی بچی! ٹھہرو ذرا تمہاری جگہ تو میں خالی کراتی ہوں یہاں سے۔ امی! اب اسے بھی یہاں سے چلتا کریں تا کہ میں بھی اس سے اس کی شوخیوں کے بدلے لے سکوں''۔

''اللہ نے چاہا تو اس کی بھی جلد رخصتی ہو جائے گی''۔ سمیرہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ ان سب کو خدا حافظ کہہ کر نعیم بھائی کے ساتھ نفیس ولا کی جانب رواں دواں ہو گئی' نعیم بھائی نے اسے نفیس ولا کے گیٹ کے قریب اتار دیا۔

''اس وقت تو مجھے آفس پہنچنا ہے انشاء اللہ واپسی پر شام میں چکر لگاؤں گا''۔ نعیم بھائی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اللہ حافظ''۔ نعیم بھائی کو الوداع کہنے کے بعد وہ گیٹ پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ اس کے ہاتھ کے دباؤ سے گیٹ خود بخود اندر کی جانب کھل گیا وہ ڈر گئی۔

''ارے یہ کیا گیٹ پہلے سے ہی کھلا ہوا ہے''۔ عینی نے حیرت سے کہا اور ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا اور گیٹ اندر سے بند کر دیا' چاروں جانب نظر دوڑا کر دیکھا تو اسے گھر میں عجیب سے سناٹے اور اداسی کا احساس ہوا وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اندر چلی آئی' ڈرائنگ روم کے دروازے پر پہنچی تو اس کی نظر نفیس پر پڑی اور اس کا دل بہت بری طرح تڑپ کر بے قرار ہو کر دھڑکا اس نے صدمے سے اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا کہ کہیں اس کی چیخ ہی نہ نکل جائے' نفیس کی حالت بہت ابتر ہو رہی تھی بخار سے سرخ جلتا چہرہ' سوجھی ہوئی آنکھیں' بکھرے ہوئے بال' بڑھی ہوئی شیو' شکن آلود لباس' وہ جو اسے ہمیشہ ویل ڈریسڈ نظر آئے تھے آج وہ انہیں اس حال میں دیکھ کر تڑپ ہی تو گئی تھی وہ ٹیلی فون سننے آئے تھے جو مسلسل بج رہا تھا' عینی خود کو مزید وہاں نہیں روک سکی اور اندر داخل ہو گئی۔

''ہیلو''۔ نفیس نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔

''جی...... جی نہیں رانگ نمبر''۔ نفیس نے بمشکل یہ الفاظ ادا کئے اور اپنا بایاں ہاتھ سر پر پھیرنے لگے' آنکھیں بند کئے وہ ریسیور کریڈل پر رکھنے کی سعی کر رہے تھے کہ عینی نے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام لیا' انہوں نے ایکدم چونک کر آنکھیں کھولیں' عینی کا صبیح چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا جس پر پریشانی اور شرمندگی کے تاثرات نمایاں تھے عینی نے بہت دکھ' محبت اور ندامت بھری نظروں سے انہیں دیکھا اور ان کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھ دیا۔

''عینی! تم آ گئیں؟'' نفیس نے اس کے نرم ملائم ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں بند کرتے ہوئے کہا۔

''جی...... میں آ گئی ہوں آپ کے پاس''۔ اس نے نظریں ان کے چہرے پر جما کر مدھم آواز میں کہا۔

''میرے پاس''۔ وہ بے یقینی سے بولے۔

''تمہارے پاؤں کا کیا حال ہے اب؟''

''ٹھیک ہے آپ نے اپنی یہ کیا حالت بنالی ہے کسی ڈاکٹر سے چیک اپ کرایا آپ نے؟''

''جسے گھر کے مسیحا چھوڑ جائیں وہ باہر کے مسیحا سے بھلا کیوں رجوع کرے گا؟''

''آئی ایم سو......'' اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ نفیس نے اس کے ہونٹوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھ دی اور یہ شعر پڑھا۔

''محبت جن سے ہو جائے...... پھر ان کی معذرت اچھی نہیں لگتی''۔

''نفیس!'' وہ رونے والی ہو گئی' وہ اسے کتنا چاہتے تھے اسے اپنے رویئے پر ندامت محسوس ہو رہی تھی۔

''نہیں''۔ نفیس نے اس کی آنکھوں میں امنڈتے آنسوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''میں ان آنکھوں میں آنسو نہیں اپنے لئے پیار دیکھنا چاہتا ہوں''۔

(جاری ہے)

لبنیٰ عبید

ناولٹ

دو محبت بھرے دل

''زرتاشہ رکو! ابھی ہم ساتھ ہی چلیں گے کینٹین یار تمھیں اتنی جلدی کیوں رہتی ہے؟'' نشاء نے ق... جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں جا رہی ہوں' بہت دیر سے میں یہاں کھڑی تم دونوں کی بکواس سن رہی ہوں میرے سر میں درد شروع ہو گیا ہے تم لوگوں کی گفتگو سن کر اس لئے میں جا رہی ہوں او کے''۔ زرتاشہ ان دونوں کو ہاتھ ہلاتے ہوئے کینٹین کی جانب چل دی اور اس کے پیچھے کھڑی نشاء اور اریشہ ایک دوسرے کی شکل ہی دیکھنے لگیں کیونکہ وہ ضدی' خود سر لڑکی جا چکی تھی' تو ان دونوں نے بھی کینٹین کی طرف قدم بڑھا دیئے وہ دونوں جانتی تھیں کہ وہ رکنے والی نہیں ہے سو مجبوراً انہیں خود ہی اس کی تقلید میں کینٹین تک جانا پڑا۔

''زرتاشہ! حد ہوتی ہے تم ہمیں چھوڑ کر آ گئیں''۔ اریشہ نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے درشتگی سے کہا نشاء بھی دوسری چیئر گھسیٹ کر بیٹھ چکی تھی۔

''ہاں تو تم لوگ اتنا انٹرسٹ کیوں لے رہی ہو اس لڑکی میں''۔ اس نے قدرے منہ بنا کر کہا۔

''یار! وہ لڑکی واقعی بہت نائس ہے تم نے دیکھا نہیں کتنے رکھ رکھاؤ والی لڑکی ہے شاید کسی اچھی فیملی سے ہے بھئی مجھے تو وہ بہت پسند آئی''۔ نشاء نے اس کی تعریف کے پل ہی باندھ دیئے۔

''میرا تو بڑا دل چاہتا ہے اس سے فرینڈ شپ کرنے کا''۔ اریشہ نے بھی کہا۔





''اچھا اب آپ دونوں یہ اریج نامہ بند کریں گی''۔ زرتاشہ نے دونوں کو ٹوک دیا پتہ نہیں کیوں اریج کا ذکر اسے برا لگ رہا تھا اور وہ دونوں بار بار اس کا ہی تذکرہ کئے جا رہی تھیں' اریج یونیورسٹی میں نئی آئی تھی اور ان کے ہی ڈپارٹمنٹ میں تھی' ان تینوں کا تو الگ گروپ تھا زرتاشہ' نشاء' اریشہ انہوں نے کبھی کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا تھا' تینوں ہی کی دوستی کافی تھی' زرتاشہ کی وجہ سے کسی لڑکے یا لڑکی کی ہمت نہ ہوتی تھی ان کے گروپ میں شامل ہونے کی' زرتاشہ الگ تھلگ رہنے والی لڑکی تھی اس کے دوست بھی کم تھے بس اریشہ اور نشاء جو کہ اسکول سے اس کی فرینڈز تھیں' اس لئے صرف انہی دونوں سے اس کی دوستی تھی اور اسے کبھی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی اور کوئی دوست بنانے کی۔

''ہیلو ایوری باڈی''۔ وہ تینوں کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر انہی کی طرف آ گئی۔

''آؤ اریج! بیٹھو''۔ اریشہ نے اسے بیٹھنے کی دعوت دی' اریشہ اور نشاء سے تو وہ خاصی گھل مل گئی تھی جبکہ زرتاشہ کا موڈ دیکھ کر وہ اس سے کم ہی مخاطب ہوتی تھی' اریشہ اور نشاء اریج کو سمجھاتیں کہ زرتاشہ ہم دونوں کے علاوہ کسی سے فرینڈشپ نہیں رکھتی تم برا نہیں ماننا' وہ دل کی بری نہیں ہے جس پر اریج سر ہلا کر رہ جاتی۔

☆

آج مورننگ میں زرتاشہ کو اکیلے بیٹھا دیکھ کر اریج اس کی دوسری چیئر پر بیٹھ گئی۔

''زرتاشہ! اریشہ اور نشاء نے بتایا تھا کہ آپ کسی سے دوستی نہیں کرتی ہیں پر کیا آپ مجھ سے بھی دوستی نہیں کریں گی''۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے''۔ زرتاشہ کچھ اٹکتے ہوئے بولی۔

''تو پھر کیسی بات ہے''۔ اریج تو جیسے اس کے پیچھے ہی پڑ گئی' زرتاشہ اس لڑکی کی ہمت کی داد دینے لگی کہ کس دلیری سے وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہی تھی ورنہ کوئی اس کی مرضی کے بغیر اس سے اتنا بے تکلف ہوتا تو وہ اسے جھاڑ کر رکھ دیتی تھی پر اریج میں کچھ خاص ضرور تھا جو وہ اسے جھاڑ نہ سکی۔

''تو پھر آج سے آپ بھی میری دوست ہوئیں جس طرح اریشہ اور نشاء ہیں''۔ اس نے خود ہی فیصلہ کر ڈالا' زرتاشہ اسے منع نہ کر سکی اور کرتی بھی کیوں' اریج نے جس طرح اپنے پن سے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو وہ اسے اجنبی نہیں لگی بلکہ اپنی سی لگی پھر یہ ہوا کہ ان کے گروپ میں تین سے چار کا اضافہ ہو گیا۔

☆

''اریج! تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟'' اذکار علی شاہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی بھائی! بالکل ٹھیک''۔ اس نے مختصر سا جواب دیا' لاؤنج میں سب ہی ینگ پارٹی بیٹھی تھی' اذلان علی شاہ بھی ان کے درمیان بیٹھا' اریج علی شاہ پر گاہے بگاہے نظر ڈال رہا تھا اور اس کی نظروں سے اریج نروس ہو رہی تھی وہ اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر منہ پھیر گئی۔

شاہ ولاز کے سرپرست حیات علی شاہ ایک بڑے جاگیردار تھے وہ اور ان کی بیوی زبیدہ بیگم اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ ایک خوبصورت بنگلے میں رہائش پذیر تھے' سب سے بڑے بیٹے صمام علی شاہ' منجھلے زریاب علی شاہ اور چھوٹے ذونین علی شاہ تھے' صمام علی شاہ کی فیملی میں ان کی بیگم عائشہ اور تین بیٹے اذکار علی شاہ' ضمائر علی شاہ' اذلان علی شاہ تھے' زریاب علی شاہ کی فیملی میں ان کی بیگم شمع اور دو بچے اریج علی شاہ اور مہران علی شاہ تھے' ذونین علی شاہ کی بیوی سائرہ بیگم اور ان کی دو بیٹیاں تھیں رانیہ علی شاہ' تانیہ علی شاہ۔

حیات علی شاہ جاگیردارانہ سوچ کے حامل تھے' انہوں نے اپنے پوتوں کو تو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی لیکن اپنی پوتیوں کو صرف اسکول' کالج تک ہی تعلیم دلوائی وہ بھی بمشکل' کیونکہ وہ لڑکیوں کے زیادہ پڑھنے کے خلاف تھے' لیکن اریج آگے پڑھنا چاہتی تھی اور جس کے لئے وہ زریاب علی شاہ اور شمع بیگم سے ضد بھی کرتی رہی لیکن اسے اجازت نہ مل سکی اور کسی کی ہمت بھی نہ ہو سکی حیات علی شاہ کے سامنے کچھ بولنے کی' کیونکہ سب ان کے حکم کے مطابق چلتے تھے جیسا حیات علی شاہ نے کہہ دیا ان کے بیٹے اور گھر کی تمام خواتین ویسا ہی کرتی تھیں' کوئی ان کے حکم کے خلاف نہیں جا سکتا تھا' اذکار علی شاہ اس گھر کا سب سے بڑا پوتا ہونے کے ناطے وہ یہ ہی چاہتا تھا کہ عورتوں کو بھی ان کا جائز حق ملنا چاہئے' علم حاصل کرنا عورت کا بھی فرض ہے' ایک باشعور پڑھی لکھی عورت ہی اپنی آنے والی نسل کی بہتر پرورش کر سکتی ہے' انہیں اچھے اور برے کی تمیز سکھا سکتی ہے اور قدم قدم پر ان کی رہنمائی کر سکتی ہے جس سے ایک بہتر معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے' اذکار علی شاہ ایک کھلے ذہن کا مالک تھا یہ ہی وجہ تھی کہ شمع بیگم نے اریج کی پڑھائی میں اتنی دلچسپی دیکھ کر اذکار علی شاہ سے بات کی' جس پر اس نے انہیں مطمئن کر دیا کہ وہ دادا جی سے بات کرے گا' شمع بیگم بھی مطمئن ہو گئیں کہ اذکار کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالے گا اور ان کی بیٹی کا آگے پڑھنے کا خواب بھی پورا ہو سکے گا' اور واقعی اذکار علی شاہ میں ایسی بات ضرور تھی جو کہ حیات علی شاہ اس کے آگے چپ ہو جاتے تھے' حیات علی شاہ نے اپنے کاروبار کی ذمہ داری بھی اذکار علی شاہ پر ڈالی تھی ویسے تو ان کے تینوں بیٹے بھی انہی کے ساتھ شامل تھے پر اذکار سے انہیں کافی امیدیں وابستہ تھیں اور وہ ان کی امیدوں پر کھرا اترا تھا' جبکہ ضمائر علی شاہ امریکا سے اعلیٰ تعلیم لے کر لوٹا تھا اور اس کا اپنا ایک الگ بزنس تھا' اذلان علی شاہ اور مہران علی شاہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے اور ان کا بھی یہ ارادہ تھا کہ وہ جاب کر کے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔

☆

ناشتہ پر معظم ہمدانی نے زرتاشہ کو گاڑی کی چابی پکڑاتے ہوئے اسے حیران کر دیا وہ حیرت سے معظم ہمدانی کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ لو بیٹا! اپنی گاڑی کی چابی جو کہ آپ کے پاپا نے آپ کو گفٹ کی ہے دیکھ کر بتانا کیسی لگی''۔ وہ یہ کہہ کر ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ زوباریہ ہمدانی بھی حیرت سے اپنے شوہر کی شکل تکنے لگیں۔

''ارے بھئی کیا ہوا آپ دونوں کو؟ زرتاشہ! آپ کو خود کی گاڑی چلانے کا بہت شوق تھا نہ وہ آج پورا ہو رہا ہے جاؤ آج سے یونیورسٹی اسی میں جانا''۔ معظم ہمدانی نے ان دونوں کی حیرت کو بالائے طاق رکھ کر کہا۔

''تھینک یو سو مچ پاپا!'' زرتاشہ نے معظم ہمدانی کی بانہوں میں ہاتھ ڈال کر کہا۔

''جاؤ بیٹا! تمہیں دیر ہو رہی ہے''۔ انہوں نے اسے باور کرایا۔

''معظم! آپ زرتاشہ کی ہر خواہش پوری کر دیتے ہیں' لاڈ پیار میں آپ اسے بگاڑ رہے ہیں''۔ زوباریہ ہمدانی نے فکرمندی سے کہا۔

''بیگم! زرتاشہ پر مجھے پورا بھروسہ ہے وہ کبھی کوئی غلط کام نہیں کرے گی''۔ انہوں نے مطمئن انداز میں جواب دیا' زوباریہ ہمدانی انہیں دیکھ کر رہ گئیں کہا کچھ نہیں۔ سب نے اس کی کار کی تعریف کی زرتاشہ تو آج بہت خوش تھی۔

''چلو آج میں تم لوگوں کو اپنی کار میں گھماؤں گی''۔ اس نے تینوں سے کہا تو اریشہ اور نشاء کو تو کوئی اعتراض نہ تھا اور وہ راضی بھی ہو گئیں جبکہ اریج تھوڑا جھجکنے لگی۔

''نہیں یار! مجھے ڈرائیور لینے آ جائے گا اور ذرا دیر ہو گئی تو میرے گھر میں بھگدڑ مچ جائے گی''۔ اریج نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔

''ارے یار! تھوڑی دیر کی تو بات ہے''۔ زرتاشہ نے اسے تسلی دی وہ راضی ہو گئی پر اندر سے ڈر

بھی رہی تھی کہ کہیں گھر پہ پتہ نہ چل جائے' وہ تینوں چلی گئیں اور خوب انجوائے کر رہی تھیں وقت کا پتہ نہ چلا' کافی دیر سے اذکار علی شاہ یونیورسٹی کے باہر کھڑا اریج کا انتظار کر رہا تھا لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی' اتنی دیر تو نہیں ہوتی اریج کو' اذکار علی شاہ کو تشویش نے آ گھیرا۔ جب ہی سامنے سے ایک کار آتی دکھائی دی' اس میں اریج کو بیٹھا دیکھ کر اذکار علی شاہ کا پارہ ہائی ہو گیا اور ڈرائیور کی جگہ اذکار بھائی کو دیکھ کر اریج کے پیروں تلے زمین نکل گئی' اذکار علی شاہ' اریج کو تقریباً گھسیٹتا ہوا گاڑی تک لایا اور دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھایا اور پلٹ کر زرتاشہ کے پاس گیا' جہاں وہ تینوں ہونق بنی کھڑی تھیں اور اس شخص کو اپنی طرف آتا دیکھ رہی تھیں۔

''محترمہ! آپ کی ہمت کیسے ہوئی میری بہن کو کہیں بھی لے جانے کی؟ تم جیسی لڑکیاں مجھے پتہ ہے کیسی ہوتی ہیں' گھر سے والدین بھیجتے ہیں اور آپ لوگ یہاں یہ حرکتیں کر رہی ہیں آئندہ میری بہن سے دور رہنا سمجھیں آپ لوگ''۔ وہ تو اپنا تمام تر غصہ ان تینوں پر اتار کر چلا گیا' اس سے بے خبر کہ زرتاشہ کو اپنی کتنی تضحیک محسوس ہوئی' کبھی کسی نے اس سے اس طرح بات نہیں کی تھی' نہ پاپا نے نہ مما نے۔ وہ گاڑی میں بیٹھی آگے چلی گئی' اریشہ اور نشاء اسے آواز دیتی رہ گئیں' گھر آئی تو شکر ہے اس کا سامنا مما سے نہ ہوا وہ ڈائریکٹ اپنے کمرے میں چلی گئی' لاک لگا کر وہ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹ کر رونے لگی' آج اذکار علی شاہ کی باتوں نے اسے بہت توڑ کر رکھ دیا تھا' کیا وہ ایسی لڑکی تھی جو اس پر الزام لگا دیا' وہ اپنے آپ کو بہت گرا ہوا محسوس کر رہی تھی اس طرح کوئی انجان آدمی اس کے کردار پر کیچڑ اچھالے گا' اس نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔

☆

''بھائی! وہ میری دوست ہے وہ ایسی نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں' آپ نے اس سے پتہ نہیں کیا کیا کہا ہوگا''۔ اریج' اذکار علی شاہ کا غصہ بھلا کر زرتاشہ کے بارے میں سوچنے لگی کہ پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہی ہوگی۔

''چپ کرو اریج! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی پتہ ہے تمہیں کتنی مشکل سے دادا جی راضی ہوئے ہیں تمہیں یونیورسٹی بھیجنے پر' اگر انہیں اس بات کی خبر ہو جاتی تو پتہ ہے کیا ہو جاتا؟'' اذکار علی شاہ سخت طیش کے عالم میں بولا۔

''پر بھائی! زرتاشہ بہت اچھی لڑکی ہے جب ہی تو میں نے اس سے دوستی کی ہے''۔ اس نے زرتاشہ کی صفائی پیش کی۔

''گڑیا! تمہیں نہیں پتہ کیسے کیسے لوگ ہیں اس دنیا میں' ہر کسی پر بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں ہے''۔ وہ بھائی تھا اس لئے فکر مند تھا۔ اذکار علی شاہ کی بھلے کوئی بہن نہیں تھی پر وہ اریج' رانیہ' تانیہ کو اپنی چھوٹی بہنیں ہی سمجھتا اور وہ ان کی گھر کی عزت بھی تھیں اس لئے ان کا خیال رکھنا اس کا فرض بنتا تھا' اریج خاموش ہی رہی اب وہ اذکار بھائی سے کیا بحث کرتی۔

☆

''آج زرتاشہ نہیں آئی کیا؟'' اریج نے اریشہ اور نشاء کو ایک ساتھ کھڑا دیکھ کر استفسار کیا۔

''نہیں یار! کل اتنا کچھ ہو گیا وہ ہماری بھی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے' میں بھی اسے کال کر کر کے تھک گئی ہوں وہ ریسیو ہی نہیں کر رہی ہے''۔ اریشہ نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''ہاں میری وجہ سے اسے کافی کچھ سننا پڑ گیا''۔ اریج نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا تم مجھے کیا اس کا نمبر دے سکتی ہو مجھے اسے سوری کہنا ہے''۔

''نہیں اریج! اگر ہم نے اس کا نمبر دے دیا تو وہ اور غصہ ہو جائے گی''۔ نشاء نے نمبر دینے سے صاف انکار کر دیا۔

''ارے تم دو تو' میں سنبھال لوں گی' پلیز مجھے اس

سے لازمی بات کرنی ہے''۔ اریج نے نمبر لے ہی لیا۔

اریج کافی دیر سے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ وہ اب زرتاشہ سے کس طرح بات کرے موبائل تو اس کے پاس تھا ہی نہیں' اذکار بھائی کے پاس تھا اور ضمائر علی شاہ کے پاس۔ ضمائر علی شاہ سے تو وہ قطعی موبائل لینا نہیں چاہتی تھی پر اذکار بھائی سے بھی نہیں مانگ سکتی تھی' وہ اٹھی اور اذکار علی شاہ کے کمرے تک گئی' کمرے میں کوئی نہیں تھا اور موبائل دیکھا جو کہ ٹیبل پر ہی رکھا تھا۔

''یہ موقع اچھا ہے اذکار بھائی جب تک نہیں ہیں میں زرتاشہ سے بات کر لیتی ہوں' اذکار بھائی کا موبائل استعمال کر لیتی ہوں''۔ وہ یہ سوچتی ہوئی موبائل میں اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی' بیل جا رہی تھی ایک دو بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔

''ہیلو زرتاشہ! میں اریج بات کر رہی ہوں''۔ زرتاشہ کی آواز سن کر اریج نے فوراً کہا۔

''ہاں کہو کیا ہوا؟'' زرتاشہ پہلے تو حیران ہوئی کہ اریج کے پاس اس کا نمبر کیسے آیا پھر بڑی بے دلی سے بولی۔

''زرتاشہ! میں تم سے کل کے لئے سوری کہنا چاہتی ہوں' میری وجہ سے بھائی نے تمہیں اتنا کچھ سنا ڈالا''۔ اریج واقعی شرمندہ تھی۔

''اریج! کوئی بات نہیں میں تم سے ناراض نہیں ہوں''۔ زرتاشہ نے اسے ٹالنا چاہا پر دوسری طرف اریج کو کچھ خاص تسلی نہ ہوئی اس کے جواب سے۔

''اچھا اریج! میں فون رکھتی ہوں مما مجھے بلا رہی ہیں''۔ زرتاشہ کا اس سے بات کرنے کا موڈ ہرگز نہیں تھا وہ بہانہ کر کے لائن کاٹ گئی' جبکہ دوسری طرف اریج کو معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا' یہ معاملہ بہت سنگین ہو چکا تھا' اب وہ کیسے زرتاشہ سے بات کرے گی ابھی وہ سوچ میں غلطاں تھیں جب ہی اذکار علی شاہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اذکار علی شاہ کی آواز سنی تھی کہ اریج نے موبائل فوراً اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

''کچھ نہیں بھائی! وہ آپ کے کمرے کی ڈسٹنگ کر رہی تھی' اتنا گندا پڑا ہوا ہے آپ کا کمرہ''۔ اس سے جو بہانہ بن پایا اس نے بنا دیا حالانکہ اذکار کے کمرے میں ڈسٹ نام کو نہیں تھی' اریج نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی اور باہر نکل آئی جبکہ اذکار علی شاہ اریج کی اس حرکت پر سر جھٹک کر رہ گیا' اور بیڈ پر لیٹ گیا اور اپنا موبائل چیک کرنے لگا اس کی نظر ڈائل نمبر پر گئی اسے اچنبھا ہوا کہ یہ نمبر کس کا ہے پر یہ ڈائل کس نے کیا ہے میرے موبائل سے' وہ اسے ری ڈائل کرنے لگا پتہ چلے کہ کس کا ہے' بیل جا رہی تھی رات کے ایک بجے اب کس کا فون آ گیا' زرتاشہ نے موبائل کی طرف بغور دیکھا اسکرین پہ نمبر دیکھا تو وہ ایک آہ بھر کر رہ گئی۔

''دیکھو اریج! میں نے تم سے کہا ہے نا کہ جو ہو گیا سو ہو گیا اب مجھے فون مت کرنا پلیز' میں پہلے ہی بہت ٹینشن میں ہوں' تمہارے بھائی نے تو پتہ نہیں مجھے کیا کیا کہہ دیا' ایک دفعہ بھی نہ سوچا کہ وہ کیا کہے جا رہا ہے' اس نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا' میں اپنے آپ کو بہت گرا ہوا محسوس کر رہی ہوں' کبھی کسی نے مجھ سے اس انداز میں بات نہیں کی' میں ایسی نہیں ہوں جیسے تمہارے بھائی نے مجھے بنا ڈالا''۔ اس کا غصہ عروج پر تھا' زرتاشہ نے کچھ سنے بغیر لائن کاٹ دی' اذکار علی شاہ جہاں تھا وہاں ہی بیٹھا رہ گیا' اسے یہ احساس ہوا کہ کہیں واقعی اس سے بڑی غلطی ہو گئی جو اس نے اس لڑکی کو اتنا سنا ڈالا' وہ تو اریج کو گھر لے آیا اور پھر اس بات کو یکسر بھول گیا' کچھ تو تھا اس لڑکی کی آواز میں جو وہ ڈسٹرب ہو گیا' وہ تو کسی کا دل نہیں دکھا سکتا تھا پر اس نے اس لڑکی کا دل دکھا دیا تھا' جس کی وجہ سے اس کا دل بے چین تھا' پوری رات کروٹیں لیتے ہی گزر گئی۔ اریج کو آج گھر پر ہی دیکھ کر اذکار علی شاہ نے اس سے پوچھا۔

''آج تم یونیورسٹی نہیں گئیں؟''

''نہیں بھائی! آج موڈ نہیں تھا''۔ اریج نے

جواب دیا۔

"ارتج! کل تم نے میرے موبائل سے اپنی دوست کو فون کیا تھا میں نے ری ڈائل کر کے دیکھا تو پتہ چلا"۔ ارتج تو ہونق سی اسے دیکھ رہی تھی وہ جلدی جلدی میں زرتاشہ کا نمبر اذکار کے موبائل سے ڈیلیٹ کرنا بھول گئی تھی۔

"جی بھائی' وہ میں نے اس سے سوری کرنے کے لئے فون کیا تھا"۔ اس نے تھوڑا اٹکتے ہوئے بولا۔

"ارتج! میں خود شرمندہ ہوں کہ میں نے غصہ میں تمہاری دوست کو کیا کیا کہہ ڈالا' پر میں کیا کرتا' مجھے بہت غصہ آ رہا تھا' مجھے اس سے معافی مانگنی ہے کل رات جو تمہاری دوست نے مجھے سنائی اس سے تو میں خود بہت شرمندہ ہو گیا ہوں"۔

"کیا بھائی! آپ نے اس سے بات کی تھی؟" ارتج نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کہاں...... وہ تمہاری دوست صاحبہ نے خود ہی سنا کر خود ہی فون بند کر دیا' مجھے کچھ بولنے کا موقع ہی نہ مل سکا"۔ اذکار نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھائی! وہ تھوڑی ضدی ہے اتنی جلدی نہیں مانے گی وہ"۔ ارتج اب تھوڑی مطمئن ہو گئی تھی کہ چلو اب مسئلہ حل ہو جائے گا' اذکار بھائی' زرتاشہ سے خود سوری کہہ دیں گے' وہ مان جائے گی پر سب اس کی سوچ کے برعکس نکلا' وہ دوسرے دن یونیورسٹی گئی تو اسے اریشہ اور نشاء سے پتہ چلا کہ زرتاشہ نے یونیورسٹی چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ اب اپنے پاپا کے ساتھ ان کے بزنس میں انوالو ہو گئی ہے' یہ سن کر تو ارتج کو بہت دکھ ہوا کہ اب شاید ہی زرتاشہ سے بھی اس کی ملاقات ہو' زرتاشہ نے یونیورسٹی چھوڑ کر ملاقات تک کے راستے مسدود کر دیئے تھے' ارتج نے جب اذکار کو بتایا تو اسے بھی خود پر پشیمانی ہوئی اور ساتھ ساتھ دکھ بھی۔

☆

حیات علی شاہ کے کمرے میں سب موجود تھے۔

"صمصام! ہم نے ضمائر علی شاہ کے لئے ارتج اور اذلان علی شاہ کے لئے رانیہ کو چنا ہے' ہم چاہتے ہیں کہ ابھی ان لوگوں کی منگنی کر دی جائے' بعد میں جب تک اذکار علی شاہ کے لئے کوئی لڑکی ڈھونڈیں پھر شادی ضمائر اور اذکار کی ساتھ ہی کریں گے' مہران علی شاہ اور تانیہ کے بارے میں بھی میں نے اور آپ کی ماں نے سوچا ہے پر ابھی نہیں جب صحیح وقت آئے گا"۔ حیات علی شاہ نے گویا سب کی زندگیوں کے فیصلے کر ڈالے تھے۔

"مجھے امید ہے کہ آپ سب کو کوئی اعتراض نہ ہو گا"۔ انہوں نے اپنے بیٹوں اور بہوؤں سے اجازت چاہی' سب ان کے حکم کے تابع تھے اس لئے کسی نے کچھ نہ کہا۔

"اور اذکار علی شاہ سے ہم بات کر چکے ہیں اس بارے میں ہماری بات ہوئی ہے اس نے ہماری مرضی کو اہمیت دی ہے"۔ حیات علی شاہ نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس طرح اگلے اتوار تک ضمائر علی شاہ اور ارتج اور اذلان علی شاہ اور رانیہ کی منگنی کی رسم ادا کی جائے گی' ارتج اور رانیہ کی مائیں بھی خوش تھیں کہ چلو ان کی بیٹیاں ان کی آنکھوں کے سامنے ہی رہیں گی اور ضمائر اور اذلان گھر کے ہی دیکھے بھالے بچے ہیں' وہ دونوں بہت خوش تھیں۔ تانیہ کو جب پتہ چلا کہ ضمائر بھائی اور اذلان بھائی کی منگنی ہے تو وہ تو بہت خوش ہوئی اور یہ خوش خبری سنانے کے لئے رانیہ اور ارتج کو بھی سنانے چلی آئی' رانیہ تو شروع ہی سے اذلان علی شاہ میں انٹرسٹڈ تھی اور اذلان علی شاہ بھی' جب کہ ارتج ضمائر سے کچھ کھنچی کھنچی رہتی تھی' ضمائر علی شاہ کا رعب جمانے والا انداز اسے ایک آنکھ نہ بھاتا تھا' ارتج یہ سن کر ایک دم بھونچکا سی رہ گئی کہ وہ اور ضمائر شاہ۔

"نہیں...... نہیں...... میں اس جیسے شخص کے ساتھ اپنی زندگی نہیں گزار پاؤں گی"۔ پر وہ کہتی تو کس سے کہتی؟ اس کی کون سن سکتا تھا؟ یہ کوئی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا معاملہ نہ تھا بلکہ یہ اس کی زندگی کا معاملہ

تھا اور جب سب گھر میں راضی تھے تو اس کی مرضی کیا معنی رکھتی تھی جب کہ ضمائر بھی راضی تھا' تو پھر کیا چاہئے تھا' سب خوش تھے ایک ناخوش تھی تو صرف وہ......

☆

"تو میں اب آپ کو کیا کہہ کر پکاروں رانیہ جی یا رانیہ بیگم بھی چل سکتا ہے"۔ رانیہ لان میں بیٹھی تھی جب ہی اذلان علی شاہ اس کے برابر چیئر پر بیٹھ کر اس سے پوچھنے لگا۔ رانیہ اس کی یک دم آمد پر چونک کر سیدھی ہو بیٹھی' اب اذلان نے سمجھو اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑنا تھا اب جبکہ وہ ایک دوسرے سے منسوب ہونے والے تھے۔

"اوہ مسٹر اذلان صاحب! یہ کیا اول فول بک رہے ہیں آپ ہوش میں تو ہیں"۔ وہ اسے چڑاتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا میں ٹھیک بول رہا ہوں محترمہ! آپ کو اب وہی کرنا پڑے گا جیسا اذلان علی شاہ کہے گا کیونکہ آپ میری منگیتر بننے والی ہیں کوئی عام بات ہے کیا"۔ اس نے بھی اسے چڑانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

"تو کیا اب آپ مجھے اپنی ملکیت سمجھنے لگیں گے اذلان شاہ! منہ دھو رکھیں ایسا ویسا میں ہرگز برداشت نہیں کروں گی کہ آپ مجھ پر دھونس جمائیں"۔ رانیہ نے بھی دوٹوک جواب دیا۔

"رانیہ! تم سوچ بھی نہیں سکتیں میں آج کتنا خوش ہوں' اس دن کا مجھے کب سے انتظار تھا اور تم میری ہو گئیں' مانتی ہو نہ کہ میرے جذبے سچے ہیں جب ہی خدا نے بھی ہمیں آپس میں ملانے کا فیصلہ کیا ہے"۔ وہ ایک جذب کے عالم میں بول رہا تھا' اذلان علی شاہ رانیہ کو کب چاہنے لگا اسے خود خبر نہ ہو سکی' اذلان علی شاہ کی آنکھوں میں محبت کا گہرا رنگ رانیہ بخوبی دیکھ سکتی تھی۔

"تم تو خوش ہو نا رانیہ......؟" اذلان علی شاہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر وارفتگی سے پوچھا۔ رانیہ اذلان علی شاہ کی اس درجہ خوشی دیکھ کر صرف اثبات میں سر ہلا سکی۔

☆

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" کچن میں کھڑی ارتج کو دیکھ کر ضمائر علی شاہ نے اس سے چائے کی فرمائش کر ڈالی' ارتج تو اسے وہاں دیکھ کر فرمائش کرتے تپ کر رہ گئی۔

"رانیہ! ابھی آتی ہو گی وہ سب کو چائے سرو کرنے والی ہے آپ لاؤنج میں جا کر بیٹھیں"۔ اس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا ورنہ اسے وہاں کھڑے ہونا ایک پل گوارا نہ تھا۔

"رانیہ کیوں' مجھے تمہارے ہاتھ کی چائے پینی ہے رانیہ کے ہاتھ کی نہیں"۔ ضمائر علی شاہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا' اتنے میں تانیہ آ گئی اس کی آمد ارتج کو کسی معجزہ سے کم نہ لگی' تانیہ نے ان دونوں کو ساتھ کھڑا دیکھا تو کھنکھارا' تانیہ کے آتے ہی ارتج وہاں سے فوراً نکل گئی جبکہ ضمائر علی شاہ کو تانیہ کی آمد بری لگی۔

"تمہیں بھی ابھی آنا تھا"۔ ضمائر نے تانیہ کو جھڑکا۔

"بھائی! کیا کروں مجھے نہیں معلوم تھا آپ دونوں یہاں موجود ہوں گے"۔ تانیہ نے دبی دبی ہنسی کے ساتھ کہا جو کہ ضمائر علی شاہ سے چھپی نہ رہ سکی۔

"ایسا ماروں گا نہ تمہیں تو میں' سارا موڈ خراب کر دیا"۔ ضمائر نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"سوری بھائی!" تانیہ نے کان پکڑتے ہوئے کہا جس پر ضمائر علی شاہ ہنس پڑا۔

☆

"پاپا! میں بھی اب آپ کے بزنس میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گی' آپ مجھے اپنا بیٹا کہتے ہیں نہ تو میں بھی آپ کو بیٹا بن کر دکھاؤں گی"۔ زرتاشہ نے معظم ہمدانی کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا' زرتاشہ کی اس بات پر معظم ہمدانی چونکے بنا نہ رہ سکے۔

"پر بیٹا! تمہاری اسٹڈی کا کیا ہو گا؟"

اسے چپ کراتے ہوئے کہا۔

”کیا تمہیں ضمائر علی شاہ پسند نہیں ہے‘ کیا تم اس شادی سے خوش نہیں ہو اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھ سے شیئر کر سکتی ہو‘ پتہ ہے اریج! ضمائر علی شاہ تھوڑا لئے دیئے رہنے والا بندہ ہے پر مجھے یقین ہے وہ تمہیں خوش رکھے گا‘ میرا یقین کرو اگر تمہارے دل میں کوئی خدشات‘ وہم ہیں تو انہیں نکال دو“۔ اذکار علی شاہ نے اریج کو خاموش دیکھتے ہوئے کہا‘ وہ جانتا تھا کہ اریج‘ ضمائر علی شاہ سے کھنچی کھنچی رہتی تھی پر اسے یہ پتہ تھا کہ ضمائر علی شاہ‘ اریج سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے‘ اذکار علی شاہ نے اریج کو اس انداز سے سمجھایا کہ وہ رونا بھول کر اذکار علی شاہ کو دیکھنے لگی کہ بھائی مجھے کتنی اچھی طرح جانتے ہیں اور وہ ضمائر علی شاہ کی گارنٹی بھی لے رہے ہیں تو کچھ تو بات ہوگی ضرور اور وہ اذکار بھائی کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی بلکہ گھر میں کسی کو بھی نہیں۔

”نہیں بھائی! ایسی بات نہیں ہے بس ایسے ہی رونا آ گیا تھا“۔ اس نے بات قدرے سنبھال لی۔

”تو اب مت رونا ورنہ پٹو گی“۔ اذکار علی شاہ نے اریج کے کان کھینچے جس پر دونوں ہی مسکرا دیئے اذکار علی شاہ کو مسکراتا دیکھ کر اریج نے اذکار علی شاہ کو دعا دے ڈالی کہ۔

”یا اللہ میرے بھائی کو بہت اچھی ہمسفر ملے اور وہ ہمیشہ خوش رہیں‘ سلامت رہیں“۔ وہ نظروں میں ہی اذکار علی شاہ کی نظر اتارنے لگی۔

☆

زرتاشہ کے ذہن میں بار بار اذکار علی شاہ کا چہرہ گھوم رہا تھا وہ تو بہت قریب تھا اگر وہ چاہتی تو اسے سنا کر رکھ دیتی‘ اذکار علی شاہ نے تو اس کی بے عزتی کی اس کی نسوانیت کو ٹھیس پہنچائی تھی‘ وہ اسے جھاڑ دیتی‘ پر وہ ایسا نہ کر سکی بلکہ اتنے اچھے انداز میں اس سے بات بھی کرتی کہ وہ خود حیران تھی کہ وہ ایسا کیوں کر گئی کیوں اسے نہ سنایا اور کیوں اتنی نرمی برتی؟

☆

شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں شاہ ولاز میں اتنے دنوں بعد حیات علی شاہ کو اپنے پوتا‘ پوتی کی خوشی نصیب ہو رہی تھی‘ حیات علی شاہ اور ان کی بیگم زبیدہ اور گھر کے سب لوگ خوش تھے‘ پر اس اتنی خوشی کے پیچھے ایک عجیب سی اداسی بھی تھی نہ جانے کیا اداسی تھی پتہ نہیں کچھ کمی ضرور تھی کوئی کسی سے بولتا نہ تھا پر اپنی اپنی جگہ محسوس سب کر رہے تھے۔

”آج اس کی یاد بہت آ رہی ہے‘ بھلے اسے ہم نے بھلا دیا تھا کہہ دیا تھا کہ اب ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے‘ پر کیا ہم کبھی اسے بھول پائیں گے؟ جتنا بھولنے کی کوشش کرتے ہیں بھول ہی نہیں پاتے کچھ کمی سی لگتی ہے“۔ حیات علی شاہ کو آج اتنا ٹوٹا ہوا شکستہ حالت میں کبھی کسی نے نہیں دیکھا تھا‘ ان کے تینوں بیٹے اور بہوئیں وہاں موجود تھیں سب اپنی اپنی جگہوں پر خاموش کھڑے تھے کہ جیسے کوئی کچھ نہ کر سکتا ہو‘ اذکار علی شاہ جو دادا جی سے ملنے آیا تھا اندر کا ماحول دیکھ کر اس کے قدم دروازے پر ہی رک گئے اور وہ سب ہی گھر کے بڑوں کو یہاں دیکھ کر یہ اندازہ لگا پایا کہ جیسے کوئی تو بہت بڑی بات ہے جس سے ہم سب بچوں کو انجان رکھا گیا‘ کچھ تو ایسا تھا حیات علی شاہ کی آواز میں جس سے صاف لگتا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی بہت قیمتی چیز کو کھو چکے ہیں یا وہ موجود ہے لیکن وہ اپنی انا کے خول سے باہر نہیں آنا چاہتے‘ چاہے جو ہو جائے لیکن انا کو بھی ٹوٹنے نہ دیں گے‘ اذکار علی شاہ ان ذو معنی باتوں رویوں لہجوں کی تہہ تک جانا چاہتا تھا‘ اس لئے وہ دبے قدموں واپس لوٹ گیا۔

☆

اذکار علی شاہ‘ زرتاشہ سے بات کرنے کا کوئی موقع ڈھونڈ رہا تھا اور اتفاق سے یاسر کی بدولت اسے یہ موقع مل ہی گیا‘ قدرت نے بھی شاید اس کا ساتھ دیا تھا اور اس موقع کو گوانا نہیں چاہتا تھا۔

”زرتاشہ جی! یہ ہماری شاید تیسری ملاقات ہے آپ کو شاید یاد ہو“۔ اذکار علی شاہ نے خاموشی کا قفل توڑا۔

”جی ہاں“۔ زرتاشہ ہمدانی کچھ اٹکتے ہوئے بولی۔

”زرتاشہ! میں آپ سے سوری کہنا چاہتا ہوں جو میں نے آپ کو اس دن سنا ڈالا بغیر کچھ جانے جس کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں‘ میں نے اریج سے بھی کہا کہ آپ سے معذرت ضرور کروں گا پر شاید آپ نے یونیورسٹی چھوڑ کر بزنس جوائن کر لیا اور میں آپ سے معافی مانگنے کی کوشش کرتا رہا پر پتہ چلا کہ آپ نے یونیورسٹی بھی چھوڑ دی فون پر آپ سے بات کرنے کی کوشش کی تو آپ نے نمبر ہی بدل لیا پھر اتفاق سے میری ملاقات آپ سے آفس میں ہوئی سوچا تب آپ کو سوری کہہ دوں گا، آپ نے سوری کہنے کا موقع ہی نہیں دیا، یقین کریں میں واقعی ان تمام باتوں کے لئے آپ سے شرمندہ ہوں“۔ اذکار علی شاہ جو کافی دنوں سے ندامت میں گھرا تھا آج جب وہ سامنے آئی تو تمام بات کہہ گیا۔

”اٹس اوکے“۔ زرتاشہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئی جبکہ اذکار علی شاہ اسے دور تک جاتا دیکھتا رہا۔

☆

اذکار علی شاہ نے حیات علی شاہ کے کمرے میں دستک دی اجازت ملنے پر وہ اندر داخل ہو گیا۔

”آؤ اذکار! بیٹھو“۔ حیات علی شاہ نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”اور سب انتظامات کیسے چل رہے ہیں؟“ وہ اس سے تفصیلات پوچھنے لگے۔

”سب ٹھیک دادا جان“۔ اذکار علی شاہ نے مختصر سا جواب دیا دماغ تو اس کا کہیں اور ہی اٹکا ہوا تھا‘ کل جس حالت میں حیات علی شاہ کو دیکھا اس سے پہلے ایسے اس نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا‘ ہمیشہ ایک رعب ودبدبہ ہی دیکھا تھا‘ پر کل تو وہ کچھ اور ہی لگ رہے تھے۔

”دادا جی! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے“۔ اذکار علی شاہ نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ کہیں وہ اسے جھاڑ ہی نہ دیں۔

”ہاں اذکار! کہو میں ہمہ تن گوش ہوں“۔ حیات علی شاہ بغور اذکار علی شاہ کو دیکھ رہے تھے۔

”دادا جی! کل جب میں آپ سے ملنے آ رہا تھا تو آپ کے کمرے میں سب ہی کو موجود پایا جس سے میں یہ اندازہ لگا پایا ہوں کہ ضرور کوئی بات ہے جو ہم سب سے چھپی ہے ایسی کیا بات ہے جو کل سب اتنے خوشی کے موقع پر خوش تو ہیں اور اداس بھی“۔ چند ثانئے تک تو حیات علی شاہ بالکل خاموش رہے‘ پر کب تک وہ اپنے بچوں سے حقیقت کو چھپائیں گے خاص طور پر اذکار سے جو کہ ہر بات کا باریک بینی سے جائزہ لیتا تھا‘ حیات علی شاہ اٹھے اور اپنی الماری کے پاس گئے جب پلٹے تو ان کے ہاتھ میں ایک لفافہ موجود تھا‘ اذکار علی شاہ کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کر رہے ہیں وہ ان کی حرکات وسکنات نوٹ کرتا رہا‘ حیات علی شاہ نے لفافہ کھول کر کچھ تصویریں اس کے سامنے رکھ دیں‘ اذکار سوالیہ نظروں سے بس انہیں اور کبھی ان تصویروں کو تکنے لگا۔

☆

معظم ہمدانی کے آفس میں اذکار علی شاہ کو بیٹھا دیکھ کر زرتاشہ ٹھٹک گئی‘ وہ اس انسان سے جتنا بچ رہی تھی قدرت بار بار لا کر اسے سامنے کھڑا کر دیتی تھی۔

”آؤ زرتاشہ! ان سے ملو یہ اذکار علی شاہ......“

”پاپا! میں ان سے مل چکی ہوں“۔ زرتاشہ نے معظم ہمدانی کی بات کاٹ کر کہا اور واپس لوٹ گئی‘ جبکہ معظم ہمدانی تھوڑے شرمندہ ہو گئے‘ پر اذکار علی شاہ نے ان کی شرمندگی منٹوں میں دور کر دی‘ وہ ان سے اس انداز سے گفتگو کرنے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو‘ معظم ہمدانی کو اذکار علی شاہ واقعی پسند آیا کیونکہ اذکار علی شاہ کی پرسنالٹی‘ بقول یاسر کہ تھی ہی ایسی کہ ہر کوئی جلد ہی اس

''بس پاپا! مجھے اب آگے نہیں پڑھنا ہے' اب میں بزنس کرنا چاہتی ہوں اور ویسے بھی آپ تو بار بار کہتے ہیں نہ کہ زرتاشہ میں وہ صلاحیت ہے جو میرے بزنس کو سنبھال سکے''۔ زرتاشہ نے معظم ہمدانی کو کنوینس کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ معظم ہمدانی' زرتاشہ کے اس فیصلے سے خوش تھے اور زوبار یہ ہمدانی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا' زرتاشہ بزنس میں اتنا مصروف ہوگئی کہ اسے اریشہ اور نشاء سے بات کرنے کا ٹائم بھی نہیں ملتا تھا' اریشہ اور نشاء اس سے ناراضگی کا اظہار بھی کر چکی تھیں جبکہ اریج کو بھی یہ ملال ہوتا کہ زرتاشہ نے یونیورسٹی اس کی وجہ سے چھوڑی ہے۔

''زرتاشہ! آج میرا دوست آئے گا کچھ بزنس کے کام کے سلسلے میں تم اسے ہینڈل کر لینا''۔ یاسر نے زرتاشہ کے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''پر یاسر! تم کہاں جا رہے ہو؟'' زرتاشہ نے اس سے پوچھا۔

''یار! وہ آج شاہین کی برتھ ڈے ہے تو مجھے آج سارا دن اس کے ساتھ جو رہنا ہے''۔ اس نے آنکھ مار کر کہا۔

''تم بھی نہ یاسر! مجنوں بنے پھرتے رہو تمہاری ساری حرکتیں چچی جان کو بتانی پڑے گی''۔ زرتاشہ نے دھمکایا۔

''اوہ میری پیاری سی کزن صاحبہ! یہ عمر انجوائے منٹ کرنے کی ہوتی ہے آپ کی طرف بور لائف گزارنے کی نہیں''۔ یاسر نے زرتاشہ کو چڑایا۔ وہ ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا جبکہ یاسر کی حرکتوں پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

''میڈم! کوئی اذکار علی شاہ ہیں' یاسر سر سے ملنا چاہتے ہیں''۔ سیکریٹری نے زرتاشہ کو انفارم کیا۔

''ایسا کرو انہیں میرے کیبن میں بھیج دو کیونکہ یاسر سر باہر گئے ہیں''۔

''اچھا میڈم! ٹھیک ہے''۔ سیکریٹری نے اذکار علی شاہ کو جانے کا اشارہ کیا۔ اذکار علی شاہ جب زرتاشہ کے کیبن میں داخل ہوا تو وہ یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ شاید یاسر کا کیبن ہے' پر یہ کیا یہ تو وہی لڑکی تھی جسے وہ دیوانوں کی طرح ڈھونڈ رہا تھا' وہ بہت پچھتایا تھا کہ اریج کی دوست کو اس طرح نہیں سنانا چاہئے تھا وہ تو ایک لڑکی تھی اسے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اس طرح کسی لڑکی کی انا کو ٹھیس پہنچائے اس کے کردار پر کیچڑ اچھالے۔ زرتاشہ یہ چہرہ کیسے بھول سکتی تھی' اس کے تو ذہن میں نقش ہو چکا تھا' جہاں زرتاشہ' اذکار علی شاہ کو دیکھ کر حیران تھی' وہاں ہی اذکار علی شاہ کی کیفیت بھی زرتاشہ سے کم نہ تھی۔

''پلیز تشریف رکھئے''۔ زرتاشہ نے سوچوں کا سلسلہ منقطع کر کے اذکار علی شاہ کو بیٹھنے کی دعوت دی کیونکہ یاسر کی وجہ سے اسے اذکار علی شاہ سے بات تو کرنی ہی تھی' سو تمام باتیں پس پشت ڈال کر اس نے کہا۔

''یاسر نے آپ کے متعلق مجھے بتایا تھا''۔ اب وہ نارمل لہجے میں بات کر رہی تھی کہ جیسے کچھ نہ ہوا ہو' ان کے درمیان پچھلی باتوں کا کوئی شائبہ تک نہ تھا' اس لئے اذکار علی شاہ' زرتاشہ کو نارمل دیکھ کر بزنس کے امور کو نمٹانے لگا۔



وہ گھر آ کر زرتاشہ کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا اور دل ہی دل میں اس لڑکی کی ہمت کی داد دے رہا تھا کتنی آسانی سے اس نے انجانے پن کا مظاہرہ کیا' جیسے کہ اذکار علی شاہ سے اس کی کوئی بات نہ تھی' بات تو بڑی تھی اذکار علی شاہ کو لازمی اسے سوری کہنا تھا' پر زرتاشہ نے اجنبیت ظاہر کر کے اذکار علی شاہ کو اور ندامت کی گہرائی میں ڈال دیا تھا' لیکن اذکار علی شاہ بھی جب تک اس سے معافی نہ مانگ لیتا اسے سکون نہ ملتا' پتہ نہیں کیا تھا جو وہ زرتاشہ پر اتنا حق جتا گیا تھا' اس میں ایسا کچھ ضرور تھا جو اسے اپنی طرف کھینچنے پر مجبور کر رہا تھا' اذکار علی شاہ بھی ایسا تو نہ تھا کہ کسی لڑکی کے آگے سرنگوں

کر دے پر اب لگتا تھا کہ وہ جیسے زرتاشہ کے آگے ہار گیا ہو' زرتاشہ نے اس کے دل کے سروں کو چھیڑ دیا تھا' اس کا دل ایک عجیب سی خواہش ظاہر کرنے لگا اس نازک سی لڑکی نے اس کے دل میں ہل چل ہی مچا دی تھی ایک دم سے دنیا ہی بدل کر رکھ دی' وہ اپنی خود ساختہ سوچوں میں گھر اپنے مسئلہ کا حل نہیں نکال پا رہا تھا' وہ تو ہر کسی کا مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیتا تھا پر آج اس کے سامنے ایسا مسئلہ کھڑا تھا' نہ تو اس کی سمجھ میں آ رہا تھا اور نہ ہی اسے حل کرنے کا کوئی راستہ دکھائی دے رہا تھا' پر ایسا کیا تھا جو اذکار علی شاہ' زرتاشہ کے ساتھ کا تمنائی ہو گیا' دل اچانک ہی اس لڑکی کے ساتھ زندگی بھر کے ساتھ کا تمنائی تھا۔

''اریج! آؤ میں تمہیں یونیورسٹی تک چھوڑ دوں گا''۔ اریج کو یونیورسٹی کے لئے جاتے وقت ضمائر علی شاہ نے کہا۔

''نہیں میں چلی جاؤں گی ڈرائیور ہے''۔ اس نے ضمائر علی شاہ کو ٹکا سا جواب دے کر آگے قدم بڑھائے جب ہی ضمائر علی شاہ نے اریج کا ہاتھ تھام لیا۔

''اریج! جب میں کہہ رہا ہوں تو پھر میرے ساتھ چلو''۔ ضمائر علی شاہ نے اسے مقابل کھڑا کر کے کہا' اریج کو ضمائر علی شاہ کا اس طرح پکڑنا ناگوار گزرا۔

''آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی' دور رہئے مجھ سے سمجھتے کیا ہیں؟ آپ جیسے مرد صرف عورتوں پر دھونس جما سکتے ہیں اپنا غلام سمجھتے ہیں نہ کہ جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہم عورتیں کریں گی''۔ اریج نے آج اسے خوب سنا ڈالی' کتنا غبار تھا اس کے دل میں' آج وہ سب نکال گئی تھی جبکہ ضمائر علی شاہ اس کی باتوں سے ایک دم سکتے میں آ گیا' وہ تو یہ ہی سمجھتا رہا کہ شاید وہ اس سے شرماتی ہے پر اسے کیا پتہ تھا کہ وہ کچھ اور ہی سوچتی ہے اس کے بارے میں...... وہ کہہ کر رکی نہیں تھی بلکہ وہاں سے چلی گئی تھی اور پیچھے کھڑے ضمائر علی شاہ کو حیرت در حیرت میں ڈال گئی' پر وہ بھی ضمائر علی شاہ تھا وہ کچھ سوچ کر آگے بڑھ گیا۔ صمام علی شاہ تو ضمائر علی شاہ کی بات پر چونک گئے' جب حیات علی شاہ کے سامنے یہ بات پہنچی تو وہ بھی تھوڑا چونکے پر فیصلہ ضمائر علی شاہ کے حق میں دیا گیا۔

''بیٹا ہم تو یہ ہی چاہتے تھے کہ پہلے اذکار علی شاہ کے لئے کوئی لڑکی ڈھونڈ لیں پھر ساتھ ہی شادی کریں گے''۔ حیات علی شاہ' ضمائر سے مخاطب تھے وہاں اذکار علی شاہ بھی موجود تھا۔

''کیا دادا جی! اگر ضمائر کو شادی کرنی ہے تو آپ میری وجہ سے اسے نہ روکیں وہ سیٹل بھی ہے اور شادی کے لائق بھی''۔ اذکار علی شاہ نے ضمائر علی شاہ کو کندھوں سے پکڑ کر کہا جبکہ ضمائر علی شاہ صرف مسکرا کر رہ گیا' وہ بھی یہ ہی چاہتا تھا کہ پہلے بھائی کی شادی ہو پر اریج علی شاہ کو سبق بھی سکھانا تھا جب ہی وہ مجبور تھا۔

تانیہ کے ذریعے اریج کو پتہ چلا کہ منگنی کے بجائے حیات علی شاہ نے ضمائر علی شاہ اور اریج کی شادی کا فیصلہ سنایا ہے تو اریج کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ زار و قطار رونے لگی' تانیہ تو اس کے رونے پر پریشان ہو گئی اور اذکار علی شاہ جو کہ وہاں سے گزر رہا تھا اس کے رونے کی آواز سن کر اریج کے کمرے میں ہی آ گیا۔

''اریج! کیا ہوا؟'' وہ اسے اس طرح روتا دیکھ کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''دیکھیں بھائی! جب میں نے شادی کی خوشخبری دی تو اریج باجی رونے لگیں''۔ تانیہ نے روہانسی آواز میں کہا۔

''تم ایسا کرو تانیہ! باہر جاؤ''۔ اذکار علی شاہ نے اسے باہر جانے کو کہا اور خود اریج سے بات کرنے لگا۔

''اریج! میری طرف دیکھو' تم ایسے کیوں رو رہی ہو؟ پاگل تم تو یہاں ہی رہو گی ہم سب کے پاس' تو اس میں اتنا رونے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا اریج کے رونے میں مزید روانی آ گئی۔

''مجھے بتاؤ کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' اذکار علی شاہ نے

سے متاثر ہو جاتا تھا' لیکن افسوس اذکار علی شاہ جس سے بات کرنے کے لئے مچلتا اور اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے تڑپتا وہ اس سے کوسوں دور بھاگتی' آج زرتاشہ آفس سے ہی اریشہ کے گھر چلی گئی' جہاں نشاء بھی موجود تھی تو اسے گھر پہنچنے میں دیر ہو گئی' جب گھر پہنچی تو لاؤنج میں پاپا کے ساتھ اذکار علی شاہ کو بیٹھا دیکھ کر اس کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا' بہر کیف وہ ان سے نظریں بچاتی ہوئی اپنے کمرے تک آ گئی' رات کے کھانے پر زوباریہ ہمدانی' معظم ہمدانی کے پاس ایک ہی ٹاپک تھا' اذکار علی شاہ کا اس کی تعریف میں قصیدے پڑھے جا رہے تھے وہ بور ہو کر ڈنر کرنے لگی۔



وہ جب سے زرتاشہ کے گھر سے لوٹا تھا جب سے اسے مزید بے چینی نے گھیر لیا وہ اس چہرے کو نظر انداز کیسے کر سکتا تھا کیونکہ بہت گہرا تعلق جو تھا حیات علی شاہ نے اس کے سامنے جو تصویریں رکھی تھیں وہ تو اس چہرے کو کہیں بھی دیکھتا تو پہنچان جاتا رشتہ ہی ایسا تھا۔

''دادا جی! یہ کون ہیں اور آپ مجھے کیوں دکھا رہے ہیں اس سے پہلے تو میں نے یہ تصویر کہیں نہیں دیکھی ایسی کیا بات ہے کیا رشتہ ہے؟'' اذکار علی شاہ ان گنت سوال کی بوچھاڑ کرتا چلا گیا' حیات علی شاہ کے ذہن میں ماضی کی یاد تازہ ہو گئی۔

''بابا! میں بھی آگے پڑھنا چاہتی ہوں میرے سارے دوست مجھ سے ضد کر رہے ہیں کہ میں آگے اپنی پڑھائی جاری رکھوں اور میں بذات خود بھی یہ چاہتی ہوں''۔ اس نے بابا سے ضد کی' ماں جی بھی اس کو آگے پڑھنے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں۔

''نہیں بیٹا! جتنا پڑھ لیا ٹھیک ہے ویسے بھی عورتوں کو گھر کے کام ہی کرنے ہوتے ہیں چاہے جتنا تعلیم حاصل کر لیں''۔ ماں جی نے اسے پیار سے سمجھایا آگے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ ملنے پر اس نے جب سادھ لی' یر باپ اور بھائی کی لاڈلی' وہ ان کے گھر کی رونق ہنستی مسکراتی چہکتی ہوئی ہر بھائی اس کی ہر خواہش پوری کرنے کے لئے تیار رہتے' وہ کسی چیز کی ضد کرتی تو ایسا کبھی نہ ہوتا تھا کہ اسے پورا نہ کیا جائے اور وہ اب منہ پھلا کر بیٹھ گئی اور اسے یقین تھا کہ اس کی یہ خواہش ضرور پوری ہو گی' بہر حال سب بھائیوں کی سپورٹ پر بابا نے اجازت دے ہی دی' ہتھیار ڈال ہی دیئے اس کی ضد کے آگے' پر ماں جی تو اپنی بیٹی کا گھر بسانا چاہتی تھی۔

''آپ نے اپنی بیٹی کی شادی کے بارے میں کچھ سوچا ہے کہ نہیں میں تو جلد از جلد اس کی شادی کرنے کے حق میں ہوں''۔ ماں جی نے کہا۔

''ارے بیگم! آپ تو خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں ایک ہی تو بیٹی ہے ہماری' کر دیں گے شادی ویسے بھی کون سی عمر نکلی جا رہی ہے اس کی''۔ انہوں نے اپنی بیگم کی بات کو خاص اہمیت نہ دی۔

''آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں لڑکی ذات ہے خوبصورت ہے' رشتے تو بہت ہیں ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے''۔ ماں کی فکر بجا تھی' پر ان پر مطلق اثر نہ ہوا' اس بات سے بے خبر کہ وہ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں وہ اپنی بیٹی کی ہر خواہش پوری کرتے چاہے وہ جائز ہوتی یا ناجائز اس بات کا اندازہ انہیں اب ہو رہا تھا' ان کی بیٹی نے اپنی زندگی کا اہم فیصلہ شادی کا خود ہی طے کر لیا اس بات کو ذہن میں رکھ کر جب شروع سے اسکی ہر خواہش پوری ہوئی ہے تو یہ بھی پوری ہو گی' آج بھی وہ مطمئن تھی' فیصلہ اس کے حق میں ہو گا پر ایسا نہ تھا' اس نے بابا کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور وہ اس کے ساتھ موجود تھی جسے وہ اپنا جیون ساتھی چن چکی تھی' گھر کے سب ہی اشخاص اس کی جرات پر حیران تھے کسی نے سوچا تک نہ تھا وہ کبھی ایسے شخص کو اپنا داماد نہ بناتے تھے جو حیثیت میں ان سے کم تھا' پر اسے اس شخص کی حیثیت سے کوئی سروکار نہ تھا' وہ اس سے پیار کرتی تھی اور اسے چھوڑنا نہ چاہتی تھی' اس نے بابا کے سامنے سماجت کی پر انہوں نے ایک نہ سنی اور وہ اپنے بھائیوں' بھابیوں کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھتی رہی پر آج اس کی مدد کرنے کو کوئی تیار نہ تھا' اس کے بابا جو اس پر جان چھڑکتے تھے' بڑی آسانی سے انہوں نے اسے اس شخص کے ساتھ جانے کو کہہ دیا وہ آج ٹوٹ چکے تھے ان کے اعتماد' بھروسے کو ٹھیس پہنچی تھی' انہیں اپنی بیٹی سے بہت امیدیں وابستہ تھیں پر اس نے کیا کیا سب خاک میں ملا دیا' وہ یہاں ایک باپ نہیں بلکہ ایک انا پرست انسان بن گئے' انہیں کسی طور پر گوارا نہ تھا وہ اپنے سے حیثیت میں کم لوگوں کے سامنے جھکیں یا رشتہ داری رکھیں اپنی بیوی اور بیٹوں' بہوؤں کے سامنے انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

''مر گئی ہے وہ آج سے ہمارے لئے آئندہ اس گھر میں اس کا ذکر نہ ہو گا''۔ وہ یہ کہہ کر رکے نہیں چلے گئے' ماں جی تو سکتے کے عالم میں وہاں ہی بیٹھتی چلی گئیں' پر کسی انسان کے اس دنیا کے چلے جانے یا پھر تعلق ختم کر دینے سے زندگی رکتی نہیں ہے' زندگی کا تو نام ہی چلنا اس لئے زندگی آگے بڑھ رہی تھی پر ایک یاد باقی رہ گئی تھی سب پہلے جیسا تھا پر یادیں باقی تھیں۔

اذکار علی شاہ خوشی اور غم کی ملی جلی کیفیت میں تھا' خوشی اسے اس بات پر تھی کہ زرتاشہ ہمدانی کوئی غیر نہیں بلکہ اس کا اپنا خون تھا اور غمزدہ حیات علی شاہ کے لئے تھا لیکن اب اس نے ٹھان لی تھی کہ وہ اپنی پھپھو کو ان کے اپنوں سے ملا کر رہے گا' اس نے گھر کے سب ہی بڑوں کو ساری باتیں ان کے گوش گزار کر دیں اور وہ ان سے وعدہ بھی کر چکا تھا کہ وہ ان کی بیٹی اور بہن کو واپس اس گھر میں ضرور لائے گا' ماں جی تو اذکار علی شاہ سے ایک ہی ضد کئے جا رہی تھیں کہ انہیں ان کی بیٹی سے ملا دے۔

زوباریہ ہمدانی اپنے گھر میں اپنی ماں اور بھائیوں' بھاوجوں کو دیکھ کر سکتے کی کیفیت میں جہاں تھیں وہاں کھڑی رہ گئیں' معظم ہمدانی کی حالت بھی ان سے کم نہ تھی جبکہ زرتاشہ صرف ان لوگوں کو دیکھے جا رہی تھی جو کہ اذکار علی شاہ کے ساتھ آئے تھے' زبیدہ بیگم' زوباریہ کو گلے لگا کر اتنا روئیں کہ وہاں کھڑے سب لوگ اشکبار ہو گئے' زوباریہ ہمدانی اتنے برسوں بعد اپنوں سے مل کر بے حد خوش تھیں' معظم ہمدانی بھی ان کی خوشی کو بغور محسوس کر سکتے تھے' وہ انہیں ہر طرح خوش کرنے پر اپنوں سے ملنے کی خوشی کبھی نہ دے سکے تھے' آج وہ زوباریہ ہمدانی کو مل چکی تھی۔ کیا حیات علی شاہ انہیں معاف کر پائیں گے' یہ سوچ معظم ہمدانی کو پریشان کر گئی۔

''دادا! دیکھیں تو کون آیا ہے''۔ اذکار علی شاہ نے حیات علی شاہ کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ جو اپنے کمرے میں تھے پلٹ کر دیکھا وہ دونوں سامنے ہی کھڑے تھے وقت ایسے تھم گیا چار سو خاموشی چھا گئی' زوباریہ ہمدانی بڑھ کر ان کے گلے لگ گئیں اور گریہ وزاری کرنے لگیں بلک بلک کر فریاد کر رہی تھیں اپنے باپ سے کہ وہ انہیں معاف کر دیں۔

''بابا! میں جانتی ہوں کہ آپ لوگوں کے بغیر میں نے کیسے دن گزارے ہیں' مانتی ہوں میں نے بہت بڑی غلطی کر دی' آپ کا خیال نہ رہا کہ آپ پر کیا گزرے گی پر بابا! میں بہت پچھتاتی ہوں' ہم کبھی کسی کو دکھ دے کر خوش نہیں رہ سکتے' خاص طور پر اولاد' ماں باپ کو دکھ دے کر کبھی خوش نہیں رہ سکتی''۔ حیات علی شاہ چپ چاپ کھڑے تھے جب ہی اذکار علی شاہ آگے بڑھا۔

''دادا جی! میں یہ جانتا ہوں کہ آپ بھی اپنی بیٹی کے لئے اتنا ہی تڑپتے رہے جتنا کہ آپ کی بیٹی' مانا کہ زوباریہ پھپھو کی غلطی تھی پر اتنی بڑی غلطی بھی نہ تھی کہ معاف کرنے کی گنجائش نہ نکلے' پھپھو نے صرف اپنا لائف پارٹنر ہی تو چنا تھا' جس کا انہیں پورا حق تھا' پر دادا جی! آپ تو باپ تھے تو آپ نے کیسے انہیں اپنے سے دور رکھا' والدین تو اپنی اولاد کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں اگر نہ کریں گے تو وہ اولاد کہاں جائے گی' وہ تو آپ

کی بیٹی ہیں ان سے قطع تعلق کیسے کر سکتے ہیں؟ معظم انکل کی یہ غلطی تھی کہ وہ آپ سے حیثیت میں کم تھے اس لئے آپ انہیں اپنا نہ بنا سکے' دادا جی! حیثیت سے کیا ہوتا ہے یہ باتیں کچھ معنی نہیں رکھتیں' معنی رکھتا ہے تو انسان کا اچھا ہونا' روز قیامت کیا جواب دیں گے آپ خدا کو بتائیں''۔ اذکار علی شاہ ان کے سامنے کھڑا استفسار کر رہا تھا جبکہ حیات علی شاہ اس کی شکل تکنے لگے' ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا وہ آئینہ دکھا رہا تھا انہیں' حیات علی شاہ آگے بڑھے اور زوباریہ ہمدانی کو گلے لگالیا' باپ تھے اپنی بیٹی کو برسوں بعد گلے لگا کر اندر تک پرسکون ہوگئے تھے' برسوں سے دل کا بوجھ آنسوؤں کی صورت بہہ گیا' سب رنجشیں' کدورتیں فنا ہوچکی تھیں' حیات علی شاہ نے معظم ہمدانی اور زرتاشہ ہمدانی کو بھی اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا' دونوں بڑھ کر حیات علی شاہ کے گلے لگ گئے' زرتاشہ تو اپنے اتنے پیارے رشتوں کو پا کر بے حد خوش تھی' گھر کے سب ہی چھوٹے بڑے کے چہروں پر ایک خوشی کی رمق تھی' خاص طور پر اریج کو تو اس کی دوست بھی مل گئی اور کزن بھی۔

☆

آج سب ہی گھر کے افراد زوباریہ ہمدانی کے گھر پر تھے جبکہ تانیہ اور اریج گھر پر ہی تھیں' اریج کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی تھی' اس لئے اسے گھر میں ہی رکنا پڑا اور ساتھ میں تانیہ بے چاری کو بھی اس کے ساتھ رکنا پڑا۔

ضمائر علی شاہ جب آفس سے گھر آیا تو گھر میں اتنا سناٹا تھا' سامنے سے آتی تانیہ سے اس نے پوچھا' تانیہ نے بتایا کہ سب پھپھو کے گھر گئے ہیں اس کے کہنے پر وہ اچھا کہہ کر اپنے کمرے میں چلا آیا' فریش ہوکر وہ ٹی وی لاؤنج میں جا رہا تھا جب ہی اسے اریج کے کمرے کا دروازہ کھلا نظر آیا وہ کچھ سوچ کر اندر کی طرف بڑھ گیا' اریج اپنے کمرے میں ہی کچھ چیزیں رکھ رہی تھی جب ہی اس کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا پلٹ کر دیکھا تو ضمائر علی شاہ سامنے کھڑا تھا' اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ آپ میرے کمرے میں کیسے آئے؟'' وہ حواس باختہ سی ہوکر بولی پر ضمائر علی شاہ اس کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔

''میں کہتی ہوں رک جائیں''۔ اس کے نہ رکنے پر اریج نے سامنے پڑی چھری اٹھا کر اپنی کلائی پر رکھ لی۔

''اگر آپ آگے بڑھے تو اس چھری سے میں اپنی کلائی کاٹ لوں گی پر آپ کو اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی''۔ ضمائر علی شاہ اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے آگے بڑھا اور زوردار تھپڑ کے نشان اس کے گالوں پر ثبت ہوچکے تھے۔

''اریج! کیا تم مجھے اتنا گھٹیا سمجھتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تم مجھ سے دور بھاگتی رہی' میں تو اسے تمہاری شرم سمجھتا تھا لیکن تم میرے بارے میں ایسا سوچتی ہو''۔ وہ تاسف سے سر ہلانے لگا' اریج کو کندھوں سے جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا۔

''اریج! تم میری محبت ہو' کب سے تم سے خاموش محبت کرتا رہا' کسی کو پتہ تک نہ چلنے دیا' اپنے جذبوں کو تم پر آشکار نہیں کیا' تمہیں پانا میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا جو کہ قدرت خود مجھے فراہم کر رہی ہے۔ جب دادا جی نے منگنی کا کہا تو میں بہت خوش تھا کہ تم میری ہوجاؤ گی ہمیشہ کے لئے' اس لئے میں نے شادی کا ارادہ ظاہر کیا کہ میں تم سے ایک پل بھی دور نہیں رہنا چاہتا جلد از جلد تمہیں اپنا لینا چاہتا تھا تا کہ تمہیں بتا سکوں کہ میرے اس دل میں صرف تمہاری ہی محبت بسی ہے' لیکن آج تم نے مجھے میری اوقات دکھادی' اریج صاحبہ! تم میری محبت ہی نہیں عزت بھی ہو جس کی حفاظت کے لئے میں اپنی جان پر بھی کھیل سکتا ہوں پر تم نے آج مجھے ہی......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر اسے بیڈ پر دھکا دے کر وہاں سے چلا گیا' غصہ سے اس کا حشر برا تھا اس لئے وہاں سے لوٹ آیا' اریج' ضمائر علی شاہ کی سچائی کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے وہ اسے ہمیشہ غلط سمجھتی رہی' وہ صدمے کی کیفیت میں وہاں ہی بیٹھی رہ گئی۔

☆

سب بڑے لاؤنج میں بیٹھے تھے جبکہ رانیہ کو زرتاشہ اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے آئی اور ان کے پیچھے پیچھے اذلان اور مہران بھی چلے آئے' ان کے ساتھ اذکار علی شاہ بھی تھا' زرتاشہ اس کی موجودگی میں تھوڑا نروس ہوجاتی تھی۔

''تم لوگ بیٹھو میں چائے لے کر آتی ہوں'' زرتاشہ کہہ کر چلی گئی اس کے جانے کے بعد اذلان علی شاہ' مہران علی شاہ اور رانیہ' اذکار علی شاہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگے۔

''ہاں تو بھائی! زرتاشہ باجی کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟'' سب نے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس کر کہا۔

''کیا مطلب؟'' اذکار علی شاہ نے ناسمجھی ظاہر کی۔

''مطلب یہ بھائی کہ آپ کو زرتاشہ باجی کیسی لگتی ہیں؟ آپ کے لئے تو وہ بہترین ہیں''۔ اس نے کچھ اس ادا سے کہا کہ مہران' اذلان کا قہقہہ بلند ہوا جبکہ اذکار علی شاہ کے ہونٹوں پر بھی دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

''یعنی واہ...... آپ بھی بھائی''۔ مہران نے چلاتے ہوئے کہا۔ زرتاشہ کمرے میں آئی تو سب کے چہروں پر اذکار سمیت ذو معنی مسکراہٹ تھی۔ حیات علی شاہ نے زوباریہ ہمدانی سے اذکار علی شاہ کے لئے زرتاشہ کا ہاتھ مانگا' معظم ہمدانی اور زوباریہ ہمدانی کو کوئی اعتراض نہ تھا' ویسے بھی اذکار علی شاہ دونوں کو بے حد پسند تھا' حیات علی شاہ نے جب اذکار علی شاہ سے رائے لینا چاہی تو اس نے رضامندی دے دی' بڑوں میں بھی سب راضی تھے اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ ضمائر علی شاہ کے ساتھ ہی اذکار علی شاہ کی شادی کی جائے' اذکار علی شاہ' زرتاشہ سے بات کرنا چاہ رہا تھا' پر اسے موقع نہیں مل رہا تھا' اس نے اریج کی مدد لینی چاہی۔

''بھائی! آپ کی بات ہوئی زرتاشہ سے؟'' اریج نے پوچھا۔

''نہیں محترمہ تو لفٹ ہی نہیں کرواتی تم ایسا کرواسے میرے کمرے تک لے آؤ پھر اس سے بات کرلوں گا یا پھر ٹیرس پر''۔ اذکار علی شاہ تو بہت بے چین لگ رہا تھا۔ اریج تو بے اختیار ہنس دی اسکی اتنی بے چینی دیکھ کر' اذکار علی شاہ کو پہلی دفعہ اتنا بے چین دیکھا تھا اور وہ ان دونوں کے لئے خوش بھی تھی۔

''او کے بھائی! آپ فکر نہ کریں''۔ وہ کہتی ہوئی چلی گئی۔

زرتاشہ' اریج کے ساتھ ٹیرس پر آگئی تھوڑی دیر دونوں باتیں کرتی رہیں' اذکار علی شاہ بھی وہاں آچکا تھا' اذکار علی شاہ کو دیکھ کر اریج وہاں سے آگئی' جبکہ صرف وہ دونوں ہی رہ گئے تھے۔

''زرتاشہ! مجھے تم سے بات کرنی ہے مجھے لگتا ہے کہ جیسے تم نے اس بات کے لئے مجھے معاف نہیں کیا ہے' کیا بات ہے اگر کوئی بات ہے تو مجھے بتا سکتی ہو''۔ وہ آج بات صاف کرنے کے ارادے سے وہاں کھڑا تھا' زرتاشہ نے کوئی مطمئن کرنے والا جواب نہ دیا پر اذکار علی شاہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

''اچھا تمہیں یہ تو پتہ ہی ہوگا کہ گھر کے بڑوں نے تمہارا اور میرا رشتہ طے کردیا ہے اور اریج اور ضمائر علی شاہ کے ساتھ ہی ہماری شادی کرنے کا ارادہ ہے''۔ اذکار علی شاہ نے اسے تفصیل بتائی۔

''جی ہاں مجھے معلوم ہے''۔ زرتاشہ نے مختصر سا جواب دیا۔ اس کے اتنا کم بولنے پر اذکار علی شاہ واقعی تپ گیا' آخر وہ کیوں ایسا کر رہی ہے؟ وہ بات کئے بناء وہاں سے پلٹنا چاہ رہا تھا' تبھی زرتاشہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اور مجھے یہ رشتہ منظور ہے' اذکار علی شاہ صاحب''۔ ہونٹوں پر مدھم مسکراہٹ لئے وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی' اذکار علی شاہ اسے اس

طرح مخاطب کرتے دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا‘ وہ اسے منہ کھولے اسے حیرت سے دیکھے گیا۔

''کیا ہوا؟ ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟'' زرتاشہ ہمدانی اسے بار بار چونکانے پر مصر تھی‘ اذکار علی شاہ اپنی تمام تر حیرت کو بالائے طاق رکھ کر زرتاشہ کی اس شرارت پر ہنس دیا‘ یعنی وہ سب یہ جان بوجھ کر کر رہی تھی‘ اذکار علی شاہ نے اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر خود سے قریب تر کر لیا۔

''زرتاشہ جی! اب تو آپ میری منکوحہ بننے والی ہیں سارے حساب کتاب برابر کر دوں گا اور چھوڑوں گا نہیں اتنی آسانی سے‘ تم نے جو مجھے اتنا ستایا اس کے لئے''۔ اذکار علی شاہ اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا زرتاشہ اس کی حد درجہ قربت پر گھبرا اٹھی‘ سانسیں تیز رفتاری سے چلنے لگیں‘ اذکار علی شاہ کی قربت اسے پگھلنے پر مجبور کر رہی تھی‘ آس پاس جلترنگ سے بج اٹھے جیسے کہ یہ لمحے تھم جائیں‘ اذکار علی شاہ زرتاشہ کی پزل ہوتی کیفیت سے خوب محظوظ ہو رہا تھا۔

''تم تو بہت چھپی رستم نکلی‘ کہاں محترمہ مجھے لفٹ نہیں کراتی تھیں اور آج پتہ ہے مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم منع ہی نہ کر دو''۔ وہ اپنی بات کو ادھوری چھوڑ کر بولا‘ اس نے اپنا خوف ظاہر کیا‘ زرتاشہ نظریں جھکا گئی‘ اذکار علی شاہ اس کے اتنے قریب براہ راست اس کی آنکھوں میں ہی دیکھ رہا تھا۔

☆

آج تو شاہ ولاز کی چھب ہی نرالی تھی پورے گھر کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا برقی قمقموں اور جا بجا پھولوں سے گھر مہک اٹھا تھا‘ گھر کے سارے مکین بھی مطمئن‘ سرشار خوش دکھائی دے رہے تھے سرخ چوڑی دار پاجامہ اور فراک اور زیورات سے مزین اریج اور زرتاشہ کسی جہاں کی حوریں لگ رہی تھیں جبکہ اذکار علی شاہ اور ضمائر علی شاہ بھی کچھ کم نہ لگ رہے تھے۔ اسٹیج پر تانیہ اور رانیہ کی ہمراہی میں دونوں دلہنوں کو لا کر بٹھا دیا گیا‘ رانیہ اور اذلان علی شاہ کی ابھی منگنی کی رسم بھی تھی سو ان کی رسم کو بھی پورا کیا گیا‘ رخصتی کا وقت قریب آن پہنچا زرتاشہ تھوڑی دکھی تھی معظم ہمدانی اور زوباریہ ہمدانی سے مل کر خوب روئی جب ہی حیات علی شاہ نے اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

''بیٹا! اس میں رونے کی کیا بات ہے تم کہیں اور نہیں اپنے ہی گھر میں آ رہی ہو کیوں زوباریہ! ٹھیک کہا نہ میں نے؟'' انہوں نے معظم ہمدانی اور زوباریہ ہمدانی کو دیکھ کر ان سے تائید چاہی‘ جس پر وہ دونوں ان کی طرف دیکھ کر مسکرا اٹھے اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تم دیکھ کر نہیں چل سکتے کیا؟'' تانیہ نے چلا کر کہا‘ اذلان علی شاہ جو جان بوجھ کر اسے دھکا دے کر آگے بڑھ رہا تھا اس کے چلانے پر رک گیا۔

''کیا کروں اپنی شامین سے ملنے جو جانا ہے''۔

''ہاں تو جاؤ کس نے منع کیا ہے''۔ تانیہ نے منہ بناتے ہوئے کہا‘ اور آگے بڑھنے لگی کہ اس سے بے کار کی فضول بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھی پر جب ہی وہ اس کے سامنے آ گیا۔

''اگر تم کہتی ہو تو نہیں ملنے جاؤں گا کسی سے بھی صرف اگر تم کہو تو تمہارا ہی ہو کر رہوں گا''۔ وہ لہجے میں پیار سمو کر بولا‘ تانیہ کو اس کے لہجے میں کچھ خاص ضرور محسوس ہوا وہ گڑبڑا گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''اب بولو جلدی میرے پاس ٹائم نہیں ہے اگر آپ کہیں گی محترمہ! تو آپ کا یہ خادم ہمیشہ آگے پیچھے پھرے گا آپ کے‘ پر افسوس آپ نے کبھی کہا ہی نہیں''۔ اذلان علی شاہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر ابرو اچکا کر بولا۔

''بولو بھی کیا ہوا؟ جلدی ورنہ میں چلا......'' وہ اسکے جواب کا منتظر تھا۔ تانیہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاں''۔ اور وہ رکی نہیں بلکہ وہاں سے بھاگ

کھڑی ہوئی اذلان علی شاہ اس کی حرکت پر مسکرا دیا۔

☆

اریج بیڈ پر بیٹھی عجیب اندیشوں‘ واہموں میں گھری تھی اسے ضمائر علی شاہ کا سامنا کرنے میں خاصی دقت محسوس ہو رہی تھی وہ کیسے سامنا کرے گی اس کا؟ انہی سوچوں اور خوف میں نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ انجان بے خبر یہ نہ جانتی تھی کہ ضمائر علی شاہ اس حسین صورت کو تکے جا رہا تھا جو کہ اب صرف اس کی تھی اس کی دسترس میں تھی نظروں کی تپش کا اثر تھا کہ اریج علی شاہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں‘ سامنے کھڑے ضمائر علی شاہ کو دیکھ کر اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے‘ وہ سیدھی ہو بیٹھی لیکن ضمائر علی شاہ بڑی مشکل سے اس سے نظر بچاتا وہاں سے ہٹ گیا‘ پر دوسرے ہی لمحے اریج علی شاہ اس کے سینے سے لگی زارو قطار رونے لگی کہ ضمائر علی شاہ گھبرا اٹھا اس کے اتنا رونے پر وہ تڑپ اٹھا‘ وہ کب اسے روتا دیکھ سکتا تھا۔

''ارے اریج...... کیا ہوا تم اتنا رو کیوں رہی ہو؟'' ضمائر علی شاہ کے اتنے دوستانہ انداز پر اس کے رونے میں مزید روانی آ گئی۔

''اریج پلیز...... رونا بند کرو میں تمہارے آنسو برداشت نہیں کر سکتا''۔

''آپ بس مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کو بہت غلط سمجھا''۔ وہ ہچکیوں کے درمیان بولی ضمائر علی شاہ نے اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا اور خود نیچے بیٹھ گیا۔

''پہلے تم یہ رونا بند کرو چلو شاباش اریج! دیکھو میں تم سے ناراض نہیں رہ سکتا اور تم مجھ سے معافی کیوں مانگ رہی ہو''۔ وہ اس کے ہاتھ تھام کر اس کی آنکھوں میں ہی جھانک رہا تھا‘ اس کی آنکھوں کی گہرائی میں وہ جیسے ڈوب کر ہی رہ گیا۔

''میں نے آپ کے بارے میں اس طرح سوچا آپ سے بدگمان رہی اور مجھے پتہ ہی نہ چلا۔ کا کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں آپ کی دھونس‘ رعب جمانے کی عادت کو میں پتہ نہیں کیا سمجھ بیٹھی''۔ وہ واقعی شرمندہ تھی۔

''ششش......''۔ ضمائر علی شاہ نے اس کے منہ پر انگلی رکھ کر اسے چپ کرایا۔ اریج علی شاہ چونک کر اسے دیکھنے لگی ضمائر علی شاہ کی آنکھوں میں دنیا بھر کا پیار موجود تھا اور اس میں اریج علی شاہ کا عکس صاف دکھائی دے رہا تھا اریج گھبرا کر وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں چلیں میڈم!'' ضمائر علی شاہ معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا بہت کچھ تھا ضمائر علی شاہ کی آنکھوں میں‘ اریج علی شاہ نے اپنا آپ ضمائر علی شاہ کو سونپ دیا‘ ضمائر علی شاہ اریج کو اپنی بانہوں میں لے کر اندر تک پرسکون ہو گیا۔

☆

زرتاشہ بیڈ پر بیٹھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی اور کمرے کی ہر ایک سجاوٹ کو بھی سراہ رہی تھی ایک ایک چیز بڑے ہی ترتیب اور منظم طریقے سے تھی وہ جائزہ لے رہی تھی تب ہی دبیز قدموں سے چلتا ہوا اذکار علی شاہ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

''ہوں تو کمرے کا جائزہ لیا جا رہا ہے''۔ وہ بیڈ سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

''ہاں بہت ہی زبردست ڈیکوریٹ کیا ہے آپ نے کمرہ مجھے بہت پسند آیا''۔ وہ تعریف کئے بنا نہ رہ سکی۔

''کمرے کی تعریف تو تم نے کر دی اور جس نے اتنی محبت سے اس کمرے کو سجایا ہے اس کی تعریف کون کرے گا؟'' اذکار علی شاہ کا اشارہ اپنی طرف تھا وہ پہلو بدلنے لگی۔ اذکار علی شاہ کا قہقہہ بلند ہوا جس پر زرتاشہ نے اس کی طرف خفگی سے دیکھتے اس کے سینے پر مکا مارا اور سر اس کے سینے پر رکھ دیا‘ دونوں کے حسین ملن پر گلاب کی لڑیاں بھی کھلکھلا اٹھیں۔

☆

عائشہ ذوالفقار

افسانہ

ہے کس مقدر کہیں

''لاریب''۔ کسی کے پکارنے پر وہ ایکدم چونکی، بریرہ فاروقی اس کے بالکل سامنے بیٹھی تھیں۔

''مجھے کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے تم بہت لمبی مسافت کاٹ کے اس منزل تک پہنچی ہو''۔ وہ بولیں

لاریب نے گہری سانس لی۔

''جی.....اور بہت تھک بھی گئی ہوں میں''۔

''بہت بار میں نے چاہا لاریب! کہ تم سے پوچھوں مگر پھر میں خاموش ہوگئی''۔ وہ بولیں۔

''بریرہ! مسیحا تبھی مسیحائی کرے گا نا جب اسے زخم دکھائے جائیں گے''۔ لاریب مسکرائی تھی۔

''مجھے اچھا لگے گا لاریب! اگر تم مجھے مسیحا سمجھ کر اپنے زخم دکھاؤ گی' شاید میرے چند بول ہی تمہارے زخموں کی تکلیف کو کم کر سکیں''۔ بریرہ فاروقی اس کا ہاتھ تھام کر بولیں' لاریب نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

''واقعی بریرہ! زندگی میں اکثر ہمارے منہ سے نکلے بولوں پر تقدیر کا لکھا مسکراتا ہے کیونکہ زندگی وہ نہیں ہوتی جو ہم سوچتے ہیں زندگی تو وہ ہوتی ہے جو ہم گزارتے ہیں بریرہ! تم آج سے چار سال پہلے مجھے دیکھتیں تو حیران ہوتیں کہ کیا واقعی یہ وہ لاریب ہے جو سارا سارا دن ایک کرسی پر بیٹھ کے گزار دیتی ہے' چار سال پہلے میں وہ تھی کہ لوگ مجھ پر رشک کرتے تھے' شاہنواز خان کی اکلوتی بیٹی' بے تحاشا خوبصورت' بے حد امیر' بے حد بولڈ' بہت ذہین' سپر ماڈل' جس کے لئے ہمہ وقت آفرز کا ڈھیر لگا رہتا تھا' غرور میں جس کا کوئی ثانی نہیں تھا'





جس کی ایک نظر کے لئے لوگ ترستے تھے' میں وہ تھی کہ میرے سامنے کوئی نظریں نہیں اٹھا پاتا تھا' من پسند زندگی من پسند دوست...... میں وہ زندگی گزار رہی تھی جس کی تمنا ہر دوسرا فرد کرتا ہے' لیکن عروج کے لئے ایک زوال ہوتا ہے اور وہ میرا زوال بن کے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ میرے برابر آ کر کھڑا ہو گیا' وہ مجھ سے زیادہ مغرور تھا' مجھ سے زیادہ کانفیڈنٹ' میں آہستہ آہستہ بالکل نامحسوس طریقے سے اس کی اسیر ہوتی چلی گئی' جہاں لاریب کا نام آتا وہاں اس کا نام ہوتا' میڈیا نے اس بات کو اچھالا' اتنے عرصے بعد تو میرا کوئی مقابل آیا تھا' اور پھر میں اور وہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہو گئے' ہر فیشن ایونٹ میں میرا اور اس کا کپل سیٹ ہوتا تھا اور فیشن انڈسٹری کے ہر بندے کو یقین تھا کہ حال کا یہ کپل مستقبل میں میرج کپل بھی ہو گا اور میری اور اس کی بڑھتی ہوئی دوستی اس یقین کو مزید پختہ بنا رہی تھی اور اس یقین کا سرا میرے ہاتھ میں پکڑانے کی پہل اس نے کر دی''۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔

''کون تھا وہ کوئی ماڈل تھا؟'' بریرہ بولیں۔

''ہاں سپر میل ماڈل تھا' مشہور شیخ وقاص کا بیٹا' اس کی والدہ ملک کی دو مشہور گائنا کالوجسٹ میں سے ایک تھیں ڈاکٹر رابعہ شیریں''۔ وہ آنکھیں بند کئے کہہ رہی تھی۔

''کیا نام تھا اس کا؟'' بریرہ بولیں۔

''عمیر وقاص''۔ اس نے بتایا۔

☆

''رابی! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے''۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اسے دیکھ کے ایکدم اس کی طرف آیا۔

''ہاں بولو''۔ وہ بولی۔

''یہاں نہیں تم چلو میرے ساتھ''۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کے گاڑی کی طرف آیا۔

''مگر عمیر! بات کیا ہے مجھے بتاؤ تو؟'' وہ حیران ہوئی عمیر نے کچھ کہے بغیر فرنٹ ڈور کھول دیا وہ ایک نظر اسے دیکھ کر اندر بیٹھ گئی' عمیر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''عمیر پلیز...... ٹیل می......''

''شش......'' اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ کرایا' وہ بھی چپ ہو گئی عمیر اسے ریسٹورنٹ لے آیا۔

''وہ دراصل رابی! میرے ماما' پاپا کا خیال ہے کہ میں دوستیاں پالنے میں بہت اوور ہو گیا ہوں اس لئے مجھے اب کمیٹڈ ہو جانا چاہئے''۔ اس نے جیب سے ایک رنگ نکالی۔

''اپنے ساتھ کمٹ ہونے کی اجازت دو گی''۔ وہ ایک ہاتھ سے رنگ پکڑے دوسرا ہاتھ اس کے سامنے کئے اس سے پوچھ رہا تھا لاریب حیران رہ گئی۔

''اتنی جلدی''۔ اس نے پوچھا۔

''وقت لینے اور سوچنے کے بعد بھی تو ہاں بولو گی نا تو ابھی بول دو''۔ وہ مسکرایا۔

''اتنا یقین ہے تمہیں خود پر''۔ وہ بولی۔

''ہاں ہے' کیوں غلط کیا؟'' عمیر کی نظروں کی وہ تاب نہ لا سکی اور اس نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

☆

''پھر میری اور عمیر کی انگیجمنٹ ہو گئی' شادی کی ڈیٹ ایک ماہ بعد کی فکس ہوئی' کوئی اسکینڈل نہ بنا کیونکہ سب جانتے تھے کہ یہ ہونا ہے' میرے پاپا کو میرے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں تھا' عمیر کے گھر والے بھی راضی تھے' اس دن میں صبح صبح نیچے آ گئی' پاپا لاؤنج میں بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ عمار بیٹھا تھا تبھی تجل چائے لے آئی۔ بریرہ! آپ کی زندگی میں بعض اوقات کچھ لوگ ایسے آتے ہیں جن کے بارے میں آپ بڑے دعوے سے کہتے ہیں کہ ہم انہیں جانتے ہیں مگر سچ یہ ہے کہ آپ ساری عمر انہیں نہیں سمجھ پاتے' عمار اور تجل میری زندگی میں آنے والے ایسے ہی دو لوگ تھے' عمار' پاپا کے آفس میں کام کرتا تھا' اسے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی آفس آئے مگر پاپا اس کے

بہت مصروف ہو گئے تھے' کئی دفعہ وہ گھر آیا تھا' اور میرا کئی دفعہ اس سے سامنا ہوا تھا' بریرہ نہ جانے اس میں کیا بات تھی کہ اس کے سامنے میں کانفیڈنٹ سے نہیں احترام سے بات کرتی تھی' وہ بہت عجیب تھا' وہ شلوار قمیص پہنتا تھا' اس کے چہرے پر داڑھی تھی' ہمیشہ اس کی نظروں میں' میں نے حیا اور پاکیزگی دیکھی' پاپا کی زبانی مجھے پتہ چلا کہ وہ حافظ قرآن تھا' لیکن مجھے وہ بہت عجیب لگتا تھا وہ اس دنیا کا لگتا ہی نہ تھا' وہ بہت سادہ تھا' بہت انکساری تھی اس میں اور مجھے اس کی یہ سادگی اور انکساری اس وقت بہت اول جلول شے لگتی تھی اس وقت میرا خیال تھا کہ اگر وہ اپنے آپ کو سنوار کر رکھے تو اچھا خاصا ہے' اکیسویں صدی کا انسان تھا اور اٹھارویں صدی میں جی رہا تھا۔ دوسری تجل تھی اس کے نام سے لگتا تھا جیسے وہ کوئی ایکٹریس ہو مگر وہ ہمارے گھر کام کرتی تھی' بریرہ! میں حیران رہ جاتی جب وہ گاؤن اور اسکارف پہن کر سارا کام کرتی' میں آج بھی تسلیم کرتی ہوں کہ اس کے چہرے پر جو معصومیت تھی وہ مجھ میں نہیں تھی' بلیک اسکارف میں اس کا چہرہ فرشتوں جیسا نورانی تھا' عمیر ایک دو بار ہمارے گھر آیا تو اسے دیکھ کر بہت حیران ہوا۔

''رابی! یہ کون سے زمانے کی مخلوق کام کرتی ہے تمہارے گھر' اس سے تو بات کرتے ہوئے بھی بندہ دس مرتبہ سوچے''۔ اس نے ایک بار کہا تھا اور میں اس کے ساتھ ہی ہنسی تھی مگر مجھے تو بعد میں پتہ چلا کہ واقعی عورت کو تجل جیسا ہونا چاہئے کہ مرد اس سے بات کرنے سے پہلے دس مرتبہ سوچے' عورت کو چاند نہیں ہونا چاہئے کہ ہر کوئی بے نقاب دیکھے' اسے تو سورج ہونا چاہئے کہ جو نظر بھر کر دیکھے وہ نظریں جھکا لے اور وہ سورج ہی تھی' اپنے کام کے علاوہ وہ بولتی نہیں تھی' مجھے کبھی کبھی لگتا کہ واقعی تجل اور عمار جیسے لوگوں کی وجہ سے ہی دنیا نوسیت ختم نہیں ہوتی''۔ اتنا کہہ کر اس نے سانس لیا بریرہ بہت توجہ سے سن رہی تھی۔

''پھر میری شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں' میں اور عمیر دونوں بہت خوش تھے' اس دن میں اپنے کمرے میں تھی جب ملازمہ نے آ کر کہا کہ عمار صاحب آئے ہیں' میں حیران ہوئی وہ مجھ سے ملنے کیوں آیا تھا بہر حال میں نیچے آ گئی''۔ بریرہ بہت سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

☆

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے''۔ وہ یونہی نظریں جھکائے ہوئے بولا لاریب متوجہ ہو گئی۔

''جی فرمائیے''۔

''لاریب! آپ مجھ سے شادی کریں گی؟'' وہ آہستگی سے بولا تھا لاریب چند لمحے کچھ بول نہ سکی' حیران بیٹھی رہ گئی پھر جب ہوش آیا تو ایکدم کھڑی ہو گئی۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا' ہوش میں ہو تم''۔ اس کی ساری شائستگی ہوا ہو گئی۔

''اپنے ہوش وحواس میں ہوں میں''۔ وہ اسی تحمل سے بولا تھا۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ چند دن بعد میری اور عمیر کی شادی ہے' اس کے باوجود تم یہ سب کہہ رہے ہو''۔ وہ اس کی تحمل مزاجی سے اور خائف ہو گئی۔

''شادی ابھی ہونی ہے ہوئی تو نہیں ہے نا''۔ وہ بولا اور لاریب کو پتنگے لگ گئے۔

''یعنی عمار صاحب! میں آپ کی خاطر عمیر سے شادی سے انکار کر دوں' اتنا پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے؟ ہے کیا تمہارے پاس جو اسے چھوڑ کر تم سے شادی کروں' بولو پیسہ ہے' عزت ہے' اس سے زیادہ خوبصورت ہو تم؟ شکل تک تو ہے نہیں تمہارے پاس''۔ وہ غصے سے آگ بگولا ہو رہی تھی۔

''یعنی آپ راضی نہیں ہیں''۔ وہ اپنی ازلی سادگی سے بولا۔

''یہ جو میں نے اتنی بکواس کی ہے اس کا یقیناً یہی مطلب ہے مسٹر عمار! کہ میں نہیں ہوں راضی' تم نے میرے بارے میں سوچا بھی کیسے؟ تمہارے لئے تو تجل

جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں شادی کرنے کا اتنا دل ہو رہا ہے تو جاؤ جا کر اسے سہارا دے دو اس کا بھی بھلا ہو جائے گا اور تمہارا شوق بھی پورا ہو جائے گا''۔ وہ تنتناتی ہوئی اوپر کی طرف بڑھی مگر عمار کی آواز نے اس کے قدم روک لئے۔

''آپ سے ریکوسٹ ہے لاریب! کہ جو باتیں آپ کے اور میرے درمیان ہوئی ہیں انہیں کسی اور سے شیئر مت کیجئے گا پلیز......'' کہہ کر وہ اس سے پہلے باہر نکل گیا۔

''دل تو میرا چاہ رہا ہے کہ چیخ چیخ کے سب کو بتاؤں پاپا کے سامنے تمہاری شرافت کا پردہ چاک کروں''۔ غصے سے کہتی وہ اوپر چلی گئی۔

☆

''بریرہ! پھر میری اور عمیر کی شادی ہوگئی' خوشی اس دن میں نے اس کے چہرے سے پھوٹتی دیکھی' میں خود بھی بہت خوش تھی' ہر میگزین اور ڈائجسٹ کے فرنٹ پیج پر ہم دونوں کی تصویریں تھیں' میں عمار کو یکسر بھول گئی' ویسے بھی وہ میری زندگی میں کہیں تھا ہی نہیں' سب کا مشترکہ خیال تھا کہ میں شادی کے بعد اور خوبصورت ہوتی جا رہی ہوں' پاپا نے مجھے گھر گفٹ کیا تھا' مگر میں عمیر کی خواہش پر اس کے گھر ہی رخصت ہو کر گئی تھی' ان دنوں ہم دونوں زندگی کو ہر انداز سے جی رہے تھے خوشیاں جیسے نچھاور ہو رہی تھیں ہنسی کی کھنکھناہٹ میں جیون سرشار ہو رہا تھا' بہت خوبصورت دن تھے' کبھی نہ بھلانے والے اور واقعی میں آج تک ان دنوں کو بھلا نہ پائی''۔ میں نے اتنا کہہ کر پھر وقفہ لیا ان دنوں کی یادیں میری آنکھوں میں آنسو لے آئی تھیں۔

''میری اور عمیر کی شادی کو تین ماہ ہوگئے تھے بریرہ! پھر تبدیلی پتہ نہیں کہاں آئی تھی؟ میں سمجھ نہ پائی کہ میں بدل رہی ہوں یا عمیر بدل رہا ہے' یہ تو مجھے بعد میں پتہ چلا کہ میں بدل رہی تھی عمیر ویسا ہی تھا' اس کا لڑکیوں سے ملنا مجھے پہلے لبرلزم لگتا تھا اور نہ جانے کیوں بعد میں فلرٹ لگنے لگا وہ بیوی کو بیوی کا درجہ دینے کا قائل تھا مگر اس بیوی کے پیچھے ہر چیز چھوڑ دینے کا قائل نہیں تھا وہ میرے ساتھ ہر جگہ جاتا مگر وہ اور لڑکیوں کے ساتھ بھی پھرتا تھا اور یہی بات نہ جانے کیوں مجھے بری لگتی تھی' اسے میرا لڑکوں سے ملنا ناپسند نہیں تھا مگر مجھے اس کا لڑکیوں سے ملنا برا لگنے لگا کیوں؟ کبھی مجھے لگتا کہ میں چاہتی ہوں کہ جیسے میں اسے منع کرتی ہوں ایسے وہ بھی مجھے منع کرے مگر میری دونوں باتیں ہی ناممکن تھیں''۔ میں کچھ دیر خاموش ہوئی پھر دوبارہ بریرہ سے مخاطب ہوئی۔

''عمیر اور میں جس سوسائٹی سے تھے وہاں شادیوں کے بعد بیوی کا غلام بن کر نہیں رہا جاتا کیونکہ بیویاں بھی باندیاں نہیں بنتیں مگر مجھے نہ جانے کیا ہوگیا تھا؟ میں نہ جانے اسے غلام بنانا چاہتی تھی یا باندی بننا چاہتی تھی' میں عمیر کو لڑکیوں سے ملنے سے منع کرتی تو وہ مجھے حیرانی سے دیکھتا پھر مذاق میں ٹال جاتا' مجھے اس کی گاڑی میں ہر ہفتے بعد نئی لڑکی زہر لگتی پھر جب اس نے میری باتوں کو سیریس نہ لیا تو میں نے اس سے لڑنا شروع کر دیا' میں جان بوجھ کر اس پر چلاتی مگر وہ ایک کان سے سنتا دوسرے سے نکال دیتا' پہلے رات کو جلدی گھر آجاتا تھا مگر جب سے میں نے لڑنا شروع کیا تب سے دیر سے آنے لگا پھر میں نے اسے جلانے کے لئے اور زیادہ لڑکوں سے دوستیاں پال لیں تاکہ اسے احساس ہو مگر اسے میرا یوں فرینڈ سرکل بڑھانا اچھا لگا اور وہ اور مگن ہوتا چلا گیا اور میں چڑچڑی ہوتی چلی گئی' میں خود اسی کلاس کا حصہ تھی مگر پتہ نہیں کیوں مجھے اب یہ سب اچھا نہ لگتا تھا میرا دل کرتا عمیر کسی لڑکی سے نہ ملے لیٹ نائٹ کسی ڈانس پارٹی میں نہ جائے' ڈرنک چھوڑ دے ہر چیز چھوڑ دے مگر عمیر کوئی مٹی کا مادھو نہیں تھا کہ جسے میں جس طرح چاہتی لگا دیتی وہ میری باتیں ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا' مگر نہ جانے کیوں وہ اتنا تحمل مزاج تھا میری ساری باتیں سن کر سوری کہہ کر اٹھ جاتا اور میں کلستی رہ جاتی' بریرہ! یہ بات نہیں تھی کہ وہ مجھے ٹائم نہیں دیتا تھا میں جہاں کہتی وہ لے کر جاتا' میں جو کہتی وہ پورا کرتا' میرا بہت خیال رکھتا' کئی دفعہ اس نے مجھ سے کہا۔

''رابی! تم کیوں اتنا پریشان ہوتی ہو تم میری بیوی ہو میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں' تمہارے علاوہ اور کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتا ہوں''۔ مگر مجھے اعتبار نہیں تھا پتہ نہیں کیوں میں شکی بھی ہوگئی تھی اپنے آپ کو میں نے خود تباہ کرنا شروع کر دیا کمرے سے نہ نکلتی' ماڈلنگ چھوڑ دی' سارے فرینڈز چھوڑ دیئے مگر عمیر پر اثر نہ ہوا' وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی زندگی میں ہر چیز کو ایک خاص اور مکمل جگہ پر رکھتے ہیں اور ایک چیز کے لئے دوسری چیز چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتے وہ میری باتیں کون سی سن لیتا تھا مگر اپنی عادت نہیں چھوڑتا تھا یہ تو مجھے بعد میں اندازہ ہوا کہ عادتیں بدل جاتی ہیں فطرت نہیں بدلتی''۔ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے بریرہ نے مجھے ٹشو اٹھا کر دیا میں نے آنسو خشک کئے اور دوبارہ بولنا شروع ہوئی۔

''اس دن بالکل اچانک اجالا مجھ سے ملنے آئی میری حالت دیکھ کر حیران رہ گئی' اس نے مجھ سے عمیر کے بارے میں پوچھا اور اس سے مجھے پتہ چلا کہ عمیر دبئی سائرہ کے ساتھ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی میرے اندر شعلے اٹھ گئے اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا عمیر کی تین دن بعد کی فلائٹ تھی واپس آنے کی اور میں نے یہ تین دن بغیر کچھ کھائے پئے صرف سگریٹ پھونکتے ہوئے اکیلے بند کمرے میں گزار دیئے' ملازم اوپر آتے ہوئے گھبراتے۔ عمیر کی ماما رابعہ شیریں مجھ سے ملنے آئیں تو میں نے دروازہ بند کر لیا پورے تین دن بعد عمیر آیا''۔ بریرہ اسے بغور سن رہی تھیں۔

☆

وہ آج ہی دبئی سے آیا تھا اس نے سوچا گھر جا کر لمبی تان کے سوئے گا' گاڑی کھڑی کر کے وہ اندر آگیا لاؤنج خالی تھا۔

''بابا! رابی کہاں ہے؟'' بریف کیس صوفے پر پھینکتے ہوئے اس نے ملازم سے پوچھا۔

''صاحب وہ تین دن ہوگئے ہیں انہیں کمرے میں بند ہوئے' تین دن سے نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے نہ باہر آئی ہیں''۔ ملازم کی بات سن کر وہ پریشان ہوگیا ویسے بھی رابی کا رویہ آج کل اس کی سمجھ سے بالاتر تھا وہ اوپر آگیا' کمرہ بند تھا اس کے کہنے پر بھی رابی نے دروازہ نہ کھولا پھر اس نے چابیاں منگوائیں اور دروازہ کھولا' دھوئیں کے مرغولوں نے اس کا استقبال کیا وہ کھانستا ہوا کمرے میں آیا' پورا کمرہ اندھیرے اور دھوئیں سے بھرا ہوا تھا اور وہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے نیچے کارپٹ پر بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔

''رابی! کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ کیوں کر رہی ہو ایسے؟'' اس نے رابی کے ہاتھوں سے سگریٹ چھینی۔

''تم سائرہ کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے نا؟'' وہ بولی عمیر کا دماغ گھوم گیا۔

''پلیز رابی! ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر کڑھنا چھوڑ دو''۔ وہ بولا۔

''کیوں چھوڑ دوں تم اس دو ٹکے کی لڑکی کو اپنے ساتھ لے کر گھومتے ہو اور میں چھوڑ دوں کیوں؟'' وہ چلائی۔

''رابی! تمیز سے بات کرو''۔ عمیر کو پہلی مرتبہ اس پر غصہ آیا۔

''کیوں کروں تمیز سے بات''۔ وہ ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میری باتیں تمہارے لئے بکواس ہیں ایک کان سے سنتے ہو دوسرے سے نکال دیتے ہو' بھونکتی رہتی ہوں کیا میں؟'' اس کی آواز پورا گھر سن رہا تھا۔

''آہستہ بات کرو''۔

''تاکہ تمہارے شرمناک کرتوت تمہارے ملازم نہ سن سکیں''۔ وہ حدیں پار کر رہی تھی۔

''یہ ہی کرتوت تم بھی کرتی رہی ہو آج یہ شرمناک ہوگئے''۔ عمیر پہلی بار یوں دوبدو بولا تھا۔

''ہاں کرتی رہی ہوں بہت بری ہوں میں' تم بھی برے ہو تم......'' مگر رابی کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی عمیر کا ہاتھ اسے خاموش کروا گیا۔ وہ لڑکھڑا کے پاس پڑے صوفے پر گری عمیر نے سارا غصہ پاس پڑی ہوئی میز پر اتارا پھر اسے افسوس ہوا۔ کیا تھا جو اس کی لاریب سے چاہت پر وقت کے ساتھ ساتھ گرد کی تہہ چڑھ گئی تھی' تھی تو وہ وہی لاریب نہ جس کے آنسو اسے بے چین کر دیتے تھے جسے لاکھوں لڑکیوں میں سے چنا تھا اس نے' وہ اس کی طرف آیا۔

''رابی سوسوری......'' وہ اسے اپنے کندھے سے لگا کر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا تھا۔

''چلو باہر گھومنے چلتے ہیں کھانا کھا کر آتے ہیں''۔ اسے کندھے سے لگائے نیچے لاتے ہوئے وہ بھول گیا کہ وہ تھکا ہارا آیا ہے اور اسے آرام کرنا ہے۔

☆

''بریرہ! یہ اختتام نہیں تھا عمیر کو نہ بدلنا تھا نہ وہ بدلا مگر میں تباہ ہوتی چلی گئی میں چیخ چیخ کے تھک گئی' وہ میری ہر بات مان لیتا تھا بس اس بات پر چپ ہو جاتا آہستہ آہستہ اس نے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا اور ر اس دن میری بس ہو گئی بریرہ! میرے چند فرینڈ فرحان کے گھر پارٹی رکھ رہے تھے وہ مجھے اسپیشلی بلانے آئے میں نے یونہی سرسری سی حامی بھر لی اور عمیر سے ذکر کیا تو اس نے بس ایک ہی بات کہی''۔ یہ کہتے ہوئے آنکھیں بھر آئیں۔

''چلی جانا میں نے کوئی روکا ہے؟''

''میں جھلا گئی اس کی بیوی کے ساتھ کوئی جو مرضی سلوک کرے اسے کیا' میں نہیں گئی اور رات کو جب میں نیچے آئی تو عمیر کسی لڑکی کو لے کر آیا ہوا تھا دونوں لاؤنج میں ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہنس رہے تھے میں سلگ گئی' میری بس ہو گئی عمیر بھی پریشان ہو گیا اسے اندازہ نہیں تھا کہ میں گھر پر ہوں گی' میں پاگل ہو گئی اور اس لڑکی کو دھکے دینے شروع کر دیئے تب عمیر کو ہوش آیا''۔ بریرہ بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اس نے خود مجھے اس گھر کی دہلیز پر ہاتھ پکڑ کر پھینکا اور کہا کہ اس کو اب یہاں رہنا ہے اور تمہیں جا ہے...... اس پر میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا میں سیدھ فرحان کے فلیٹ پر آ گئی عمیر کی ضد میں اپنا آپ فرحا کی خواہشوں سے روند وا کر میں اپنے پاپا کے دیئ ہوئے فلیٹ میں آ گئی' کبھی واپس نہ جانے کے لئے' ا وقت میری اور عمیر کی شادی کو ڈیڑھ سال ہو چکا تھا''۔

''پھر تم واپس نہیں گئیں''۔ بریرہ نے پوچھا۔

''نہیں عمیر خود آیا سترہ دفعہ بریرہ سترہ دفعہ آیا وہ میں نہیں گئی''۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔

''تمہارے ساس سسر؟'' وہ بولیں۔

''رابعہ شیریں آئیں' میں نے منع کر دیا' پاپا نے مجھے سمجھایا مگر میں اپنی ضد سے نہ ہلی' عمیر کے پاپا وقاص خود آئے مگر میں نہیں گئی' بریرہ! میں کیسے بھول جا اپنی تذلیل' میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے باہر نکال دیا اس میں کیسے بھول جاتی''۔ مجھ سے بات ہی نہ ہو رہی تھی۔

''سوری لاریب! میں نے تمہیں تمہارا ماضی دوبا یاد کروا دیا''۔ بریرہ شرمندہ ہوئیں۔

''نہیں بریرہ! جب مسیحا زخموں پر مرہم رکھتا ایک لمحہ کو تکلیف تو ہوتی ہے نا''۔ میں نے اپنے آ پونچھے۔

''مجھے ہر بندے نے سمجھایا مگر میں نہ مانی میرا اصر ایک مطالبہ تھا' طلاق' اور وہ عمیر مجھے نہیں دے رہا تھا کے حق میں پاپا نہیں تھے یوں معاملہ لٹک رہا تھا۔ ایک سجل میرے گھر آئی' اور واقعی میں حیران رہ گئی' میں و اسے پہچان نہیں پائی تھی بہت صحت مند تب بھی نہیں جب ہمارے گھر کام کرتی تھی مگر اب تو بہت ہی کمزور تھی' سفید رنگت پیلی زرد ہو گئی تھی مجھے وہ ایک لمحے کو ز لاش لگی''۔ وہ بتاتے ہوئے کہیں کھو گئی۔

☆

''کیسی ہیں لاریب؟'' سجل کی وہی مترنم سی آ

اسے سنائی دی تھی۔

''ٹھیک ہوں''۔ وہ بیزاریت سے بولی آج کل وہ ویسے بھی بہت آدم بیزار ہو گئی تھی۔

''وہ لاریب! مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا''۔

لاریب حیران ہوئی۔

''کیوں......؟'' سجل ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر بولی۔

''آپ نے عمار سے کہا تھا نا کہ وہ مجھ سے شادی کر لیں''۔ لاریب کو یاد نہ آیا۔

''انہوں نے کر لی مجھ سے شادی''۔ سجل بتا رہی تھی۔

''اچھا......'' بھلا عمار اور سجل کی شادی سے اسے کیا لگاؤ۔

''مجھے تو آج بھی یقین نہیں آتا لاریب! اس دن وہ لمبی سی کار ہمارے چھوٹے سے گھر کے سامنے آ کر رکی تھی عمار اپنے ماما اور پاپا کے ساتھ آئے تھے لاریب! میں تو مالک کا جتنا بھی شکر ادا کروں اتنا ہی کم ہے' مجھے تو بعد میں پتہ چلا کہ اس کے والد شیخ وقاص BLW کے چیئرمین تھے اور اس کی والدہ مشہور گائنی ڈاکٹر تھیں ڈاکٹر ردا فاطمہ''۔ لاریب اب چونکی۔

''اللہ رابی! ملک کی دو مشہور گائنا کالوجسٹ رابعہ شیریں اور ردا فاطمہ اور ان میں سے ایک تمہاری ساس''۔ اس کی پڑھاکو سی دوست سدرہ نے ایک بار کہا تھا نا جانے کیا تھا جو ایکدم لاریب کے اوپر گرا تھا' سجل اور بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر اس کا ذہن اب کسی اور طرف تھا اسے یاد آیا۔

''تمہارے لئے تو سجل جیسی لڑکیاں ٹھیک رہتی ہیں''۔ اس نے کیسے عمار کو طعنہ دیا تھا پتہ نہیں سجل کب اٹھ کر گئی تھی مگر لاریب پھر اس صوفے سے اٹھ نہ سکی۔

☆

''بریرہ! زندگی میں پہلی بار میں نے سوچا کہ مجھے عمیر کی طرف کس چیز نے اٹریکٹ کیا BLW اگر عمیر کی تھی تو عمار کی بھی تھی اس کی والدہ اگر رابعہ شیریں تھیں تو عمار کی ردا فاطمہ تھیں' دولت دونوں کے پاس' اسٹیٹس دونوں کے پاس' خوبصورت اگر عمیر تھا تو عمار بھی تھا بس عمیر کی خوبصورتی سب کے سامنے تھی اور عمار کی سادگی کے پردے میں چھپی ہوئی تھی' تب اس صوفے پر بیٹھ کر موازنہ کرتے ہوئے مجھے پتہ چلا کہ کس چیز نے مجھے عمیر کی طرف کھینچا محبت نے۔ محبت نے بریرہ! مجھے اس کا کر دیا۔ مجھے عمیر سے محبت بھی بہت تھی تو میں اس کے ساتھ کسی اور کو دیکھ نہ پائی تھی تبھی تو میں اتنی پوزیسیو تھی تو میں چاہتی تھی کہ وہ صرف میرا ہو کر رہے تبھی تو میں اس سے لڑتی تھی' میں بہت محبت کرتی تھی اس سے بہت محبت......'' اتنا کہہ کر میں پھر خاموش ہو گئی۔

''کیا عمار تمہارے سسر کا بیٹا تھا؟'' بریرہ بولیں۔

''ہاں ردا فاطمہ ان کی پہلی وائف تھیں عمار ان کا بیٹا تھا' میں اپنے پاپا کے گھر پر ہی تھی جب مجھے پتہ چلا کہ شیخ وقاص کی ڈیتھ ہو گئی ہے' انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا' میں نہیں گئی بریرہ! وہ اپنا سارا بزنس اپنے دونوں بیٹوں میں بانٹ گئے تھے' عمیر میں حسد نہیں تھا اس نے عمار کا حصہ اسے دے دیا وہ پھر مجھے منانے آیا مگر میں نہیں گئی' پاپا نے بھی مجھے سمجھانا چھوڑ دیا اور پھر کافی دنوں بعد سجل دوبارہ آئی''۔

''آنٹی! میں اور عمار ہم دبئی جا رہے ہیں میں نے سوچا آپ سے ملتی جاؤں''۔ لاریب چپ رہی۔

''لاریب! آپ عمیر سے ناراض ہیں''۔ اس نے پوچھا۔

''کاش میں اس سے ناراض ہو سکتی سجل''۔ وہ بولی تھی۔

''تو پھر واپس کیوں نہیں چلی جاتیں''۔ وہ بولی۔

''سجل! میں بڑی مشکل سے آگ کے اس سمندر سے نکلی ہوں اب واپس جانے کی ہمت نہیں ہے''۔ وہ بولی۔

''لاریب! آپ اسی سمندر میں پیدا ہوئی تھیں اسی

سمندر کا حصہ تھیں''۔ سجل حیران ہوئی۔

''مگر اب نہیں بننا مجھے اس سمندر کا حصہ' میں اب نہیں رہنا چاہتی اس سمندر میں''۔ وہ بے چین ہوئی۔

''کیوں......؟'' اور لاریب اس کے سامنے کھلتی چلی گئی' پچھلے کئی ماہ کا غبار سجل کے سامنے نکل گیا۔

''اب میں سمجھ گئی ہوں سجل! یہ گندگی اور بے حیائی عمیر کا مقدر ہے اس کی قسمت میں لکھا ہے یہ سب تو میں پھر کیسے بدل سکتی ہوں یہ سب''۔ لاریب کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

''اس کو بدلنے کی کوشش تو کی لیکن خود کو بدلنے کی کوشش کی ہے کبھی آپ نے؟'' لاریب چونکی مگر خاموش رہی۔

''لاریب! پہلے خود کو تو بدل لیں' خود گندگی میں ہاتھ ڈال لیں اور دوسروں کو منع کریں تو کیا دوسرے منع ہوں گے؟ نہیں...... پہلے خود کو بدلیں' پہلے خود کو اس رستے پر چلائیں جس پر اسے چلانا چاہتیں ہیں' پہلے خود کو بدل کے اس قابل بنائیں کہ جب آپ خدا سے مانگیں تو وہ آپ کی سن سکے' لاریب! دعائیں تو مقدر بدل دیتی ہیں پہلے دعاؤں سے اپنا مقدر بدلیں پھر کسی اور کا' مضطرب دل کی بے تاب دھڑکنیں اللہ کو بہت پسند ہیں لاریب! تبھی تو بعض دفعہ بدکاروں کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے ہم کہتے ہیں نہ کہ یہ گندگی تو اس شخص کا مقدر ہے پھر ہم کیسے بدلیں اسے' مگر ہم یہ نہیں سوچتے کہ شاید اس کا مقدر یہ ہو کہ کوئی دعا کرے اور تب یہ گندگی دور ہو لاریب! کسی شخص سے پوچھا گیا کہ جب ہماری قسمت پہلے سے طے ہے تو پھر ہمیں دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے تو جواب ملا ہو سکتا ہے تیری قسمت میں یہ ہی لکھا ہو کہ جب تو مانگے تو تجھے ملے خود کو بدلو لاریب! پھر رب سے اس کے لئے مانگو شاید اس کے مقدر میں لکھا ہو کہ تم دعا مانگو تو وہ ٹھیک ہو''۔

''سجل میرے لئے نئے در کھول گئی اور بریرہ! پھر واقعی میں نے خود کو بدلنا شروع کر دیا خود کو اس قابل بنانا شروع کر دیا کہ میں اللہ سے کچھ مانگوں تو وہ مجھے دے سکے میں نے جینز چھوڑ دیں' بازو فل ہوئے پھر قمیض لمبی ہو گئی مجھے اپنے آپ کو اس مالک کے آگے کھڑا ہونے کے قابل بنانا تھا میں نے سگریٹ چھوڑ دی' ہر لڑکے سے تعلق ختم کر دیا' بال کٹوانے چھوڑ دیئے' ہر قسم کی کاسمیٹکس ترک کر دی' اپنے اندر سادگی پیدا کر لی پھر یہ سینٹر جوائن کیا' میں نے نماز سیکھی خالق سے مانگنے کا طریقہ سیکھا' بریرہ! اس راستے نے مجھے سکون دیا' یقین دیا اور پھر پورے چھ ماہ بعد جب مجھے لگا کہ میں اس قابل ہو گئی ہوں کہ خالق سے اس کے لئے مانگ سکوں تو میں واپس آگئی' شیخ ولا عمیر کو بدلنے' مگر ایک نئے طریقے سے' مجھے اب اسے چیخ چلا کے نہیں بدلنا تھا' دعاؤں سے بدلنا تھا۔ جب میں شیخ ولا واپس گئی تب میری اور عمیر کی شادی کو ساڑھے تین سال ہو گئے تھے''۔ اسے بتاتے ہوئے بہت کرب سے گزرنا پڑا تھا۔

☆

وہ فریج سے پانی کی بوتل نکالنے نیچے آیا تو اس نے کچن میں پنک دوپٹے کی جھلک دیکھی وہ ابھی سو کر اٹھا تھا کچن میں آگیا۔

''رابی''۔ اس کی حیران سی آواز سن کر وہ مڑی عمیر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''رابی! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ شلوار قمیض' صاف چہرہ' دوپٹہ اور لمبے بال''۔

''اپنی مرضی سے گئی تھی میں اب اپنی مرضی سے آگئی ہوں' نہیں قبول کرنا تو بے شک پھر نکال دو''۔ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''نہیں رابی! کیسی باتیں کر رہی ہو' میں تو خود بہت شرمندہ ہوں تم سے' تمہارا اپنا گھر ہے یہ جب چاہے آؤ''۔ وہ اسے بانہوں میں لے کر بولا تھا۔

''ویسے یہ تبدیلی چند دن کے لئے ہے یا پوری زندگی کے لئے؟'' رابی چپ رہی۔

''رابی! تم اب مجھے ویسی لگ رہی ہو جیسی لڑکی

تمہارے گھر کام کرتی تھی کہ جس سے بندہ بات کرنے سے پہلے دس دفعہ سوچے''۔ عمیر ہنسا تھا رابی چپ رہی۔

☆

''بریرہ! پھر میں نے عمیر کو تبدیل کرنا شروع کر دیا' میں بہت نرم لہجے میں اسے منع کرتی وہ ہنس دیتا' ٹال جاتا' میں نے اس کا مقدر اپنی دعاؤں سے بدلنا شروع کر دیا' مجھے سجل کی باتیں یاد تھیں''۔

''تمہاری دعاؤں سے اس کا مقدر بدلے گا تو ٹھیک ورنہ شاید پھر اس کی قسمت ہی یہ ہو''۔ سجل کے کہے الفاظ اب تک کانوں میں گونج رہے تھے۔

''عمیر کا وہی معمول تھا میں اسے ہر غلط کام سے روکتی تو وہ آگے سے کہتا' یقین کرو جب مجھ پر تمہارے والا وقت آئے گا تو چھوڑ دوں گا''۔ اور میں چپ ہو جاتی' چودہ ماہ گزارے مگر وہ نہ بدلا وہ میرا بہت خیال رکھتا' میری ہر جائز بات مانتا' مگر نہ مانیں تو یہ باتیں نہ مانیں اور میری بس ہو گئی اس رات میں بہت روئی''۔ آنسو اب بھی گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''مولا! اگر اس کے مقدر میں ٹھیک ہونا نہیں ہے تو میرا اس سے راستہ الگ کر دے مولا! میرا وجود تباہ ہونے سے بچا لے میرے لئے کچھ اس سے بہتر کر دے مولا میرے حق میں بہتری کر دے۔ اس رات مولا سے میں نے صرف اپنے لئے مانگا میں تھک گئی تھی اور بریرہ! پھر میں نے فیصلہ کر لیا ساتھ رشتوں کا ہو یا منزلوں کا' ہم سفر اسے چننا چاہیئے جس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی ہو ورنہ دنیا تو تباہ ہوتی ہی ہے آخرت بھی تباہ ہو جاتی ہے' میری دنیا تباہ ہو چکی تھی اس لئے میں نے اپنی آخرت بچانے کا سوچا اور واقعی بریرہ! مضطرب اور غم زدہ دل کی دعائیں مالک بہت قریب سے سنتا ہے اس رات اس نے میری بھی سن لی' میں نے اگلے ہی دن عمیر سے طلاق مانگ لی''۔ بتاتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی میں بھی اس دور سے گزر رہی ہوں۔

☆

''رابی! کہاں ہو؟'' اس دن وہ آفس سے آ کر کچھ پیپرز نکالتے ہوئے بولا رابی اوپر تھی نیچے آگئی۔

''یہ لو' پوری کر دی میں نے تمہاری خواہش''۔ وہ چند پیپرز گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔

''ڈائیورس پیپر ہیں بس سائن رہتے ہیں''۔ رابی کا دل دھڑک اٹھا اپنی محبت کو خود اپنے ہاتھوں خود سے دور کرنا آسان نہیں ہوتا۔

''رابی! میں جیسا بھی ہوں مگر پلیز میرا یقین کرنا میں نے ساری عمر نہ کسی کو تمہارے علاوہ چاہا ہے نہ چاہوں گا' میں آج بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں' میری زندگی میں نہ تمہارے ہوتے ہوئے کوئی آئی ہے اور نہ تمہارے بعد آئے گی''۔ کہہ کر اس نے رابی کی طرف دیکھا۔ اس نے پیپرز پر سائن کر دیئے' اور اوپر چلا گیا وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی' آنسو خود بخود بہہ رہے تھے۔

''کاش عمیر! میں کبھی تم سے نفرت کر سکوں کبھی تمہیں بھلا سکوں کاش......'' وہ کہہ کر بکھرتی چلی گئی۔

☆

''بریرہ! مجھے اپنے فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں ہے لیکن کسک ہے کہ میں اپنا پیار سدھار نہ پائی''۔ میں نے پھر اپنے آنسو صاف کیے۔

''کبھی دوبارہ مڑ کر نہیں دیکھا''۔ بریرہ بولیں۔

''نہیں راکھ کو کریدیں تو اپنی ہی انگلیاں جلتی ہیں''۔ وہ بولی تھی۔

''دیکھو لاریب! تم خوبصورت ہو' خوب سیرت ہو اور ابھی تو تمہاری عمر بھی نہیں ہوئی تم دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتیں؟'' بریرہ نے ایک مشورہ دیا میں مسکرا دی۔

''یہ ہی سوال ہر روز میرے پاپا مجھ سے کرتے ہیں''۔ بریرہ بھی ہنس دی۔

''ایک دوست سمجھ کر میرا مشورہ مان لو اب کہ ایسا جیون ساتھی چن لو جو تمہاری باقی دنیا تباہ ہونے سے بچالے''۔ وہ بولیں اور میں چپ کر گئی پاپا جب بھی مجھ سے

یہ سوال کرتے تھے میرے پاس ایک ہی جواب ہوتا تھا۔

''پاپا! اگر وہ دوسرا عمیر نکلا تو......'' اور پاپا چپ کر جاتے تھے۔

''رابی! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے''۔ وہ مجھے دیکھ کر بولے۔

''جی پاپا''۔ میں ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

''بیٹا! ایک دفعہ اپنے لئے خود چن کر دیکھ لیا ہے ایک بار مجھ پر بھروسہ کرلو''۔ وہ چپ رہ گئی۔

''میں ملا ہوں اس سے رابی! بہت اچھا ہے وہ' بہت نیک' دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اس کے' اپنے بچوں کے لئے وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے اگر تم کہو تو''۔

''پاپا! میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سمیٹ کیا ہے''۔ میں بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''اپنے پاپا پر بھروسہ رکھو بیٹا''۔ وہ بولے۔

''ٹھیک ہے پاپا! آپ کی مرضی''۔

''پوچھو گی نہیں اس کے بارے میں؟'' وہ بولے۔

''بس پاپا! عمیر کے بارے میں سب کچھ جان کر کیا ملا' اس بار انجان بنے رہ کر دیکھ لیتی ہوں''۔ میں اٹھ گئی پھر میری شادی کی تاریخ طے ہوگئی بریرہ فاروقی بہت خوش ہوئیں۔

☆

''لاریب! آج سب سے پہلے مجھے یہ بتادیں کہ آپ کی مرضی سے یہ سب ہوا ہے''۔ عمار کی وہی آہستہ اور دھیمی آواز سن کر میں حیران رہ گئی وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔

''مجھے آج بھی یاد ہے لاریب! جب مجھے آپ سے محبت ہوئی اور میں نے اپنی ماما سے کہا کہ ماما مجھے ایک ایسی لڑکی سے محبت ہوگئی ہے جو میرے لئے ایسے ہے جیسے دریا کے دو کنارے' مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں اس کے بغیر ایسے ہی نہیں رہ سکتا جیسے خوشبو کے بغیر پھول تو وہ میری طرف دیکھتی رہ گئیں۔ محبت پہ اختیار نہیں ہوتا عمار' نہ یہ پوچھ کر ہوتی ہے' میری ماما نے مجھ سے کہا تھا' اُسے اس سے نہیں اپنے رب سے مانگو' وہ تمہارا نصیب ہوئی تو مل جائے گی نہ ہوئی تو وہ تمہیں صبر دے دے گا' میری ماما نے کہا تھا اور پھر واقعی میں نے آپ کو اپنے رب سے مانگنا شروع کردیا' میری کوئی رات اس کے سامنے آپ کو مانگے بغیر نہ گزرتی اور پھر واقعی آپ میری نہ بنیں عمیر کی ہوگئیں' میں اپنے نصیب پر صبر کرسکتا تھا مگر آپ کو بھول نہیں سکتا تھا اور میں آپ کو بھول نہیں پایا' اپنی پوری زندگی میں ایک لمحے کو بھی آپ کو فراموش نہ کرسکا' پھر میں نے سجل سے شادی کرلی صرف اس لئے کیونکہ آپ نے کہا تھا اور میں نے اسے کہہ بھی دیا وہ سادہ سی لڑکی میری مشکور ہوگئی' سجل نے مجھے پیار سمیت سب کچھ دیا اور میں نے اسے سوائے پیار کے سب کچھ دیا اور اس نے ساری زندگی مجھ سے یہ مانگا بھی نہیں کیونکہ اسے پتہ تھا کہ اگر اس نے مانگا بھی تو میں اسے دے نہیں پاؤں گا' وہ جان گئی کہ میرے وہ صرف پہلو میں ہوتی ہے دل میں نہیں اور اس نے میرے دل میں داخل ہونے کی کوشش بھی نہ کی' ساری رات آپ کی یادوں کے سنگ بتاتے ہوئے مجھے پتہ ہوتا تھا کہ میں اپنی بیوی سے بے وفائی کررہا ہوں مگر میں مجبور تھا اور میری یہ بے وفائی سجل کو اندر ہی اندر کھا گئی' ایک عورت کے لئے یہ کرب ہی کافی ہوتا ہے کہ اس کا شوہر اس سے نہیں کسی اور سے پیار کرتا ہے اور وہ اسی کرب میں جلتے ہوئے ختم ہوگئی' لاریب! میں حیران رہ گیا جب اس نے مرتے ہوئے مجھ سے وعدہ لیا''۔

''عمار! آپ کا پیار میرے لئے نہیں ہے میں جانتی ہوں لیکن آپ مجھ سے وعدہ کریں یہ جس کا ہے اسے ضرور دیں گے' اگر اسے اس کی ضرورت ہوئی''۔ وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اور میں چپ رہ گیا' لیکن مجھے نہیں معلوم لاریب! کہ آپ کو اس پیار کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یقین کریں یہ صرف آپ کے لئے ہوگا اگر نہیں تو آپ کی مرضی آپ اپنا راستہ جدا کرسکتی ہیں''۔ وہ بہت

نرمی سے اس کے پاس بیٹھا کہہ رہا تھا۔

''عمار! میرا اور عمیر کا رشتہ محبت سے بنا تھا مگر پائیدار نہ تھا' میں اب کوشش کروں گی کہ میری' میرے اور آپ کے رشتے سے کی جانے والی محبت پائیدار ہو''۔ وہ بولی تھی۔

''میں جان گئی کہ اللہ نے عمار کی دعاؤں کے صلے میں مجھے اس کا مقدر بنادیا تھا مگر پہلے مجھے اسکے قابل بنایا پھر مجھے اسے دیا دعائیں واقعی نصیب بدل دیتی ہیں''۔ میں اس کے کندھے سے سر ٹکائے سوچ رہی تھی۔

☆

میری اور عمار کی شادی کو تین سال ہوگئے تھے میں سمل کو اب اسکول میں داخل کروانا چاہ رہی تھی کل بریرہ مجھ سے ملنے آئی تو میں نے ان سے مشورہ لیا۔

''ارے لاریب! تم اسے میرے اسکول میں داخل کرواؤ نا''۔ وہ بولیں۔

''آپ کے اسکول میں''۔ میں حیران ہوئی۔

''لاریب! میرا تو پکا یقین ہے کہ جنتی ہے وہ بندہ جو یہ سب کررہا ہے یقین کرو 32 اسکول اور 14 کالجز ہیں اس سسٹم کے اتنی اچھی تربیت اور بنیاد بناتے ہیں نہ بچوں کی جب میں نے جوائن کیا تھا تو میں تو حیران رہ گئی تھی' 12 سال کا بچہ پہلے عربی میں تقریر کرتا رہا پھر فر فر انگلش میں شروع ہوگیا بس تم کل آجانا''۔ اس اسکولنگ سسٹم کا میں نے پہلے بھی سنا تھا' آج میں نے جانے کا پروگرام بنایا بریرہ اس برانچ کی ہیڈ تھیں' PEON مجھے بریرہ کے آفس کے باہر چھوڑ گیا میں نے دروازہ ناک کیا۔

''یس کم ان''۔ مجھے بریرہ کی آواز آئی میں اندر داخل ہوگئی۔

''آؤ لاریب''۔ بریرہ خوش ہوکر بولیں' میں آگے آ گئی اور بیٹھنے سے پہلے ہی میری نظر اس پر پڑی جو مجھے دیکھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

''آپ جانتے ہیں سر انہیں؟'' بریرہ حیرانی سے بولیں۔

''کاش میں انہیں جانتا''۔ وہ بولا تھا بریرہ کچھ سوچ کر خود ہی باہر نکل گئیں' وہ مسکرایا۔

''یاد ہے رابی! میں نے ایک بار تم سے کہا تھا کہ میں بدل جاؤں گا جب مجھ پر تم جیسا وقت آئے گا مگر افسوس وہ وقت مجھ پر تب آیا جب تم میرے پاس نہیں تھیں''۔ میں خاموش رہی۔

''کیا واقعی عمیر کا نصیب بدل گیا تھا''۔ میں نے سوچا۔

''میں بے چین ہوگیا تھا تمہارے جانے کے بعد' کہیں دل نہ لگتا تھا' تمہاری باتیں' تمہاری یادیں مجھے چین نہیں لینے دیتی تھیں' مجھے ہمیشہ تم یاد آتیں' ہر جگہ مجھے تمہارے عکس دکھائی دیتے تھے اور پھر رابی! پتہ نہیں کیوں کیسے میں ایسا ہوتا چلا گیا' میں سوچتا تھا کہ میں اپنی زندگی تو تباہ ہونے سے بچا نہیں سکا' اپنے جیسے کئی اور عمیر اور لاریب کو بچالوں' جانتی ہو رابی! میں نے دوبارہ پلٹنا چاہا تھا تمہاری طرف' لیکن تمہاری آسودہ زندگی دیکھ کر میں اپنا غم بھول گیا' بس دعا کرتا رابی! کہ میرے قدم نہ ڈگمگائیں اور ہوسکے تو معاف بھی کردینا مجھے کیونکہ کسی اور کی بیوی ہونے کے باوجود میں نے تمہیں اپنے دل میں بسا رکھا ہے''۔ وہ بول رہا تھا اور میں چپ تھی واقعی سجل ٹھیک کہتی تھی عمیر کے نصیب میں میری دعاؤں سے بدل جانا لکھا تھا مگر اس کی تبدیلی میرے نصیب میں نہیں تھی کیونکہ مجھے عمار نے اپنی دعاؤں سے اپنا نصیب بنالیا تھا۔

اگر اللہ نے مقدر کسی نایاب قلم سے لکھے ہیں تو تمہیں دعا جیسی انمول ربر بھی دے دی ہے یہ اور بات ہے کہ کچھ دعائیں عرش سے ٹکرا کر مستجاب ہوجاتی ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ صرف وہی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں جو یکسوئی کی چادر میں لپٹی ہوتی ہیں' احساس ندامت سے رنگی ہوتی ہیں' سچے آنسوؤں سے بھیگی ہوتی ہیں اور بے چین غم زدہ دل کی بے تاب دھڑکنوں سے نکلتی ہیں۔

☆

انعم خان

قسط نمبر 6

مکمل ناول

اس دل میں بس ہوئے

کیونکہ جب اس نے یونیورسٹی میں پڑھنے اور اسلام آباد جانے کی بات کی تھی تب زہرہ شاہ نے تو ممتا سے مجبور ہو کر اسے خود سے دور بھیجنے سے انکار کرتے ہوئے اپنی فکر و محبت ظاہر کی تھی مگر انہوں نے صاف ہی انکار کر دیا تھا کہ لڑکیوں کو بہت زیادہ پڑھنے کی کیا ضرورت اور اُن کے خاندان میں تو ویسے بھی لڑکیوں کی کالج تک کی پڑھائی کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ کچھ انہیں اپنے خاندان کے وقار اور اپنی عزت اپنا نام و اپنی ناموس بھی زیادہ ہی عزیز تھی، مگر مبشرہ جمال نے تب اُن کی بہت منت کی، انہیں ہر خدشے، ہر منفی سوچ کے وہم سے خود کو بچائے رکھنے کی یقین دہانی کروائی، تب کہیں جا کر انہوں نے تمام خاندان والوں کی سوچوں کے عین خلاف جاتے ہوئے اُن کے اچھے بُرے پر بالآخر بیٹی کی خواہش کو محترم جانا اور اسے ایک شرط کے ساتھ اجازت دی۔

البتہ ان چار سالوں میں انہوں نے ظاہر تو کبھی نہ کیا پر دل میں ضرور فکر مند رہتے، ہر وقت خدا سے دعا کرتے کہ ایک باپ کا یقین و اعتبار اپنی بیٹی کی ذات سے نہ اٹھے، ورنہ شاید وہ خود میں زندہ نہ رہ پاتے۔ بیٹی کی خواہش اپنی جگہ مگر عزت سے بڑھ کر کوئی شے اور کیسے عزیز ہو سکتی ہے اور پھر خاندان والوں کے خلاف جا کر تو انہونی کی فکر مزید پریشان کن تھی، البتہ انہوں نے پہلی بار کے بعد دوبارہ کبھی مبشرہ جمال کو شرط کی یاد دہانی نہ کروائی اور پھر چار سال کا عرصہ مکمل ہونے کے بعد وہ اپنی ضمیر کی عدالت میں سرخرو ہوئے۔ ان کا اعتبار سلامت رہا۔ ایک





بیٹی نے باپ کی دعائیں مستجاب ہونے میں بھرپور کردار نبھایا۔ ان کی عزت کو اُن کی ذات کو مان بخشا' ان کا سر اپنے فیصلے' اپنے اعتبار اور بیٹی کے عمل' اس کی ثابت قدمی اور باپ کی عزت و ناموس کا پاس رکھنے' اپنی شرط پر کھرا اترنے پر فخر سے کھڑا ہوا تھا۔

''بالکل...... بس تم اپنا ارادہ بتاؤ' اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا میرا کام ہے''۔ جبھی مطمئن سے انداز میں پوچھتے' کہنے لگے۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ...... یہ کچھ نہیں کرے گی اب''۔ جبکہ اماں کو شوہر کا مطمئن انداز پسند نہ آیا۔

''کیوں اماں......؟'' اس نے فوراً حیرت سے انہیں دیکھا۔

''کوئی خاص وجہ بیگم صاحبہ!'' جمال شاہ بھی بیگم کی بات پر پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

''صحت تو دیکھیں آپ اس کی' کتنی کمزور ہو گئی ہے' پڑھنا اس کا شوق تھا وہ اس نے پورا کر لیا' اب نہ آپ اس کا ساتھ دیں گے نہ یہ کوئی کام کرے گی۔ اللہ نے ہر آسائش سے نوازا ہے پھر کیوں خود کو ہلکان کرنا''۔ وہ صاف بولیں' انداز محبت بھرا تھا' لہجے میں بیٹی کے لیے فکر کے ساتھ پیار ہی پیار تھا۔ وہ دونوں باپ بیٹی مسکرائے۔

''ارے بیگم! کرنے دیں اِسے وہ سب جو اس کا دل چاہے۔ یہ ہی تو اس کی زندگی' اس کی خوشی کے دن ہیں۔ ماں باپ کے گھر ہی بیٹیاں خواہش و ضد کرتی اچھی لگتی ہیں' آج یہ ہمارے سامنے اتنے مان سے اپنے ارادے کی تکمیل کی خواہش رکھتی ہے تو ہم کیوں اسے مایوس کریں' اِس کی خوشی میں تو ہماری خوشی ہے' پھر جب یہ پرائے گھر جائے گی تو دل میں کوئی ارمان تشنہ لے کر نہ جائے گی۔ ہم مطمئن و پرسکون رہیں گے۔ یہ خوش و آباد رہے گی...... مجھے اور آپ کو اس سے زیادہ کیا چاہیے''۔ سید جمال شاہ آہستگی سے ٹھہر کر بولے۔ زہرہ شاہ کی بیٹی کے لیے محبت بھری فکر کو ختم کرنے کے لیے انہیں سمجھانے لگے۔ مستبشرہ' بابا کی اس قدر سنجیدہ' گہری اور دور اندیش بات پر خاموش ہی رہی۔ زہرہ شاہ مسکرا دیں۔

''وہ تو ہے مگر مجھے اس کی صحت کی فکر رہتی ہے''۔

''اماں! میری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ آج کل ڈبل روٹی ٹائپ لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں' سچی''۔ اب کے مستبشرہ فوراً بولی۔

''ارے بیگم صاحبہ! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری بیٹی کی صحت اس کے ارادے سے بالکل بھی متاثر نہیں ہو گی' بس بخوشی آپ اسے اجازت دیں تاکہ یہ اپنا ارادہ ہمارے گوش فوراً سے گزارے''۔ سید جمال شاہ بھی اُن سے مخاطب ہوئے تو انہوں نے لاڈ سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

''اس کی خوشی میں میری خوشی ہے''۔ اور اپنا پُر شفقت ہاتھ اس کے سر پر پھیرا' وہ نہال سی مسکرا دی۔

''اب کہو مستبشرہ بیٹی!'' وہ مکمل اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بابا جان......! میں نے جو پڑھا ہے یا جو علم میرے پاس ہے میں اُسے اپنے پاس محدود نہیں رکھنا چاہتی' میری شدید خواہش ہے کہ مجھ سے باقی لوگ مستفید ہوں' ان کی زندگی سنورے' مستقبل بنے''۔ وہ کہنے لگی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے''۔ سنتے ہوئے انہوں نے خوشدلی سے اسے سراہا' اُسے حوصلہ ملا' مزید بولی۔

''میں ٹیچنگ کرنا چاہتی ہوں...... اپنا اسکول بنانا چاہتی ہوں''۔ گنگناتے لہجے میں اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ سید جمال شاہ کے چہرے پر اطمینان و سکون کے ساتھ مسکراہٹ بھی نظر آئی۔

''کوئی مضائقہ نہیں''۔ نارمل لہجے میں بولے۔

''تو گویا آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے''۔ مستبشرہ ان کے انداز پر حیران بھی ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ نہ نہیں مگر یہاں تو وہ اسے حیرت میں ہی ڈال گئے۔ اتنی جلدی رضامندی بلکہ فوراً رضامندی پر وہ قدرے بے یقین بھی ہوئی۔

''جب اولاد والدین کو مایوس نہ کرتے ہوئے اُن کی بات کا پاس رکھے' اُن کی عزت' قول کا خیال رکھے تو اعتراض کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ بہر حال ارادہ واقعی تمہارا عظیم اور عزم بلند ہے' مگر بیٹا جی! اس سے پہلے اطمینان سے سوچ لو کہ جو تم کرنے جا رہی ہو وہ بڑی ذمے داری کا کام ہے۔ بچوں حتیٰ کہ قوم کے مستقبل کا سوال ہے اور تمہارے کندھے ناتواں ہیں...... ابتدا میں شوق جوش رکھتا ہے اور رفتہ رفتہ بوجھ لگنے لگتا ہے''۔ وہ سنجیدگی سے اسے سمجھانے لگے۔ مستبشرہ نے خاموشی سے بغور انہیں سنا۔ زہرہ شاہ بھی بیٹی کے ارادے سے مطمئن و خوش ہوئی تھیں۔

''کبھی شوق کو بوجھ نہ بننے دو' جو کام کرنا ہو دل سے دلچسپی کے ساتھ محنت و لگن سے کرو' ایمانداری سے کرو' غیر ذمے داری کے بجائے ذہن میں ذمے داری کا احساس رکھنا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ مجھے خوشی ہے فخر ہے کہ تم نے اپنا شوق ایک ذمے دار پیشے سے منسلک کرنے کا ارادہ کیا ہے...... اینڈ آئی نو میری بیٹی اس قابل ہے کہ وہ لوگوں کی زندگی سنوار سکے' اُن کا مستقبل سنوار سکے' بنا سکے...... ملک کی ترقی و کامیابی میں اپنا حصہ ڈال سکے' تمہاری خواہش ہمیں عزیز ہے' تم ضرور ٹیچنگ کرو' تمہیں اسکول بنا کر دینا میرا کام ہے''۔

''تھینک یو ویری مچ بابا جان! آپ کا یقین میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ میرا ارادہ انشاء اللہ بہت مضبوط ہے' جسے آپ کا ساتھ' حوصلہ پائیدار بنائے گا۔ ایمانداری' ذمے داری اور فرض شناسی میں کیونکر بھول سکتی ہوں...... میرے شوق میں جذبہ اصل ہے' میں خود کو بے کار نہیں جانے دوں گی''۔ وہ مشکور سی عزم سے بولی۔

''شاباش بیٹی! اب تو مجھے تم پر اندھا اعتماد ہے۔ یقیناً تم جو چاہو گی اپنی محنت' لگن اور قابلیت سے پاؤ گی اور اپنی پیاری سی فرمانبردار بیٹی کے لیے اسکول میری طرف سے گفٹ ہو گا''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

اس لمحے مستبشرہ کو خود پر فخر محسوس ہوا۔ باپ کا خود پر اندھا اعتماد اور گفٹ۔ وہ جانتی تھی کس وجہ سے کس خوشی میں ہے۔

''تھینک یو سو مچ بابا جان......!'' سو مطمئن انداز میں انبساط سے بولی' آنکھوں میں خوشی دیدنی تھی۔ سید جمال شاہ اور زہرہ شاہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگے۔



فلک شاہ کو یکدم ہی احساس محبت نے اپنے حصار میں مضبوطی سے لے لیا تھا۔ وہ جو کل تک مشارب شاہ کو دوست سمجھتی اور کہتی تھی' محض ایک چھوٹے سے واقعے کے بعد گویا اس خوبصورت لمحے میں جکڑ گئی جو اس کے دل میں ہلچل مچائے نئے جذبات جگائے اُس کے کومل خیالات میں رنگ بکھیرے اس کی سوچوں کو الگ روش سونپ گیا تھا۔

اس سے پہلے تک نہ کبھی اس نے ایسا سوچا نہ اس بارے میں محسوس کیا' نہ دل میں کسی جذبے' خاص جذبے نے جنم لیا تھا نہ دماغ میں ایسی کسی بات کا اشارہ تھا۔ مشارب سے اپنی دوستی کو محض دوستی تصور کرتی تھی کہ کچا ذہن بھی

اندازے وقیاس میں ماہر نہ تھا۔ اسی لیے نہ مشارب کی باتوں کو سیریس لیتی نہ اس کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش کرتی نہ دل کی جاننے میں تگ ودو کرتی۔ جبھی اس سے گفتگو کے دوران کبھی سنجیدگی نہ دکھائی۔

چھوٹی چھوٹی بات پر لڑتی' جھگڑتی' ناراض ہوتی پھر مشارب کے منانے پر یکدم مان بھی جاتی اور روزانہ کی اَن بن میں گھنٹوں ڈھیروں باتیں کرتی۔ مگر جب اندر سے رونما ہوتے خوبصورت انکشاف نے احساس' سوچ وخیالات میں کیفیت کا بدلاؤ محسوس کیا تو خوشی کے ساتھ ساتھ لاج وشرم نے بھی آن گھیرا۔ وہ جو پہلے بنا سوچے سمجھے کسی بات کے لیے یا کسی کام کے لیے مشارب کے سامنے جاتی' باتیں کرتی آج زندگی میں پہلی مرتبہ اس کے سامنے جانے کے متعلق غیر ارادی طور پر گہرائی سے سوچنے لگی۔

''کیسے اس کے سامنے جاؤں' چلی بھی گئی تو کیا بات کروں گی' اس کی بات کا جواب کیا دوں گی؟ اور کیا پہلے کی طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بات کرسکوں گی؟ اگر اس نے فوراً سے میرے دل کا حال جان لیا تو؟ میری بدلتی کیفیت میری آنکھوں سے پڑھ لی تو؟''

ایسے بہت سے سوال اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے جبکہ حقیقتاً خود پر احساسِ محبت عیاں ہونے کے بعد وہ آپ ہی آپ مشارب سے سامنے کا سوچ کر مشرقی لڑکی کا روپ دھارے شرما سی گئی تھی' مگر اس سے پہلے کہ وہ اس متعلق باقاعدہ کوئی لائحہ عمل تیار کرتی فہمیدہ بیگم نے اس کی سوچوں وخیالات کے سامنے فل اسٹاپ لگایا اور اس کو ہوش کی دنیا میں لاتے ہوئے سراپا عمل پیرا ہونے کی ایک مرتبہ پھر سختی سے تنقید کی۔

''فلک......! یہاں چھت پر کیا کر رہی ہو؟ کچن میں ڈھیروں برتن دھونے کے لیے پڑے ہیں۔ کہا بھی تھا میں نے تم سے مگر تم سارے جہاں کی نکمی! نہ کوئی بات سنتی ہو نہ کوئی کام ایک بار کہنے پر کرتی ہو' چلو جاؤ کچن میں' میں جب آؤں تو ایک بھی برتن گندا نہ دیکھوں''۔ انہوں نے اچھا خاصا کہہ ڈالا جس پر فلک نے حسب توقع بُرا سا منہ بنایا تھا' ایک تو اس کی محویت ٹوٹی تھی دوسرا کام بھی وہ آرڈر کیا گیا تھا جس میں کبھی بھی اس کی دلچسپی نہیں رہی تھی سو احتجاج تو بنتا تھا۔

''امی......! مجھ سے نہیں دھوئے جاتے برتن وہ بھی ڈھیر سارے''۔ فوراً صاف انکار کرگئی۔

''میرے ہاتھ خراب ہوں گے اس لیے ویری سوری...... نہ آج سے پہلے میں نے کبھی برتن دھوئے ہیں نہ آج دھوؤں گی نہ آئندہ ایسا کرنے کا کوئی ارادہ ہے' جو روزانہ دھوتا ہے وہی دھوئے''۔ وہ صاف سیدھے لفظوں میں دوٹوک' قطعیت بھرے لہجے میں بولی کہ انداز ایسا ہی تھا شروع سے بے فکر' فطرتاً وعادتاً لاپرواہ۔

کچھ دیر پہلے والی حالت وسوچوں کو فی الوقت بھلائے وہ اپنا اصل روپ اختیار کرچکی تھی جو فہمیدہ بیگم کی نفیس طبیعت کو بہت ناگوار گزرا۔

''کیوں جان بوجھ کر تنگ کرتی ہو مجھے''۔ وہ اب کے بے بس دکھائی دیں۔

''تنگ میں آپ کو کرتی ہوں یا آپ مجھے کرتی ہیں''۔ وہ بنا زیر اثر آئے بولی۔

''بچی نہیں رہی اب تم...... سدھر جاؤ''۔ جواباً وہ آہستگی سے اس کو سمجھانے لگیں۔

''ماسی بھی نہیں بن گئی جو اتنے کام کروں''۔ مگر سامنے فلک شاہ اپنے نام کی ایک کھڑی تھی۔

''اچھا بس کرو...... صرف آج برتن دھولو' کام والی بھی نہیں آئی' میں اور آصفہ آپا بھی جا رہے ہیں''۔ انہوں نے گویا ہار مانتے ہوئے کہا۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ؟'' وہ ہامی بھرنے کے بجائے استفسار کرنے لگی۔

''تمہارے بابا کے ساتھ مارکیٹ تک جا رہے ہیں' کچھ ضروری سامان اور کپڑے وغیرہ لینے ہیں''۔ انہوں نے بتایا۔

''ہائے...... پھر تو میں بھی ساتھ جاؤں گی' میں نے بھی کپڑے لینے ہیں''۔ وہ فوراً سے کہتی جانے کو تیار ہوئی۔

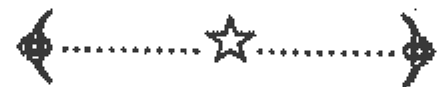
''نہیں تم کہیں نہیں جا رہیں' گھر میں ہی رہو گی' مارکیٹ سے پہلے میں اور آپا کسی کے گھر تعزیت کے لیے بھی جائیں گے' جہاں تمہارا کوئی کام نہیں بنتا اور ویسے بھی کچھ دیر بعد عثمان اور تیمور بھی اسکول سے واپس آئیں گے' فریج میں کھانا بنا ہوا ہے بس گرم کرکے دینا ہے اور اُن کے لیے روٹیاں بھی بنا لینا' صبح ناشتہ بھی ٹھیک سے نہیں کر کے گئے تھے''۔ فہمیدہ بیگم نے منع کرتے ہوئے تفصیلاً بتایا' ساتھ ہی ہدایت بھی دی جسے سنتے ہی عادت سے مجبور ہو کر اس نے منہ بسورا۔

''اور کچھ......'' پھر قدرے طنزیہ پوچھا' اتنا بھی اُسے بہت زیادہ لگا تھا۔

''ہاں اچھا ہوا تم نے پوچھ لیا' آپا کہہ رہی تھیں کہ اگر مشارب جلدی واپس آ گیا تو اسے بھی کھانا وغیرہ گرم کر کے دینا اور پوچھ کر چائے بھی بنا دینا''۔ جبھی فہمیدہ بیگم یاد آنے پر بولیں۔ اب کے فلک شاہ کو منہ بنانے کی مہلت ہی نہ ملی کہ دل میں مشارب کے نام سے ہلچل مچی تھی۔ آنکھوں میں چمک سی اتری تھی سولبوں نے جنبش کرنے کی جسارت ہرگز بھی نہیں کی۔

''اور دھیان سے...... دروازہ بھی لاک کرلو ٹی وی دیکھنا نہ ڈائجسٹ پڑھنا' پہلے یاد سے برتن دھونا میں واپس آؤں تو کہیں بھی گندگی نہ دِکھے مجھے ورنہ مار کھاؤ گی''۔ فہمیدہ بیگم اس کی ایف اے میں کمپارٹ کے بعد اسے رعایت بخشنے کے موڈ میں ہی نہ تھیں' سو سختی سے تنبیہہ کی۔

اس نے بنا بولے دھیرے سے سر ہلایا کہ محض مشارب کے ذکر سے زبان کو بریک لگ گئی تھی۔ فہمیدہ بیگم اپنا کہہ جا چکی تھیں' فی الحال وہ فوراً سے دروازہ لاک کرنے ان کے پیچھے گئی اور دروازہ لاک کرنے کے بعد سیڑھیوں پر آ بیٹھی کہ مکمل سکون سے مشارب شاہ کو سوچ سکے۔



''آخر میں ہی کیوں؟'' وہ دیوانہ سا پاگل ہوئے جا رہا تھا۔

اپنے ساتھ کیے گئے قسمت کے سنگین کھیل سے ابھی تک بے یقین' پُر ملال' تاسف ویاسیت میں گھرا اپنا وجود اُس کو بے بسی کی عمیق گہرائیوں میں دھکیلے بہت حقیر لگا تھا۔ بہت بے چین مگر ہرگز بھی قابلِ رحم نہ لگا تھا' شکوے ہزاروں تھے' گلے لاکھوں کروڑوں سے تجاوز کرتے جا رہے تھے' اس کا دماغ سوچ سوچ کر گویا شل ہونے کو تھا' وہ نظر اٹھائے عرش کو تکنے لگا۔

''کیوں اللہ پاک......! اپنے اس بندے پر رحم نہ آیا' کیا میں اتنا گنہگار تھا کہ جیتے جی مجھے پاتال میں اتار دیا' جیتے جی مجھے سزا دی' یوں قلبی آزمائش کو میرے نصیب میں لکھا' کیوں......؟'' وہ دو جہانوں کے رب سے مخاطب ضبط کی حدوں سے گزرنے لگا' رونا وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا لیکن جب چوٹ دل کو لگے تو اذیت و تکلیف کو دنیا کا کوئی پیمانہ ناپنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ دل کی تڑپ' روح کی بے قراری سے وجود نڈھال سا ہو جاتا ہے' پھر شکوے شکایت جنم لیتی ہے۔ انسان بہت مجبور ہو کر اس ذات سے گلہ کرتا ہے جو ہر شے پر قادر' ہر قسمت کا لکھاری' انسان کو پیدا کرتا ہے' زندگی دیتا ہے' جینے کا مقصد نوازتا ہے' احساسات وجذبات کے خوبصورت امتزاج سے مزین دھڑکتا موم سا دل بناتا ہے' سوچوں وخیالات میں خوبصورت رنگ بکھیرے

آنکھوں کو سپنوں‘ خوابوں سے سجاتا ہے‘ پیار عشق کی حدت سے واقفیت دلاتا ہے‘ ہر چیز میں قدرت کامل رکھتا ہے۔ کسی کو سہل پسندی کی زندگی دیتا ہے تو کسی کی قسمت میں ہجر کی داستان رقم کیے آزمائش لکھ دیتا ہے جو برداشت کا امتحان لیتی محبت بھرے دل کو امتحان میں ڈال دیتی ہے۔ ایسے میں ہی اللہ کی یاد اللہ سے اپنے بندوں کا ربط پیدا کرتی ہے۔

’’مجھ میں کوئی کھوٹ نہیں تھی‘ میرا پیار سچا تھا‘ میری نیت صاف تھی پھر کیوں اسے میرا نہ بنایا...... اس کے دل میں میرے لیے محبت نہ جگائی‘ کیا میں محبت میں خطاوار ہوں جو مجھے سزا ملی......؟‘‘

وہ بھی انسان تھا‘ ایک عام انسان‘ پھر کیونکر خدا کی مہربان ذات کے سامنے اپنا دکھ بیان نہ کرتا‘ گلہ نہ کرتا‘ اپنی مجبوری و بے بسی اُسے نہ بتاتا جو پہلے ہی سے اس ذات پر عیاں تھا۔ دنیا میں ہر انسان کبھی نہ کبھی ضرور خدا کے حضور اپنے دل کا حال بیان کرتا ہے‘ ہر کوئی کرتا ہے اور کرنا بھی چاہیے کہ ایک وہی تو ہے وہ سب کی سنتا ہے‘ سب کی قسمت لکھتا ہے انہیں اُن کے نصیب کا دیا دیتا ہے اور ابھی تو اُس کا غم تازہ تھا‘ سنبھلنے میں وقت تو لگتا ہے۔

’’اگر وہ میری قسمت میں نہیں تھی تو اسے میرے دل میں کیوں بسایا‘ میری ذات میں کیوں سمایا کہ اس کے جانے کے بعد بھی میں اسی کا ہو کر رہ گیا ہوں‘ مر جاؤں گا میں اس کے بغیر‘ نہیں خوش رہ سکتا میں اُس کے بنا‘ تو سب جانتا ہے‘ دل کا حال تجھ سے پوشیدہ نہیں پھر میں تجھ سے کیوں نہ مخاطب ہوں...... میری رگ رگ میں دوڑتی اُس کی محبت کو نچوڑ لے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا...... پاگل ہو جاؤں گا میں‘‘۔ وہ ہنوز آسمان پر نظریں گاڑے اللہ سے مخاطب تھا مگر دکھ تھا کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا‘ تکلیف واذیت حد سے بڑھ کر تھی۔

محبت میں ناکامی سے افسردہ وملول بہت بے بس ہوتا‘ ضبط کی حدوں سے گزرتا وہ آنکھیں موند گیا۔

☆

کچھ ہی دیر میں مراد منصور کی آمد متوقع تھی‘ کلثوم پھپھو‘ نفیسہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود ان کے ساتھ کچن میں مدد کروا رہی تھیں جبکہ انہوں نے ہی مہ روش کو زبردستی کچن سے نکال کر آرام کی تاکید کی کہ اسلام آباد سے آئے ابھی اسے ایک دن بھی نہیں گزرا تھا سو وہ مکمل آرام کر کے یونیورسٹی میں 4 سالہ قیام کی تھکن کو اتارے‘ اسی لئے مجبوراً مہ روش نے کمرے کی جانب رخ کیا‘ مگر ہرگز بھی آرام کی غرض سے نہیں‘ دل کی کیفیت کا تو اسے اندازہ ہو چکا تھا‘ سو مسرور تھی‘ محو انتظار تھی‘ اندر کا موسم بدلنے سے زندگی خوبصورت لگنے لگی تھی‘ ساتھ ہی دل و دماغ نے سچائی ایمانداری سے اسے الفت کی راہ میں اپنی سنگت کی یقین دہانی کروائی تو کئی تقاضوں نے جنم لیا‘ مراد کے اقرار کی خواہش نے جنم لیا‘ تو ساتھ ہی اس کے دل میں اپنے لئے خاص مقام کی دعا مانگی‘ محبت کی یکطرفی کو ذہن سے جھٹلا کر من ہی من میں اسے سنگ کر لیا‘ کہ ہر احساس خوبصورت تھا‘ خوشگوار تھا‘ ہر سوچ میں زندگی کی جھلک تھی‘ ہر جذبے میں سچائی تھی‘ ہر تقاضے میں وثوق اور ہر کیفیت دلنشین تھی‘ پھر وہ کیونکر خود کو ہوا میں رقصاں محسوس نہ کرتی؟ کمرے میں ٹہلتی وہ ضرط انبساط سے مسکراتی گنگناتی رہی‘ وقت گزر رہا تھا‘ مراد آنے ہی والا تھا‘ اس نے ڈریس چینج کیا اور بال بنانے لگی‘ جبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور پریشے اپنے ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ رونما ہوئی۔

’’کیا ہو رہا ہے؟‘‘ اور پوچھنے لگی۔

’’کچھ خاص نہیں...... بال سیٹ کر رہی ہوں‘‘۔ اس نے مصروف سے انداز میں جواب دیا‘ پریشے اس کے بیڈ پر براجمان ہوئی۔

’’کس لئے......؟‘‘ اور بے ساختہ پوچھا۔

’’کیا مطلب کس لئے......؟‘‘ وہ یہ سوال پوچھے جانے پر حیران ہوئی سو پریشے کو متعجب نظروں سے دیکھا۔

’’کوئی خاص وجہ......؟‘‘ پریشے نے بغور اسے دیکھا آنکھوں میں حد درجہ شرارت تھی۔

’’کوئی بھی نہیں...... بال بنانے کی بھی بھلا کوئی وجہ ہوتی ہے‘ اچھا تم بتاؤ تم کسی خاص وجہ کے روزانہ بال برش کرتی ہو؟‘‘ وہ ناسمجھی کہ عالم میں الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

’’میری ایسی قسمت کہاں؟‘‘ جواباً پریشے مسکین سا منہ بناتی مصنوعی عاجزی سے بولی پھر مہ روش کے ہمراہ کھلکھلا کر ہنسی۔

’’پھر......؟‘‘

’’آپ کے ستارے بہت جلد حرکت میں آنے والے ہیں‘ بلکہ انہی دنوں گردش کر رہے ہیں‘‘۔ پریشے شوخی و شرارت سے بولی۔

’’کیوں جی......؟‘‘ وہ حیران ہوئی۔

’’بہت جلد آپ کو پتہ چل جائے گا‘‘۔ پریشے صاف بتانے کے بجائے بات گول مول انداز میں کی۔

’’تم ابھی بتا دو مجھے‘‘۔ مہ روش کو تجسس ہوا۔

’’اتنی جلدی نہیں‘‘۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

’’کیوں......؟‘‘

’’تھوڑا انتظار کریں‘‘۔ پریشے نے تحمل سے جواب دیا۔

’’اب تم مجھے الجھن میں ڈال رہی ہو‘‘۔ ماہی تنگ آنے لگی۔

’’آپ کی قسمت بڑی رنگین ہے ابھی آپ کو گھر آئے دو دن بھی نہیں ہوئے مگر آپ کو نئے دیس کی سیر پر بھیجنے کی بھی تیاری کر رہے ہیں...... واؤ کتنا مزہ آئے گا‘‘۔ البتہ پریشے اپنی ہی دھن میں بولی۔

’’مس پریشے...... برائے مہربانی پہیلیاں بجھوانے کے بجائے آرام سے سیدھی طرح مجھے بتاؤ‘ ورنہ تمہارے مزے کا میرے ہاتھوں ستیاناس ہو جائے گا‘‘۔ اب کہ ماہی نے اس کو آنکھیں دکھائیں۔

’’ابھی میں آپ کو نہیں بتا سکتی...... سوسوری......‘‘ جبکہ وہ ہنوز انکاری تھی دونوں آگے پیچھے کی تھیں مگر اپنے مابین گہری انڈر اسٹینڈنگ کے باعث پریشے‘ مہ روش کو خوب تنگ کر کے لطف اٹھاتی تھی۔

’’پھر چلو اٹھو نکلو کمرے سے‘‘۔ ماہی نے کڑے تیوروں سے اسے دروازے تک کا رستہ دکھانا چاہا‘ تو وہ اس کے کہنے پر اٹھنے کے بجائے مسکرانے لگی۔

’’بہت ڈھیٹ ہو ویسے تم‘‘۔ ماہی نے اپنے تئیں اسے لتاڑا۔

’’اور آپ بہت سویٹ ہیں‘ میں بہت مس کروں گی آپ کو بجی‘‘۔ تو وہ سنجیدگی سے محبت آمیز لہجے میں بولی۔

’’مس کرو گی......؟‘‘ ماہی نے اس کے الفاظ دہرائے کہ حقیقت سے انجان تھی‘ سمجھ میں فی الوقت کچھ نہ آیا پھر اپنی بات میں مزید اضافہ کرتی حیرانگی سے استفسار کرنے لگی۔

’’کیا مطلب کرو گی‘ تم کہیں جا رہی ہو؟‘‘

’’میری ایسی قسمت کہاں ڈیئر سسٹر...... فی الحال آپ کے آنے پر ہم آپ کے جانے کی تیاری کرنے والے ہیں‘ تیاری پکڑ لیں آپ......‘‘ وہ لمبی سانس بھر کے ڈرامائی انداز میں بولی۔

جاری ہے

صدف سعد

ردا کی ڈائری

فائزہ بختیار کی ڈائری سے

سلیم فوز کی نظم

ہوا کچھ تو بتا کہ
اس عید پہ کس حال میں ہے وہ
اور اس کے پیرہن کا رنگ کیا ہے
اور اس کے گیسوؤں میں کون سے پھول کا گجرا ہے
اور اس نے عید پر کس رنگ کی مہندی لگائی ہے
کیا اب کے بھی میری خوشبو ہی سانسوں میں بسائی ہے
ہوا تو کیا بتائے گی، تجھے معلوم ہی کیا ہے؟
کہ اب کی عید پر
اس کی سوچوں پر ''پہرہ'' ہے

بشریٰ طارق کی ڈائری سے

ناصر کاظمی کی غزل

جب سے دیکھا ہے ترے ہات کا چاند
میں نے دیکھا ہی نہیں رات کا چاند
زلفِ شب رنگ کے صد راہوں میں
میں نے دیکھا ہے طلسمات کا چاند
رس کہیں، روپ کہیں، رنگ کہیں
ایک جادو ہے خیالات کا چاند

حنا نسیم کی ڈائری سے

عدنان ملک کی نظم

تم واقعی اچھی لڑکی ہو
یا مجھ کو اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو
نہ جی ایسا رنجور کرو
وہ وعدے وفا نبھانے کے
تم بھول گئیں مجھے یاد رہے
کیا شان تمہاری گھٹ جاتی
جو ایفا کرنے آ جاتیں
اب کن باتوں میں کھوئی ہو
اب کن سوچوں میں ڈوبی ہو
چہرے کو ذرا اٹھاؤ تم
غم چھوڑو دل کی بات کہو
تم ہنستی اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو
وہ خط جو تمہارا آیا تھا
وہ خط تھا یا افسانہ تھا
گر پیت ہماری چاہیے تھی
جھولی کو ذرا پھیلانا تھا
جب ہم نے کہا تھا من جاؤ
اور چھوڑ کے ہم کو مت جاؤ
تم ہنستی تھیں چپ رہتی تھیں
تم بے کل بے کل رہتی تھیں
جب ہم نے کہا تھا غم چھوڑو
غم چھوڑو دل کی بات کہو
تم ہنستی اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو
ہاں عید تو آتی رہتی ہے
پر دید تو باقی رہتی ہے
گر عید پہ تم ہی آ جاتیں
اور دید تمہاری ہو جاتی
یہ موقع اچھا موقع تھا
تم آتیں گلے سے لگ جاتیں
وہ بات تو آنی جانی تھی
پر بن گئی ایک کہانی سی
اب اس کا قصہ پاک کرو
تم ہنستی اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو

طوبیٰ رضا کی ڈائری سے

احمد ندیم قاسمی کی غزل

انداز ہوبہو تری آوازِ پا کا تھا
دیکھا نکل کے گھر سے، تو جھونکا ہوا کا تھا
اس حسنِ اتفاق پہ لٹ کر بھی شاد ہوں
تیری رضا جو تھی، وہ تقاضا وفا کا تھا
دل راکھ ہو چکا تو چمک اور بڑھ گئی
یہ تیری یاد تھی کہ عمل کیمیا کا تھا
اس رشتہ لطیف کے اسرار کیا کھلیں!
تو سامنے تھا، اور تصور خدا کا تھا
چھپ چھپ کے روؤں، اور سرِ انجمن ہنسوں
مجھ کو یہ مشورہ مرے درد آشنا کا تھا
اٹھا عجب تضاد سے انسان کا خمیر
عادی فنا کا تھا تو پجاری بقا کا تھا
ٹوٹا تو کتنے آئینہ خانوں پہ زد پڑی
اٹکا ہوا گلے میں جو پتھر صدا کا تھا
حیران ہوں کہ دار سے کیسے بچا ندیم
وہ شخص تو غریب و غیور انتہا کا تھا

سحر انجم کی ڈائری سے

احمد ضیا کی نظم

اب کے برس

اے عمرِ رواں آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک خواب سنانا ہے تجھے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمرِ رواں آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف ساذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمرِ رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمرِ رواں
آ پاس میرے آ پاس میرے

اشعار

شاہدہ وقار .... اسلام آباد

خدا معلوم اس طائر کے دل پر کیا گزرتی ہے
جو پَر تولے ہوئے ہو اور زیرِ دام آ جائے
قمر اک دن سفر میں خود ہلالِ عید بن جاؤں
اگر قبضہ میں میرے گردشِ ایام آ جائے

فرزانہ شوکت .... کراچی

کس کے بس میں تھا ہوا کی وحشتوں کو روکنا
برگِ گل کو خاک، شعلے کو دھواں ہونا ہی تھا
میں نئے چہروں پہ لکھتا تھا نئی غزلیں سدا
میری اس ادا سے اُس کو بدگماں ہونا ہی تھا

عانیہ نیازی .... ربوہ

یہ کون لوگ اندھیروں کی بات کرتے ہیں
ابھی تو چاند تری یاد کے ڈھلے بھی نہیں

سیدہ امبر ہاشمی .... کراچی

چند لمحوں کی رفاقت ہی غنیمت ہے کہ پھر
چند لمحوں میں یہ شیرازہ بکھر جائے گا
اپنی یادوں کو سمیٹیں گے بچھڑنے والے
کسے معلوم ہے پھر کون کدھر جائے گا

رفعت حسن .... حیدر آباد

ترے وصال کی امید اشک بن کے بہہ گئی
خوشی کا چاند شام ہی سے جھلملا کے رہ گیا
وہی اداس روز و شب، وہی فسوں، وہی ہوا
ترے وصال کا زمانہ یاد آ کے رہ گیا

بسمہ علی .... سکھر

اے ماہ و مہر حسن، ترے عہد میں کبھی
دن ہی ہمیں خوش آئے نہ آئی ہے راس شب
مدت کے بعد چاند نے دستک بدن پہ دی
پھر حجلۂ حیات میں آئی ہے خاص شب

نائلہ اسحاق .... لاہور

نذر کرتا رہا میں پھول سے جذبات اسے
جس نے پتھر کے کھلونوں سے مجھے بہلایا
گھنے اشجار میں الجھے رہے کاکل شب کے
چاند نے دستِ تجلی تو بہت پھیلایا

حنا نسیم .... کراچی

وہ وقت بھی دیکھے ہیں تاریخ کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

سیدہ امبر اختر .... چندی پور

میری دعا ہے کہ تو نیک سیرت ہو
تیری طرح تیرا دل بھی خوبصورت ہو
مل جائے دعا سے پہلے ہر چیز آپ کو
خود دعا کو تیرے ہاتھوں کی ضرورت ہو

ثمینہ .... اوکاڑہ

نیند پر جال سے پڑنے لگے آوازوں کے
اور پھر ہونے لگی تیری صدا آہستہ
رات جب پھول کے رخسار پہ دھیرے سے جھکی
''چاند نے جھک کے کہا، اور ذرا آہستہ!''

☆☆☆☆☆

انٹرویو: نزہت ناز



قمروش شہک

س: کیسی ہیں آپ؟
ج: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے بالکل ٹھیک ہوں۔
س: آپ کا پورا نام؟
ج: ویسے تو امبرین واجد ہے مگر قمروش شہک کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہوں۔
س: آپ تو قمروش اشوک کے نام سے لکھتی رہی ہیں ناں؟
ج: جی بالکل مگر کچھ وجوہات کی بنا پر اشوک ہٹا دیا اب صرف قمروش شہک۔
س: کوئی ایک وجہ نہیں بتائیں گی؟
ج: جی بالکل۔ فسٹ ائیر میں تھے گروپ تھا ہمارا بس سمجھیں یونہی شغل میں شوق میں رکھ لیا یہ نام مگر لوگ مجھے نان مسلم سمجھنے لگے اس نام کی وجہ سے تو بہت برا لگنے لگا۔
س: آپ کی تعلیم؟
ج: انٹر اس کے علاوہ کچھ کورسز کیے ہیں۔
س: آپ کا اسٹار کیا ہے اور تاریخ پیدائش؟
ج: اسٹار عقرب اور تاریخ پیدائش 14 نومبر۔
س: لکھنے کا شوق کس طرح پیدا ہوا؟
ج: وہی بات کہ ہمارے گروپ میں لکھنے کا شوق سب دوستوں کو ہوا تو میری امی نے کہا کہ لکھو ڈائجسٹ وغیرہ میں، بس اس طرح یہ سلسلہ چل نکلا۔
س: روداد سے کب سے منسلک ہیں؟ اور پہلی کہانی کون سی چھپی تھی؟
ج: شاید 2000ء سے اور پہلی کہانی ''بہار محبت'' چھپی تھی، بہت خوشی ہوئی تھی۔
س: آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا اور بچے کتنے ہیں؟
ج: پانچ سال اور دو ہی بچے ہیں سعد اور انائیا۔
س: آپ کے بہن بھائی کی تعداد؟
ج: ہم سات بہن بھائی ہیں۔
س: سب سے زیادہ کس بہن بھائی سے کلوز ہیں؟
ج: اپنی چھوٹی بہن سمیرہ سے جو میرے لئے سب کچھ ہے۔
س: آپ کو لکھنے میں سب سے زیادہ انکریج کس نے کیا؟
ج: سب سے پہلے میری والدہ نے جن کی دعاؤں سے میں اس مقام پر ہوں، اس کے بعد صالحہ آپی جنہوں نے مجھے لکھنے میں انکریج کیا، اس کے علاوہ اگر پڑھنے والے مجھے نہ سراہتے ہیں تو شاید میں نہیں لکھتی۔
س: سال میں کون سا موسم بہت پسند ہے اور پسندیدہ کلر؟
ج: مجھے سردی کا موسم بہت پسند ہے مگر بچوں

کیلئے گرمی کا' پسندیدہ کلر میں مجھے سب ڈارک کلر پہننا بہت اچھا لگتا ہے۔

س: پسندیدہ شخصیت کون سی ہے؟

ج: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر فاروقؓ۔

س: پسندیدہ رائٹرز جنہیں پڑھنا اچھا لگتا ہے؟

ج: جو بہت اچھا لکھے وہ پسند ہے۔ ویسے تو ردا میں تقریباً سبھی اچھا لکھتی ہیں مگر کچھ ایسی رائٹرز بھی ہیں جو کہانی میں ڈوب کر لکھتی ہیں اور پڑھنے والوں کو بھی مسحور کر دیتی ہیں جیسے صالحہ آپی' شازیہ مصطفیٰ' سباس گل' غزالہ شہزاد وغیرہ۔

س: موڈی ہیں یا فرینڈلی ہیں؟

ج: موڈی ہوں۔ اگر میرے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جائے تو بہت برا لگتا ہے۔

س: دوست بنانا پسند کرتی ہیں؟

ج: میرے لئے دوست بھی صرف سمیرہ ہے اسی پر اختتام ہے۔

س: پسندیدہ بک؟

ج: قرآن شریف اور قصص الانبیاء۔

س: ردا میں اتنے دن غیر حاضری کی وجہ؟

ج: بہت سے کرائسس تھے کبھی ہسبنڈ کا آپریشن' پھر میری بیماری' بیٹی کی پیدائش' یہ ساری وجوہات تھیں جنہوں نے ردا سے دور رکھا۔

س: اگر کوئی آپ پر یا آپ کی اسٹوری پر تنقید کرے تو برا مانتی ہیں؟

ج: اگر میری اسٹوری پر کوئی تنقید کرے تو مجھے بالکل برا نہیں لگتا بلکہ اچھا لگتا ہے' اس طرح میں اپنی اسٹوری میں امپروومنٹ کر سکتی ہوں مگر ہاں اگر کوئی مجھ پر تنقید کرے اور وہ خامی مجھ میں نہیں ہے تو بہت برا لگتا ہے۔

س: اپنی کسی پسندیدہ عادت کے بارے میں بتائیے؟

ج: اگر کچھ مجھ سے غلط ہو جاتا ہے تو اپنی غلطی فوراً تسلیم کر لیتی ہوں۔

س: کیا کوئی نیا ناول لے کر آ رہی ہیں؟

ج: جی ہاں "تیرے پیار کی خوشبو" یہ میرا نیا سلسلے وار ناول ہے۔

س: کچھ بتائیں گی اپنے سلسلے وار ناول کے بارے میں؟

ج: بہت سے لکھے گئے ناول سے کچھ مختلف ہے یہ ناول' باقی لوگ پڑھیں گے تو ضرور بتائیں کہ انہیں کیسا لگا ہے یہ ناول۔

س: اپنے دل کے سارے راز کس سے کہنا پسند کرتی ہیں؟

ج: آف کورس سمیرہ سے۔

س: میوزک پسند کرتی ہیں؟

ج: جی بالکل مگر فاسٹ ٹریک زیادہ پسند ہیں۔

س: آپ کی کوئی بہن بھی رائٹر ہیں' وہ کہاں ہیں؟

ج: جی فرح عظیم ہیں مگر وہ اپنی ازدواجی زندگی میں اس قدر مصروف ہو گئیں کہ کچھ لکھنے کی فرصت نہیں ہے۔

س: پسندیدہ خوشبو؟ اس کے علاوہ کہاں جانا زیادہ پسند کرتی ہیں؟

ج: مہندی کی' بارش کے بعد گیلی مٹی کی خوشبو گلاب کی خوشبو اچھی لگتی ہے' اس کے علاوہ مجھے امی کے گھر اور سی سائیڈ جانا بہت اچھا لگتا ہے (ہنستے ہوئے)

س: بچپن کی کوئی شرارت بتائیے؟

ج: یہی کہ گھروں کی گھنٹیاں بجا کے بھاگتے تھے۔

س: پہلی ملاقات میں سامنے والے شخص کا کس پہلو کا جائزہ لیتی ہیں؟

ج: سب سے پہلے اس کی شخصیت پھر اس کے طرز گفتگو طرز انداز۔

س: آپ کے خیال میں جو آج کل ڈائجسٹوں میں کہانیاں شائع ہو رہی ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہوتی ہیں؟

ج: یہ سوال آپ نے بہت اچھا کیا' آج کل ڈائجسٹوں میں جو کہانیاں شائع ہو رہی ہیں وہ ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتی ہیں مگر کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا ہماری حقیقت کی زندگی سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے وہ صرف جسٹ انجوائے کے طور پر ہوتی ہیں۔ آج کل ہمارے معاشرے کے حالات جس نہج پر ہیں اگر کچھ اچھا پڑھ کر ذہن کو تھوڑا ریلیکس مل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے کے آپ اسٹار پلس کے ڈراموں کو ہی لے لیں۔

س: لباس اور پھول کون سا پسند ہے؟

ج: کاٹن کے ایمبرائیڈری سوٹ پہننا بہت اچھے لگتے ہیں' پھولوں میں گلاب اور موتیا پسند ہے۔

س: صبح اٹھ کر سب سے پہلے کسے دیکھنا پسند کرتی ہیں؟

ج: اپنے بچوں کو اور ہسبنڈ کو اور موبائل دیکھتی ہوں کہ اس میں سمیرہ کا کوئی میسج تو نہیں آیا ہے۔

س: آپ کی نظر میں محبت اور نفرت کیا ہے؟

ج: دونوں کی اپنی الگ الگ صورتیں ہیں محبت بھی ایک جذبہ ہے جو ہمیں ہمارے رشتوں سے ہوتی ہے جیسے والدین ہیں' فیملی ہے' فرینڈز وغیرہ اور لوگ کہتے ہیں جو لوگ محبت کرتے ہیں وہاں نفرت کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی مگر میرا ماننا ہے کہ جب محبت ٹوٹ کر کی جاتی ہے تو نفرت بھی اسی شدت سے ہوتی ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دل میں کہیں نہ کہیں' کسی نہ کسی کیلئے نفرت ضرور ہوتی ہے' اس سے آگے میں کچھ کہنا نہیں چاہوں گی۔

س: شادی شدہ زندگی کیسی گزر رہی ہے؟

ج: (مسکراتے ہوئے) بہت بہت اچھی۔

س: غصہ آتا ہے اور اگر آتا ہے تو کس طرح اظہار کرتی ہیں؟

ج: ہاں آتا ہے بھئی کبھی تو بالکل خاموش ہو جاتی ہوں یا کبھی کچھ نہ کچھ کہہ دیتی ہوں مگر اس طرح نہیں کہ سامنے والے کی دل آزاری ہو اور کبھی اپنے بچوں کی پٹائی لگا دیتی ہوں۔

س: آپ کے بچے تو ابھی بہت چھوٹے ہیں' کتنے سال کے ہیں؟ (سوال میں حیرانگی تھی)

ج: (یہاں وہ زور سے ہنس دی تھیں) بیٹا محمد سعد ماشاء اللہ سے چار سال کا ہے اور بیٹی انایا پانچ ماہ کی مگر اس طرح نہیں مارتی جیسے آپ سمجھ رہی ہیں۔

س: عید کے حوالے سے ردا کے قارئین کو کوئی پیغام دینا چاہیں گی؟

ج: بس یہی کہ عید پر اُن غرباء کو بالکل بولنا نہیں چاہیے جو اپنا خرچہ افورڈ نہیں کر سکتے' جتنی جلدی ہو سکے ان مستحق لوگوں کو زکوٰۃ' خیرات' صدقہ دے دینا چاہیے تاکہ وہ بھی عید بہت اچھی طرح منا سکیں۔

س: کس قسم کے لوگ ناپسند ہیں؟

ج: جو بلاوجہ کسی میں خامیاں ڈھونڈتے ہیں' جو کسی کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہوتے اور ہر ایک کے

آگے فضول میں تنقید کرتے ہیں اگرچہ اس میں یہ خامی نہ ہو یا ہو۔

س: فضول خرچ کون ہے آپ دونوں میں سے؟

ج: ہم دونوں ہی نہیں ہیں مگر ان کے بالمقابل میں تھوڑا بہت خرچ کر دیتی ہوں بچوں پر' خود پر' خود اِن پر۔

س: ٹی وی دیکھتی ہیں' کون سے اداکار' اداکارہ یا گلوکار پسند ہیں؟

ج: وہ بھی موڈ کے حساب سے دیکھ لیتی ہوں۔ اگر فارغ ہوں تو کچھ پڑھ لیتی ہوں یا کچھ لکھ لیتی ہوں جیسے کہ آج کل اپنا نیا سلسلہ وار ناول لکھ رہی ہوں اس لئے کوئی اتنا خاص پسند نہیں ہے' ہاں عاطف اسلم کی آواز اچھی لگتی ہے۔

س: کوئی پیغام دینا چاہیں گی نئے لکھنے والوں کو یا پڑھنے والوں کو؟

ج: یہی کہ لکھیں اچھا لکھیں اور اگر کوئی آپ کی اسٹوریز پر تنقید کرتا ہے تو برا مت منائیے' نہ دل چھوٹا کریں بلکہ بہتر سے بہتر لکھنے کی کوشش کریں اسی طرح آپ کی کہانیوں میں امپروومنٹ آئے گی اور پڑھنے والوں سے یہ ریکوئسٹ ہے کہ اگر کچھ اچھا لگے تو اسے انکریج کریں۔

س: آخر میں خود اپنے لئے کچھ کہنا چاہیں گی؟

ج: جی بالکل یہی کہنا چاہوں گی کہ اگر میں آج اس قابل ہوئی ہوں کہ لوگ مجھے پسند کرتے ہیں' میری اسٹوریز کو سراہتے ہیں تو اس میں میرے ماں باپ' میرے' بہن بھائی اور صالحہ آپی کا بہت ہاتھ ہے' بہت دعائیں ہیں۔ (فی امان اللہ)

............☆☆☆............

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

موسم بے حد خوشگوار تھا لیکن اگر دل کے اندر اُداسی تو ہمیں باہر کے موسم ہنسا نہیں سکتے۔ اندھیرے میں رجتی ہوئی بارش اور بھیگتی ہوئی بھادوں کی برسات رے ہرے گھنے قطار در قطار درختوں پر گر رہی تھی' فاف سوئمنگ پول میں گرتے ہوئے پانی کے طرے، قدرت کے حسین نظارے نیلے بلب جو پانی واندھیرے میں بھی نیلگوں بنا رہے تھے سامنے یوں ک رہا تھا کہ نیلا سمندر قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے قطار در قطار بنے ہوئے ہوٹلوں کی بالکونی سے نگین ہوائیں لہراتے ہوئے آرچڈ شیشے کی بالکونی پر کھڑے ہوئے پھر بھی دل اگر اداس ہو تو یقیناً اُداسی کی کوئی اہم وجہ بھی ہوگی۔ آج بے ہوش و حواس از میر نے اس کو کسی کے ساتھ دیکھا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ شنا میر نے پلٹ کر اس کو نہ دیکھا ہو۔ محبت تو ہر زاویہ گاہ میں اپنا رُخ متعین کر لیتی ہے۔ محبت بھید ہے وشبو کا جو گرتی ہوئی بارش کی طرح دل کے کشکول کو بھرتی تو ہے لیکن آنکھوں کے آبشار کھلے چھوڑ دیتی ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر محبت انسان کی جب زادِ راہ ن جائے تو سفر اتنا مشکل بھی نہیں لگتا۔ راستے دشوار ہو جائیں مگر ایک دن سفر کو ختم ہی ہونا ہے۔ ابد سے ازل سے محبت کی امر بیل جو پھیلی ہوتی ہے کہیں کانٹوں بھری رات تو کہیں برسات پڑی ہے، تو کہیں کہیں پر جگنو چمک رہے ہیں، ستاروں کی روشنی میں کہیں چاند بھٹک رہا ہے' بادلوں کی اوٹ سے جھانکتے ہوئے چاند نے عشنا میر کو جھک کر دیکھا تھا تو وہ خاموش شیشے پر گرتے ہوئے بارش کے قطروں کو اپنی آنکھوں سے لگا کر بے تحاشا روئی تھی۔

صالحہ محمود کا ناول ''کچی کلیاں آنگن کی'' سے انتخاب

شائستہ زاہد......کراچی

اس ماہ کی کرنیں

☆ مکمل ایمان خوف سے چھٹکارا دلا دیتا ہے۔

☆ محنت ہمیں 3 چیزوں سے بچاتی ہے۔ بوریت' برائی' غربت۔

☆ ہر عمدہ اور اچھا کام ابتدا میں ناممکن نظر آتا ہے۔

☆ غلطی مان لینے سے انسان کا ذہنی بوجھ کم ہو جاتا ہے۔

☆ مسکراہٹ محبت کی زبان ہے۔

☆ خواہش ایک ایسی تمنا ہے جسے پورا کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔

☆ جتنا کم بولو گے اتنا زیادہ لوگ تمہاری بات سنیں گے۔

☆ زندگی تب بہتر ہوتی ہے جب آپ خوش ہوتے ہیں لیکن زندگی تب بہترین ہوتی ہے جب آپ کی وجہ سے کوئی دوسرا خوش ہوتا ہے۔

رابعہ فاطمہ......لاہور

اس ماہ کے قول

☆ سچی سے سچی اور اچھی سے اچھی عقلمندی ارادہ ہے۔ (ہٹلر)

☆ حسد حاسد کو مرنے سے پہلے مار دیتا ہے۔ (بقراط)

☆ حکمت ایک ایسا درخت ہے جو دل سے اُگتا ہے اور زبان سے پھل دیتا ہے۔ (بطلیموس)

☆ امید باعمل انسان کی کنیز ہے۔ (گوئٹے)

☆ باوجود سمجھنے کے بھی لوگ اپنی اصلاح نہیں کرتے وہ یقیناً تکلیف اٹھاتے ہیں۔ (شبلی نعمانی)

☆ جو لوگ وقت کا سب سے زیادہ غلط استعمال کرتے ہیں وہی سب سے زیادہ وقت کی کمی کی شکایت کرتے ہیں۔ (برونر)

☆ میں نے وقت برباد کیا اور اب وقت مجھے برباد کر رہا ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ محبت کا سبق بارش سے سیکھو جو پھولوں کے ساتھ ساتھ کانٹوں پر بھی برستی ہے۔ (جارج واشنگٹن)

عانیہ نیازی......ربوہ

اس ماہ کا قطعہ

تھی یہ امن و سکون کا گہوارہ
کیوں لہو رنگ آج دھرتی ہے
ہر گلی اور محلے میں!
موت پھرتی ہے، رقص کرتی ہے

کلام: راؤ تہذیب حسین تہذیب
انتخاب: سپاس گل......رحیم یار خان

اس ماہ کی غزل

انہیں کیوں پھول دشمن عید میں پہنائے جاتے ہیں
وہ شاخِ گل کی صورت ناز سے بل کھائے جاتے ہیں
اگر ہم سے خوشی کے دن بھی وہ گھبرائے جاتے ہیں
تو کیا اب عید ملنے کو فرشتے آئے جاتے ہیں!
رقیبوں سے نہ ملئے عید اتنی گرمجوشی سے
تمہارے پھول سے رُخ پر پسینے آئے جاتے ہیں
وہ ہنس کر کہہ رہے ہیں مجھ سے سن کر غیر کے شکوے
یہ کب کب کے فسانے عید میں دہرائے جاتے ہیں
نہ چھیڑ اتنا انہیں اے وعدۂ شب کی پشیمانی
کہ اب تو عید ملنے پر بھی وہ شرمائے جاتے ہیں!
قمر افشاں چنی ہے رُخ پہ اس نے اس سلیقہ سے
ستارے آسماں سے دیکھنے کو آئے جاتے ہیں

شاعر: قمر جلالوی
انتخاب: شازیہ عمران......کراچی

اس ماہ کا لطیفہ

ذہنی امراض کے اسپتال سے ایک مریض کو رخصت کرتے وقت ڈاکٹر نے کہا:
''آپ ہمارے علاج سے صحت یاب ہو گئے امید ہے اب تو آپ آسانی سے ہمارا بل ادا کریں گے''۔
مریض نے شاہانہ انداز میں کہا:
''کیوں نہیں، کیوں نہیں اگر ہم نے تمہارا چند لاکھ کا بل ادا نہ کیا تو ہمیں شہنشاہِ اکبر کون کہے گا''۔

سیدہ امبر ہاشمی......کراچی

اس ماہ کی پسند

عید کارڈ

تجھ سے بچھڑ کر بھی زندہ تھا
مر مر کر یہ زہر پیا ہے
چپ رہنا آسان نہیں تھا
برسوں دل کا خوں کیا ہے
جو کچھ گزری جیسی گزری
تجھ کو کب الزام دیا ہے
اپنے حال پہ خود رویا ہوں
خود ہی اپنا چاک سیا ہے
کتنی جانکاہی سے میں نے
تجھ کو دل سے محو کیا ہے
سناٹے کی جھیل میں تو نے
پھر کیوں پتھر پھینک دیا ہے

شاعر: احمد فراز
انتخاب: نائلہ اسحاق......لاہور

اس ماہ دعا

میں اک دعا کروں
میں رب سے التجا کروں
تو خوش رہے
تو شاد رہے
تیرے دل کا آنگن آباد رہے
تو پھولوں کی مانند کھلا کرے
تو ہر پل یونہی ہنسا کرے
تیری آنکھ میں کبھی نمی نہ ہو
تجھے کسی چیز کی کمی نہ ہو
تجھے کبھی کوئی غم نہ ہو
تمہاری رَد کبھی دعا نہ ہو
تیرے لب پہ کوئی صدا نہ ہو
تجھے بن مانگے وہ عطا کرے
تیری معاف ہر اک خطا کرے، آمین

سیدہ امبر اختر......چندی پور

موت

جب گلاب کی پتیاں چپ چپاتے جھڑ جائیں
جب فضائے آسمانی میں ستاروں کے چراغ گل ہو جائیں
جب موجیں بلند و برہنہ چٹانوں پر یلغار کر دیں
اور جب شفق کی کرن بجھ کر بادلوں میں چھپ جائے
تو یہ موت ہے!
لیکن ایسی موت، جو ہمیں اپنے حسن سے رجھاتی اور راحت و آسودگی کے ہنگورے میں جھلاتی ہے
ایسی موت، جو فطرت کا عطیہ اور خیر و برکت کا سرچشمہ ہے
میں نے بارہا موت سے محبت کی، اور اسے میٹھے میٹھے ناموں سے پکارا۔ اس سے کھلے ڈلے اور ڈھکے چھپے چمٹا رہا
اور جب میں موت سے ہمکنار نہ ہو سکا، اس سے ایفائے عہد میں پورا نہ اتر سکا، تو پلٹ کر ایسی ہی محبت زندگی سے کرنے لگا
اس لئے کہ زندگی اور موت، میرے نزدیک حسن میں ایک دوسرے کے برابر، لذت میں ایک دوسرے سے مشابہ، اور میرے شوق و آرزو کے بڑھانے میں ایک دوسرے کی شریک ہیں۔

خلیل جبران کے افسانے سے ماخوذ
انتخاب: نادیہ ظفر......لاہور

..........☆☆☆☆☆..........

شائستہ زاہد

خوشبو

ارشادِ نبوی

بیماری یا تکلیف پر ثواب:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ ﷺ کو بخار آیا تھا۔ میں نے ہاتھ لگایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو سخت بخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں مجھ کو اتنا بخار آتا ہے جتنا تم میں سے دو کو آتا ہے''۔ میں نے کہا' آپ ﷺ کو دو اجر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کو تکلیف پہنچی' بیماری کی یا اور کچھ مگر اللہ تعالیٰ اس کے گناہ گرا دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتے گرا دیتا ہے''۔ (مسلم شریف)

رومانہ توقیر...... اسلام آباد

مہکتی خوشبو

☆ جس پر نصیحت عمل نہ کرے وہ جان لے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

☆ سب سے زیادہ عقلمند وہ شخص ہے جو اپنی بات کو اچھی طرح ثابت کر سکے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

☆ دنیا جس کے لیے قید ہے' قبر اس کے لیے آرام گاہ ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆ دنیا میں جو چیز سب سے کم ہے وہ سچائی اور امانت ہے اور جو چیز سب سے زیادہ ہے وہ جھوٹ اور خیانت ہے۔ (حضرت علیؓ)

☆ بھوکے کو کھانا کھلانا' حاجت مند کی حاجت روائی کرنا' دشمن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اچھے نفس کی زینت ہے۔ (خواجہ معین الدین چشتیؒ)

☆ جمہوریت ایک طرز حکومت ہے جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ (علامہ اقبالؒ)

مہذب قومیں انسانیت اور اخلاق کے لبادے کو تار تار کر کے حیوانیت میں تبدیل نہیں ہوا کرتیں۔ (قائداعظمؒ)

☆ جب انسان نیک ہو جاتا ہے تو اس کا ہر کام نیک ہو جاتا ہے۔ (حضرت داتا گنج بخشؒ)

☆ جو توقع تم دوسروں سے رکھتے ہو' پہلے خود اس کی تکمیل کرو۔ (حضرت حسن بصریؒ)

صنوبر خرم...... کمالیہ

لفظ بنے موتی

☆ اگر تم یہ چاہو کہ زمین و آسمان اور اس کے

رہنے والوں کو جان کر اللہ کو جانو تو راستہ بہت لمبا ہو جائے گا جس کا طے کرنا تم پر دشوار ہو جائے گا اس لئے نور یقین کو رہبر بناؤ تا کہ راستہ چھوٹا ہو جائے۔

☆ حاجت روائی کیلئے ''سورۃ فاتحہ'' کثرت سے پڑھنی چاہیے۔

☆ مومن کی معراج نماز ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔

☆ محبت میں محبت جائز ہے دھوکا نہیں۔

عقلمندی

بیگم شوہر سے:

''باورچی خانے سے پھول دار پلیٹ تو لے آئیں''۔

شوہر تھوڑی دیر بعد۔

''مجھے تو وہاں کوئی پھول دار پلیٹ نہیں ملی''۔

بیگم اطمینان سے۔

''مجھے معلوم تھا کہ آپ کو کوئی چیز نہیں ملتی اس لئے میں پہلے ہی اٹھا لائی تھی''۔

سیدہ امبر ہاشمی...... کراچی

ڈینگی مچھر

جن کی ٹھوکر میں ہے دنیا
اک مچھر سے ہار رہے ہیں
کل جو ڈینگیں مار رہے تھے
آج وہ ڈینگی مار رہے ہیں

کلام: راؤ تہذیب حسین تہذیب

انتخاب: سپاس گل......

نیکی بدی

نیکی تو ایک عمودی چٹان ہے جس پر چڑھنے کے لئے انتھک کوشش اور مضبوط ارادے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بدی ایسا ڈھلانی راستہ ہے جس پر با آسانی پھسلا جا سکتا ہے۔

فرزانہ شوکت...... کراچی

محبت

محبت کے معاملے میں سب یکساں طور پر ہیں۔

محبت ایک خزانہ ہے جسے خوش قسمت لوگ ہی پاتے ہیں۔ اکثر محبتیں اس لیے ضائع ہو جاتی ہیں کہ ہم اسے کسی غلط آدمی کو سونپ دیتے ہیں۔ محبت کے بہت سے رنگوں میں سب سے گہرا رنگ جدائی کا ہے جب تمہیں کسی سے محبت ہو جائے تو اسے خدا کے حوالے کر دو۔ اگر وہ تمہیں مل جائے تو اس کی پرستش کرو اور اگر نہ ملے تو سمجھو کہ وہ تمہارا تھا ہی نہیں۔

فرزانہ شوکت...... کراچی

پریشانی

ایک لڑکے نے بڑے بڑے بال رکھے ہوئے تھے جو اس پر جچتے بھی تھے۔ لڑکے کے باپ نے دو تین مرتبہ کہا بال چھوٹے کروالو مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ باپ نے بلاناغہ بال کٹوانے پر اصرار جاری رکھا۔ آخر ایک دن تنگ آ کر لڑکے نے کہا کیوں آپ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں' بال نہیں کٹواؤں گا۔ باپ نے غمزدہ لہجے میں کہا بیٹا بات یہ ہے کہ ہمارے گھر لوگ آتے ہیں لڑکی دیکھنے پسند تمہیں کر جاتے ہیں۔

سیدہ امبر اختر...... چندی پور

دوڑ

ملیر کالونی کراچی کی عدالت میں وکیل سید واجد حسین نقوی نے پوچھا۔ ''اچھا تو تمہارا کہنا ہے کہ تم نے چاندی کا کپ دوڑ میں جیتا ہے''۔

چور: ''جی ہاں''۔

وکیل سید واجد حسین نقوی: ''اس دوڑ میں تمہارے ساتھ کون کون تھا؟''

چور: ''بازار کے کچھ لوگ' چار پولیس والے اور دکاندار''۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی......کراچی

دوستی ایسا ناتا......!

دوستی ایک عظیم اور پاکیزہ رشتے کا نام ہے۔ دوستی دنیا کی دولت نہیں مانگتی بلکہ یہ خلوص' پیار' محبت اور اعتماد کی پیاسی ہوتی ہے۔ کائنات میں ہر کوئی یہ رشتہ نہیں بنا سکتا کیونکہ اس رشتے کے لئے دل کی پاکیزگی ضروری ہے۔ اگر تم کسی سے دوستی کرو تو اس کو اتنا پیار دو کہ وہ تمہاری دوستی پر فخر محسوس کرے۔ زندگی میں ہر انسان کو ایک اچھا دوست ضرور ملتا ہے' اب وہ اس کی قدر کرے یا پھر ٹھکرا دے یہ اس کی مرضی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہماری کسی سے اچانک ملاقات ہو جاتی ہے اور وہ ایک پل میں' ہمیں بہت اچھا لگتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کاش! یہ ہمارا دوست بن جائے۔ اگر وہ ہمارا دوست نہیں بنتا تو ہم کچھ ہی دنوں میں اسے بھول جاتے ہیں لیکن اگر وہ ہمارا دوست بن جاتا ہے اور کچھ ہی دنوں میں ہم یہ محسوس کریں کہ یہ تو میری دوستی کے قابل نہیں اور دوستی کا رشتہ ختم کر دیں تو پھر زندگی کی آخری سانس تک وہ دوست نہیں بھولتا کیونکہ جسے ہم اپنی دھڑکن میں بسا لیتے ہیں تو وہ پھر دھڑکن کے ساتھ ہی جدا ہو گا۔

میرے خیال میں دوست ایک آئینہ ہونا چاہیے' جس میں انسان بالکل ویسا ہی دکھائی دے جیسا وہ ہے۔

اے میرے دوست! اگر تم میری تحریر پڑھ رہے ہو تو وعدہ کرو کہ تم کبھی میرے ساتھ دوستی کا رشتہ نہیں توڑو گے اور ہمیشہ میرے دوست رہو گے کیونکہ زندگی میں انسان ایک ہی اچھا دوست بناتا ہے۔ بقول شاعر:

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

ایس امتیاز احمد......کراچی

غائب دماغ پروفیسر

ایک غائب دماغ پروفیسر سے اس کی بیوی نے کہا: ''آپ کو معلوم ہے کہ منے نے چلنا شروع کر دیا ہے''۔

پروفیسر: ''کب؟''

بیوی: ''آٹھ دن ہو گئے ہیں''۔

پروفیسر پریشان ہو کر: ''کمال ہے تم اب بتا رہی ہو' اسے ڈھونڈو وہ تو اب تک بہت دور نکل گیا ہو گا''۔

وجہ

دادی: ''تمہاری ٹیچر آ رہی ہیں تم چھپ جاؤ''۔

پوتا: ''پہلے آپ چھپ جائیں کیونکہ میں آپ کی وفات کی وجہ سے ہی 3 دن کی چھٹی پر ہوں''۔

راحیلہ سمیع......اسلام آباد

☆☆☆☆☆



عید کے دن

عید کے دن تم آ جاؤ
تو عید ہماری ہو جائے
دید تمہاری ہو جائے
عید کے کپڑے پہن کر
ہاتھوں میں حنا لگا رکھی ہے
عید کے دن تم آ جاؤ
چوڑیوں کی چھن چھن کہتی ہے
پائل بھی شور مچاتی ہے
عید کے دن تم آ جاؤ
تو عید ہماری ہو جائے
عید کے رنگ تو بکھرے ہیں
نگاہوں میں سمائے ہیں
من ہولے ہولے کہتا ہے
عید کے دن تم آ جاؤ
تو عید ہماری ہو جائے
دید تمہاری ہو جائے

نگہت اکرم

سیلاب

یہ قہر خدا نہیں تو اور کیا ہے؟
انسان بھٹک گیا ہے خدا کو بھول گیا ہے
یہ آفت جو آ رہی ہے یہ ہے آسمانی
ناممکن ہے ہر یہ حرکت انسانی
سیلاب یہ نہیں ہے قہر خدا کا
انسان سنبھل جا تو' توبہ کر خدا کا
گناہوں کا انبار اتنا سیلاب کی شکل میں
لپٹ رہا ہے ہر سو سانپ کی شکل میں
سکون انسانوں کا برباد ہو گیا ہے
گھروں سے نکال کر خود آباد ہو رہا ہے
پانی کا زور اتنا' ایک طاقت بن گیا ہے
آباد گھروں کو اپنے ساتھ لے گیا ہے
کس پریشانی میں گھر چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں
سامان جو جمع تھا یوں برباد کر رہے ہیں
اعلان ہو رہا ہے گھر فوراً چھوڑ دو تم
سیلاب پہنچ رہا ہے اور پناہ لو تم
گھر اب نہیں ہے کھانا کہاں سے کھائیں
پیاس لگ رہی صاف پانی کہاں سے لائیں

فرخ سلطانہ

غزل

یوں مجھے تیری صدا اپنی طرف کھینچتی ہے
جیسے خوشبو کو ہوا اپنی طرف کھینچتی ہے
یہ مجھے نیند میں چلنے کی جو بیماری ہے

مجھ کو اک خواب سرا اپنی طرف کھینچتی ہے
عشق تعویذ پہن کر بھی نہ مجھ سے نکلا
آج بھی اس کی دعا اپنی طرف کھینچتی ہے
مجھے دریا سے نہیں ہے کوئی لینا دینا
کیوں مجھے موج بلا اپنی طرف کھینچتی ہے
کھینچتی ہے مجھے رہ رہ کے محبت اس کی
جیسے فانی کو فنا اپنی طرف کھینچتی ہے
میں ہوں سورج ساروں رات کی جانب امتیاز
مجھ برہنہ کو قبا اپنی طرف کھینچتی ہے

ایس امتیاز احمد

آس

میں تو ہنسنا بھول چکی تھی
خواب اور سپنا بھول چکی تھی
خوشی کا مفہوم ہے کیا
میں خوش رہنا بھول چکی تھی
لوگوں کو ہنستا دیکھ کر
میں بس خالی آنکھوں سے تکتی تھی
دل جب دکھ سے بھر جاتا تھا
چپکے سے پھر رو لیتی تھی
ہاں بس اتنا یاد ہے مجھ کو
تیری آس پہ میں زندہ تھی

سحر انجم

غزل

ماضی کے فسانوں کو بھلاؤں تو کس طرح
اپنی وفا کی جوت بجھاؤں تو کس طرح
تیرا قصہ وفا تو میں نے سن ہی لیا
اپنی حدیث درد سناؤں تو کس طرح
محبت کے دشمنوں نے کر دیا اسے ناراض
اس جانِ تمنا کو مناؤں تو کس طرح
مجھے بے کار سمجھ کر جو تو نے پھینک دیا
اب اس میں تمہارا ساتھ نبھاؤں تو کس طرح
غصے میں ہی سہی لیکن تو نے جو کہا تھا
اس جملے کی بازگشت کو بھلاؤں تو کس طرح
کر لیا ہے تم سے وعدہ ساتھ نبھانے کا
لیکن "غزل" اس دل کو سمجھاؤں تو کس طرح

غزالہ ناصر

غزل

تم بھولے ہو کبھی یاد کر کے ضرور دیکھنا
تمہارے کتنے قریب ہوں کبھی ڈھونڈ کر دیکھنا
گھر دور تھے لیکن تجھے خوشیوں میں شریک
کبھی فرصت ملے تو اس دل سے پوچھ کر دیکھنا
مخلصوں میں بھی اک مخلص ہم بھی شامل تھے
کبھی ماضی کے دریچوں کو کھول کر دیکھنا

سیدہ امبر اختر

اسے روک لو......

ابھی کچھ ساعتیں ہیں باقی
ابھی کچھ لمحے ہیں
رات کی ہتھیلی پر
اگر وہ چلا گیا تو
زندگی گہرے نیلے پانیوں میں
ڈوب جائے گی

چاند روٹھ جائے گا
چاندنی مر جائے گی
ابھی کچھ لمحے ہیں
زندگی کی دسترس میں
اسے روک لو......

روحان دانش

غزل

آج کی رات بھی گزری ہے میری کل کی طرح
ہاتھ آئے نہ ستارے تیرے آنچل کی طرح
رات بھی جلتی ہوئی اک چتا ہے جس پر
میری یادیں ہیں سلگتی ہوئی صندل کی طرح
تو اک دریا ہے مگر میری طرح پیاسا ہے
میں تیرے پاس چلا آؤں گا بادل کی طرح
میں ہوں اک خواب مگر جاگتی آنکھوں کا سارہ
آج بھی لوگ گنوا دیں نہ مجھے کل کی طرح

سارہ خان

سب آوازیں میری ہیں

کیوں مجھ کو تم لکھتے ہو
میری خاطر جگتے ہو
مدھر مدھر دھنوں میں
خواب میرے ہی بنتے ہو
خلوت میں تم سجتے ہو
ظریف احسن سے ملتے ہو
گیت سریلے لکھتے ہو
بانسری ہو یا شہنائی
ہونٹوں سے آ لگتے ہو
ڈھاکہ ہو یا مظفر گڑھ
ہر جا ہر پل تو ہی تو
دشت و دریا، بن میں تو
سالوں میں تم بستے ہو
بنگال کا جادو تجھ میں ہے
پنجاب کی سرسوں تجھ میں ہے
مشرق و مغرب کی خوشبو
بوڑھی گنگا، چناب میں تو
سارے گا ما پا دانی
دونوں دریا کی موجیں
میرے گیت ہی لکھتے ہو
سات سروں میں بجتے ہو
سا سا سا سا، سا رے گا
پا دانی سا، سا رے گا
سننے والے کہتے ہیں
سب آوازیں میری ہیں
یاد سفر کی دنیا میں
پڑھنے والے کہتے ہیں
ظریف احسن کو لکھتے ہو
ظریف احسن سے سجتے ہو

ظریف احسن

غزل

اشک آنکھوں میں اپنی چھپائے ہوئے
آج گزرے تھے وہ سر جھکائے ہوئے
اپنی منزل کی جانب ہوں محو سفر
بوجھ کاندھوں پہ اپنا اٹھائے ہوئے

آج برسے گی بارش بہت ٹوٹ کر
غم کے بادل ہیں پلکوں پر چھائے ہوئے
نیند سے مت جگا قبر میں اے خدا!
تیری دنیا کے ہیں ہم ستائے ہوئے
ہم سے پوچھو محبت کا مفہوم تم!
زخم دل پر ہم اپنے ہیں کھائے ہوئے
لڑ رہے ہیں ازل سے اندھیروں کے ساتھ
آندھیوں میں دیا ہم جلائے ہوئے
چھیڑ دے پھر غزل اے سراپا سخن
آج محفل میں وہ بھی ہیں آئے ہوئے

حکیم خان حکیم

تیرے نام

ذرا سی بات پہ یہ آنکھ نم نہ ہو
حوصلہ دلوں کا کبھی کم نہ ہو
ہر دم زندگی کی راہوں میں مسکراؤ
تیری زیست پہ کبھی سایہ غم نہ ہو
تو چلے تو کامیابی تیرے ساتھ ساتھ رہے
کہیں بھی نا امیدی تیرے ہم قدم نہ ہو

فرزانہ شوکت

غزل

ہوتی نہیں جو پاس تمہاری یاد تو مر جاتے
مۓ خانہ نہ ہوتا شہر میں تو کدھر جاتے
ہوتے نہ جو یہ لب گلابی گلابی
تو چھلکتے ہوئے پیمانے کدھر جاتے
ہوتے نہ جو گل کے سنگ کانٹے
تو کہیئے بے چارے گل کدھر جاتے

آتا نہیں دل کو بھی سکون ہمارے
میخانے میں بیٹھ کے جو جام نہ اٹھاتے
کھیلا ہے اس نے ایسے دل سے ہمارے
ہوتے جو ہم کانچ کبھی کے بکھر جاتے
سمندر میں اٹھتی ہیں عامر لہریں تو بہت
مگر لہروں سے گلے ملنے اب ساحل نہیں آتے

عامر عزیز (ڈیش مکھ)

غزل

بھرے زمانے میں کون اپنا دکھائی دیتا ہے
جو سو کے اٹھوں تو خواب جھوٹا دکھائی دیتا ہے
اے چارہ گر دیکھ کر نگاہیں کیوں پھیر لی ہیں
یہ زخم دل ہے جو تم کو بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے
میں جب بھی سوچوں ہوں طور کے باب میں کبھی تو
کسی کے جلوے کا ایک تماشا دکھائی دیتی ہو
یہ وہ ہے جس سے تمہاری شہرت ہے چار سمت
جو کہ کہوں آج تم کو رسوا دکھائی دیتی ہو
ہر ایک لب پر سکوت طاری ہے انتا مت پوچھ
دھواں سا کیوں بستیوں سے اٹھتا دکھائی دیتا ہے
کوئی جو دیکھے بھی ہاتھ میرا یہی کہتا ہے
کہ آرزوؤں کا خون ہوتا دکھائی دیتا ہے
وہ جس کی خاطر ہوئی ہے تخلیق یہ دنیا
مجھے تو جنت بھی گھر اُن کا ہی دکھائی دیتا ہے
اٹھا کے نظریں میں جب بھی واجد دیکھتا ہوں
ہر ایک چہرے میں ان کا چہرہ دکھائی دیتا ہے

پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی

............☆☆☆............

صالحہ محمود

عانیہ نیازی .... ربوہ

صالحہ آپی! السلام وعلیکم۔ آپی اور ردا کے تمام اسٹاف کو عیدالاضحیٰ کی ڈھیروں مبارکباد۔ اس عید پر میری دعا ہے کہ ہمارے ملک میں امن وامان کی فضا قائم ہو جائے اور ایثار اور قربانی کا جذبہ تمام سال قائم رہے۔ ردا کیلئے بہت زیادہ دعا گو ہوں کہ یہ مزید ترقی کی منزلیں طے کرے۔ اکتوبر کا عید نمبر 2 تو بالکل چمکتا ہوا چاند لگ رہا تھا۔ ٹائٹل بہت زیادہ اٹریکٹو لگا۔ ماڈل رباب کا دلکش اسٹائل اس پر روز بیوٹی پارلر کے میک اپ نے ٹائٹل کو بہت ہی خوبصورت رنگ دے دیا۔ اندر کا منظر تو اس سے بھی زیادہ پرکشش تھا۔ ملاقات میں سیدہ امبر ہاشمی کو دیکھ کر بہت ہی خوشی ہوئی' ان کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا موقع ملا' پہلے تو ہم ان کی صرف اسٹوریز ہی پڑھا کرتے تھے اب ملاقات بھی ہوگئی اور ساتھ ہی گوشہ قارئین میں نائلہ طارق کے بارے میں جاننے کا موقع ملا۔ اکتوبر میں ان کی برتھ ڈے کا پتہ چلا تو سوچا کہ ان کو وش بھی کر دیں۔ نائلہ آپ کو سالگرہ بہت ہی مبارک ہو اور اللہ آپ کے قلم میں اور خوبصورتی پیدا کرے (آمین)

عید نمبر 2 کی ساری ہی اسٹوریز بہت خوبصورت اور رائٹرز کی انتھک محنت کا نتیجہ نظر آئیں۔ نئی رائٹرز کی بھی عید کے حوالے سے تحریر اچھی لگیں۔ کافی عرصے کے بعد قمروش شہک کا افسانہ پڑھنے کو ملا' ویلکم قمروش شہک۔ شاہین سجاد کا مکمل ناول اچھا تھا۔ سلسلے وار ناول سارے ہی زبردست جا رہے ہیں۔ شازیہ مصطفیٰ کا سلسلے وار ناول کی تو بات ہی الگ ہے۔ شہران اور لیل ماہ کے کریکٹرز بہت ہی اچھے لگ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سباس گل' نائلہ طارق کے سلسلے وار ناول بھی خوب چل رہے ہیں۔ انعم خان کا مکمل ناول کافی عمدگی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ مستبشرہ اور ماہی کی اسٹوری مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے' آگے دیکھتے ہیں کہ آخر ماہی اور مستبشرہ کے ساتھ ہوا کیا تھا؟ مستقل سلسلے سب ہی اپنی جگہ رنگ بکھیرتے نظر آئے۔ ردا کی ڈائری میں ناصر کاظمی کی غزل' ذرا پھر سے کہنا میں فرزانہ شوکت کی نظم ''یاد نہ آؤں'' سعدیہ عابد کی غزل' ایس امتیاز کی نظم ''بند آنکھیں'' اچھی لگیں۔ آپی! آپ کے نئے ناول کا بے صبری سے انتظار ہے۔ ردا کیلئے ہمیشہ سے دعا گو ہوں۔

سحر انجم .... کراچی

صالحہ آپی! السلام وعلیکم۔ آپ کو اور تمام اسٹاف ممبران کو اور ان تمام پڑھنے اور ردا میں لکھنے والوں کو میری طرف سے بہت بہت عید مبارک' خدا کرے آپ سب لوگ خیریت سے ہوں۔ ردا کا عید نمبر پڑھ

کر دل خوش ہو گیا۔ عید سروے' شازیہ مصطفیٰ کا مکمل ناول' سباس گل اور نائلہ طارق کے سلسلے وار ناول' ایمان علی کا ناولٹ اور لبنیٰ نذیر کا افسانہ اور انعم خان کا مکمل ناول ''اس دل میں بسے ہو تم'' پڑھ کر عید کا مزہ آ گیا اور میں ان تمام پڑھنے والوں کی مشکور ہوں جنہوں نے میری نظم ''یہ چپ بھی کتنا بولتی ہے'' کی تعریف کی۔ ذرا پھر سے کہنا میں سباس گل کی نظم ''درد'' فرزانہ شوکت کی نظم ''نقش'' سلمیٰ غزل کی غزل اور ایس امتیاز احمد کی نظم پسند آئی۔ عید کے اشعار بھی اچھے تھے۔ ردا کی ڈائری میں چاند چہرہ اور خالد معین کی نظم اچھی لگی۔ آپ اور آپ کا ردا یونہی کامیابی کی منزلیں طے کرتا ہے' اللہ نگہبان۔

خالدہ حسین .... سکھر

اکتوبر کا شمارہ تو رنگوں سے بھرا ہوا میرے ہاتھ میں جھلملا رہا ہے' شمارے کو پڑھتے ہی میں نے فوراً قلم سنبھالا' کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر خط لکھنے بیٹھ گئی کہ جلدی سے پوسٹ کر دوں' کیا کروں ہمیشہ ڈر لگا رہتا ہے کہ پتہ نہیں ٹائم پر پہنچے گا بھی یا نہیں؟ بہر حال امید کا دامن کبھی چھوڑنا نہیں چاہیے۔ مجھے رباب کے ہاتھوں کے کڑے بہت ہی سندر سے لگے۔ کیا کریں آپی! ماڈل کو دیکھ کر ہی ہم ڈریسنگ اور جیولری کا انتخاب کرتے ہیں۔ آپ سمجھی ہوں گی کہ ہم اس لیے ردا خریدتے ہیں' نہیں بھئی جب تک ردا کی کہانیاں نہیں پڑھ لیں سلسلے وار تو ہمارا مہینہ ہی نہیں گزرتا۔ بس جستجو رہتی ہے کہ آگے کیا ہو گا؟ شازیہ جی کی اسٹوری کے کیریکٹر اتنے اچھے ہیں اور کہانی نام کی طرح پر کشش ہے تو بس جلدی ہی پڑھنے کا دل چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ باقی ساری ہی رائٹرز اچھا لکھ رہی ہیں۔ سب کا اپنا ایک انداز ہے۔ عید کے حوالے سے ناول' ناولٹ اور افسانے عمدہ تھے۔ پرانی رائٹرز بھی اس بار شامل ہوئیں۔ اس لئے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ اس ماہ میں اور خوشبو اچھے لگے۔ ملاقات میں سیدہ امبر ہاشمی اور گوشہ قارئین میں نائلہ طارق سے مل کر بہت اچھا لگا۔ گوشہ آگہی میں آپی سے ملاقات بہت اچھی لگتی ہے۔ ردائے جنت تو بہت ہی اہم کالم ہے ردا کا۔ جس سے ہماری معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔ ''باتیں صحت کی'' بہت ہی معلومات صحت کے حوالے سے اہم سلسلہ ہے اسے جاری رکھئے گا۔

ارم ناز .... سکھر

ڈیئر سو سوئٹ آپی السلام وعلیکم! آپی کیسی ہیں آپ؟ آپی یہ میرا پوری زندگی میں پہلا خط ہے۔ ردا میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ ستمبر کا ٹائٹل کچھ خاص نہیں لگا' سب کہانیاں اچھی تھیں مگر ''اعتبار عشق'' بہت زبردست چل رہی ہے۔ اور ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' بہت سلو چل رہی ہے' پلیز شازیہ مصطفیٰ جی! تھوڑا جلدی چلائیں۔ آپی! میں ایک غزل بھیج رہی ہوں پلیز اسے ردا میں شامل کر کے میری حوصلہ افزائی کریں اور میں ایک کہانی بھیجنا چاہتی ہوں آپ یہ بتا دیں کہ کہانی لکھنے کے اصول کیا ہیں' پلیز میرا خط ضرور شامل کیجیے گا پلیز۔

گل ثمرین .... پشاور

آپی! اکتوبر کے ردا کی کیا بات تھی۔ ٹائٹل سے لے کر اندر سنگھار تک دھنک رنگ جھلملا رہے تھے۔ آپ سے تو میرا رشتہ بہت پرانا ہے۔ ''کچی کلیاں آنگن کی'' نے تو مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ اب مجھے تو

''تم میرے ہو کے رہو'' کا بے صبری سے انتظار ہے کب ختم کریں گی میرا انتظار آپی؟ پلیز جلدی سے لے آیئے ناں۔ شازیہ مصطفیٰ' سباس گل' نائلہ طارق ان کے سلسلے وار ناول اچھے چل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ناولٹ' افسانہ' مکمل ناول عید کے حوالے سے بہترین اسٹوریز کا سلیکشن تھا۔ انعم خان کی کہانی اچھی چل رہی ہے۔ سیدہ امبر ہاشمی کا افسانہ ''عید میں ملن'' حقیقت پر مبنی کہانی تھی جسے اچھے انداز میں پیش کیا گیا۔ شاہین سجاد' نایاب حسین' روشنی فاطمہ' حمیرا علی' قمروش شہک' نازیہ خان اور ساجدہ بتول کی تحریریں اچھی کاوش تھیں۔ کچن اور ردا کی ڈائری اچھی لگی۔ ملاقات کا کالم بہت اچھا جا رہا ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں رائٹرز کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے اور سب سے اچھا تو مجھے گوشہ قارئین لگا کہ اس میں کوئی بھی قاری شمولیت اختیار کر سکتی ہیں۔ یہ سلسلہ پلیز جاری رکھئے گا۔

شاہدہ وقار .... اسلام آباد

ردا کے پورے اسٹاف کو میری طرف سے سلام اور بڑی عید کی خوشیاں مبارک۔ پلیز آپی! میرا یہ خط ضرور شامل کیجیے گا کہ آگے بھی لکھنے کا حوصلہ پیدا ہو۔ سباس جی! آپ نے کنول کی ممی کو بلا کر بے چاری عینی پر تو ظلم ہی کر دیا۔ عینی کے پیر جلے تو ہم دہل گئے کہ آگے نا جانے کیا ہو گا؟ اسٹوری بہت اچھی جا رہی ہے۔ سباس جی! بس اختتام اچھا کیجیے گا۔ نئے رائٹرز کی کہانیاں اچھی تھیں۔ شازیہ جی اور نائلہ طارق کے سلسلے وار ناول نہایت عمدگی سے بڑھ رہے ہیں۔ انعم خان! ہمیں تو فلک کی فکر ہو رہی ہے اور ماہی تو کہانی کی جان بنتی جا رہی ہے۔ مجھے ماہی کا کیریکٹر بہت پسند ہے۔ نایاب حسین کا مکمل ناول اچھا تھا۔ حمیرا علی کا ناولٹ اچھی تحریر تھی۔ روشنی فاطمہ کا ناولٹ حقیقت سے قریب تر تھا۔ اگر ساس اچھی ہو تو گھر کے مسائل کو کافی حد تک سلجھایا جا سکتا ہے کیونکہ سدھرنے کا ایک موقع تو ملنا ہی چاہیے۔ آخر میں دعا نے اپنی غلطیاں تسلیم کر لیں' زبردست روشنی فاطمہ۔ باقی رائٹرز کی تحریریں بھی اچھی تھیں۔ مکمل تبصرے کے ساتھ آئندہ حاضر ہوں گی' ردا کی ترقی کیلئے ڈھیروں دعائیں۔

حنا مقبول .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام وعلیکم! آداب عرض۔ آپی! میں خیریت سے ہوں اور آپ سب کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ردا کی تمام ٹیم کو ہر قدم پر کامیاب کرے اور ردا کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین۔

آپی! میں ردا سے اجازت لینا چاہتی ہوں کہ کیا میں ردا کیلئے سلسلے وار ناول لکھنا شروع کروں البتہ میں 3-2 اقساط لکھ چکی ہوں لیکن آپ کی نظر کرم کی طلب گار ہوں۔ آپی! پلیز مجھے بتا دیجیے کہ کیا میرا ناولٹ قابل اشاعت ہے اور اگر ہے تو کب تک شائع ہو جائے گا۔ آپی! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں ردا کیلئے اچھا اور اچھے سے اچھا لکھنے کی بھرپور کوشش کروں گی۔ کیا میں حقیر سی بندی ردا کی ادنیٰ سی لکھاری بن سکتی ہوں۔ پلیز مجھے موقع ضرور دیجیے گا' میں آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی سرتوڑ کوشش کروں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائے' آمین۔

افشاں علی .... کراچی

چاہتوں بھرے دل کی گہرائیوں سے محبت بھرا

سلام۔ السلام وعلیکم سویٹ آپی۔ امید ہے ردا کی پوری ٹیم' تمام سویٹ رائٹرز اور قارئین ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ عید نمبر نے تو آپی دھوم ہی مچادی۔ دلوں پر چھا گیا۔ اُف...... ٹائٹل بہت منفرد اور دلوں کو چھو لینے والا تھا۔ ڈریس' جیولری' میک اپ سب ٹپ ٹاپ تھا۔ عید سروے پڑھ کر تو دل کی عید عید ہوگئی۔ ردا کی ڈائری میں آپ کی نظم ''چاند چہرہ'' بہت پسند آئی اور اس سے بھی ڈبل مجھے سویٹ سی آپی کا سویٹ سا انٹرویو بہت بہت ہی زیادہ اچھا لگا۔ آپی! آپ سب اور ردا کا پورا اسٹاف اتنی محنت قارئین کیلئے ہی کرتے ہیں اس لئے ہمارا بھی فرض ہے کہ بطور سندیسے اس محنت کو سراہیں۔ عید نمبر میں ہر کہانی پرفیکٹ اور بیسٹ تھی۔ ''عید کے رنگ اپنوں کے سنگ'' والی بات ہوگئی اس بار۔ شازیہ جی اور ایمان علی سے مل کر بہت اچھا لگا۔ ایسا لگا کہ فیس ٹو فیس نٹ کھٹ اور سویٹ سی ایمان علی سے گپ شپ ہو رہی ہو (ہاہاہا۔ السلام وعلیکم ڈیئر ایمان۔ امید ہے آپ اور آپ کی فیملی ٹھیک ہوں گی' آپ سے ملاقات میں بہت مزہ آیا بچی) سانس سڑک اور سکوت' اس دل میں بسے ہو تم اور کبھی عشق ہو تو پتہ چلے سب دل کو چھوتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ملے۔ اور اعتبار عشق تو میرا موسٹ فیورٹ سلسلے وار ناول ہے۔ ابھی تو اور بھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے پر یہ کیا ہمیں تو اکتوبر کا شمارہ بھی مل گیا۔ اف' اس بار افشاں کافی لیٹ ہوگئی نا؟ پر مجھے پتہ ہے میری سویٹ سی آپی مجھے سندیسے میں ضرور جگہ دیں گی۔ اکتوبر کا ٹائٹل بس سوسو لگا' کچھ خاص نہیں۔ آپی! اکتوبر کے شمارے کو ابھی امرس کی طرح گھول کر پینا باقی ہے۔ بس ابھی تک سیدہ امبر ہاشمی اور نائلہ جی سے ملاقات ہی ہوئی ہے۔ اچھو لی کیا ہے نہ آپی! مجھے رائٹرز سے ملنے کا' انہیں جاننے کا اتنا ہی شوق اور جنون ہے جتنا ان کی لکھی ہوئی تحریریں پڑھنے کا۔ اس لئے اس بار بھی آپ دونوں سے مل کر کافی اچھا لگا۔ امید واثق ہے کہ اس بار کا شمارہ ہر لحاظ سے بیسٹ اینڈ بیسٹ ہی ہوگا۔

آپی! میں نے آپ کو ایک اسٹوری بھیجی تھی ''سمندر میں چھپا موتی'' کیا وہ ردا کے معیار پر پوری نہیں اتری جو آپ نے شائع نہیں کی۔ پلیز آپ میرے سندیسے کو شامل کیجیے گا اور گوشہ چشم میں جواب بھی ضرور دیجیے گا۔ پلیز آپی میرے سندیسے کو نومبر کے شمارے میں ضرور ضرور اور ضرور جگہ دیجیے گا۔

آخر میں سویٹ سی صالحہ آپی' ردا کے تمام اسٹاف' قارئین اور رائٹرز سب کو افشاں علی کی طرف سے عید قربان بہت بہت مبارک ہو۔

سمیرا غزل .... کراچی

ڈیئر آپی السلام وعلیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی' اکتوبر کا ردا پڑھا ماشاء اللہ بہت اچھا لگا مگر اپنی غزل اور تحریر نہ دیکھ کر بہت ہی دکھ ہوا۔ آپی میں 1/5 سال سے لکھ رہی ہوں ردا میں مگر پڑھائی اور جاب کی وجہ سے چند ماہ غیر حاضر رہی مگر جب وقت نکال کے کچھ لکھا تو وہ شائع بھی نہیں ہوا۔ آپی آپ کو میرے خطوط ملتے تو ہیں ناں......؟ پلیز کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو درگزر فرما کر اصلاح کیجیے' میں لکھنا نہیں چھوڑنا چاہتی۔ امید ہے اس دفعہ مایوس نہیں کریں گی۔ آخر میں ردا کیلئے' آپ کیلئے' پاکستان کیلئے ڈھیروں دعائیں' اللہ ہم سب کو کامیاب کرے' آمین۔

نوشی .... وہاڑی

السلام وعلیکم ڈیئر آپی! کیسی ہیں آپ؟ میں تو بالکل فٹ فاٹ' پوچھیں کیسے...... بھئی ردا پڑھ کے۔ آپی اب آپ ایک اور ناول لکھ ہی ڈالیں اور اگر لکھنے کا ارادہ ہو تو پلیز آپی! اسٹوری میں ہیرو کا نام ''شاہ ویز شاہ'' ضرور رکھئے گا۔ مجھے یہ نام بہت پسند ہے۔ آپی! میں نے دو تین ماہ پہلے اتنی ساری شاعری بھیجی تھی پر آپ نے کسی ماہ میں بھی شائع نہیں کی یا پھر پسند نہیں آئی۔ چلیں کوئی بات نہیں' میں اور کافی ساری شاعری بھیج رہی ہوں پلیز ضرور شائع کیجیے گا۔ اب بات کرتی ہوں اکتوبر کے ''ردا'' کی۔ تو ٹائٹل بہت اچھا تھا۔ ردا کا ٹائٹل تو ہر بار ہی مزے کا ہوتا ہے۔ ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' ویسے اللہ نہ کرے کہ ہم پر یہ عشق وشق کا وقت آئے' ویسے بھی آپی! میں تو شازیہ آپی کے ناول کی بات کر رہی ہوں...... ہاہاہا۔ بہت اچھا ناول جا رہا ہے۔ اور سباس گل کا ناول ''اعتبارِ عشق'' واہ آپی! کیا ناول ہے۔ بہت بہت زبردست جا رہا ہے ناول۔ ارے ہاں آپی! ایک اور بات یاد آئی مجھے کہ ''ردا'' میں ایک ''دریال خان'' تھیں۔ میں نے ان کا ایک مکمل ناول پڑھا تھا جس کا نام تھا ''اعتبار کا موسم'' میرے خیال سے یہ ناول تین یا چار سال پہلے آیا تھا ردا میں۔ دوبارہ میں نے کوئی ناول نہیں پڑھا اس رائٹر کا یا پھر آیا ہی نہیں۔ چلو کوئی بات نہیں' میں بھی کیا چار سال پرانی بات لے کر بیٹھ گئی ہوں۔ شاہین سجاد اور نایاب حسین کے مکمل ناول بھی اچھے تھے۔ انعم خان ''اس دل میں بسے ہو تم'' ناول کا نام تو اچھا ہے ہی' بٹ ناول بہت اچھا ہے۔ میں جب بھی ناول پڑھتی ہوں تو مجھے ایسے لگتا ہے کہ جیسے میری خود کی ساری فرینڈز کسی دن مجھ سے ایسے ہی ملیں گی۔ نازی! ڈیئر مس یو۔ دوستی چیز نہیں' رشتہ ہی ایسا ہے۔ پہلے اسکول' پھر کالج اور پھر پتہ نہیں آگے ملیں نہ ملیں' اتنی اچھی دوستیں' ہے ناں آپی...... اور آپی میں نے ایک دفعہ پہلے بھی پوچھا تھا کہ آپ کا ناول ''کچی کلیاں آنگن کی'' کہاں سے ملے گا' وہاڑی سے تو مجھے کہیں سے بھی نہیں ملا' پلیز ضرور بتایئے گا۔ ٹھیک ہے آپی! اب اجازت چاہوں گی' اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گی آپ کی ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ۔ ہمیشہ خوش رہیں اور ہمارے لئے ہر ماہ ردا شائع کرتی رہیں۔ آپی میں شاعری بھیج رہی ہوں پلیز ضرور شائع کیجیے گا' اللہ حافظ۔

عفیفہ مریم .... وہاڑی

پیاری پیاری صالحہ آپی! آپ' آپ کے اسٹاف' لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو میری طرف سے ڈھیر سارا سلام' خیریت! صالحہ آپی! ہم نے سوچا کیوں نہ ہم بھی سندیسے میں شرکت کریں۔ بھلا ہمت کیسے ہوئی سندیسے میں شرکت کرنے کی؟ ارے آپی! اگست کے شمارے میں آپ سے ملاقات کر کے اور کیسے؟ پہلے تو یقین نہیں تھا کہ شاید جگہ ملے یا نہ مگر آپ سے مل کر دل کو تسلی ہوئی تو سب سے پہلے غزل بھیجی جسے آپ نے جگہ دی' شکریہ۔ جیو صالحہ آپی' بچی مچی خوش کر دیا آپ نے' شکریہ۔

میں ردا کی تین سال پرانی قاری ہوں۔ مجھے ردا سے میری کالج کی فرینڈ نے متعارف کروایا۔ مجھے جن ناولز نے ردا کا شیدائی بنایا وہ تھے ''پلکوں پہ چمکتے آنسو'' اور ''تیرا ہونے لگا ہوں''۔ بس پھر اس

کے بعد کوئی شمارہ نہیں چھوڑا۔ آپ کا ناول ''تم میرے ہو کے رہو'' کی تو بات ہی کیا ہے۔ صالحہ آپی! اس کی تعریف کے لیے تو میرے پاس الفاظ کی کمی ہے' ویل ڈن آپی! ردا کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں۔ گوشہ آگہی سے لے کر ردائے جنت تک کوئی سلسلہ ایسا نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جاسکے۔ ردائے جنت کی تو بات ہی کیا ہے۔ سچ صالحہ آپی! ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ اکتوبر کا شمارہ ملا' سادہ سی ماڈل رباب دل کو چھو گئی۔ گوشہ آگہی سے ہو کر ردائے جنت تک پہنچی تو ردائے جنت نے تو صالحہ آپی اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کر دیا۔ سیدہ امبر ہاشمی سے مل کر خوشی ہوئی۔ سلسلے وار ناول سبھی اچھے جا رہے ہیں۔ انعم جی ''اس دل میں بسے ہو تم'' کا جلدی سے اینڈ کر دیں پلیز! مکمل ناول' ناولٹ' افسانے بھی اچھے تھے' کسی ایک کی تعریف کرنا ناممکن ہے۔ ردا کی ڈائری تک پہنچے تو محسن نقوی کی نظم ''تم آ جاؤ'' بہت اچھی لگی۔ گوشہ قارئین میں نائلہ جی سے مل کر بہت اچھا لگا۔ ذرا پھر سے کہنا میں اپنی غزل دیکھ کر مت پوچھیں کتنی خوشی ہوئی کہ میں بھی ردا کا حصہ بن گئی۔ خوشی خوشی سب کو بتایا' سب نے مبارکباد دی اور ٹریٹ مانگی۔ مگر میں بھی ڈھیٹ ہوں نہیں دی۔ سوچا پہلے آپی کو شکریہ بول دوں پھر...... اب اجازت چاہوں گی' دعاؤں میں یاد رکھئے گا' اللہ حافظ۔

عبیرہ عزیز .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! امید واثق ہے کہ مزاج مبارک ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ اس دفعہ عید نمبر 2 بس ٹھیک ہی لگا۔ سب سے پہلے میرے خیال میں بات کر لی جائے ''کبھی عشق ہو تو پتہ چلے'' میں اریشماء کی کھنچائی جو حمدان نے کروائی' بہت ہی دلچسپ تھی۔ دوسری جانب ہم شہران کی شدت پسندی سے لرز ہی تو گئے اور ذیشان کی بے بسی پڑھ کے دل مسوس کے رہ گئے۔ اس سے آگے بڑھے اور اعتبار عشق میں عینی کے کردار کی دھجیاں اڑتی دیکھیں' دل تو کر رہا تھا کنول اور اس کی ماں کی حرکتوں پر ان دونوں کا منہ نوچ لوں لیکن فی الحال یہ ناممکن تھا اس لئے مزید آگے بڑھے تو ''نائلہ طارق'' صاحبہ سے ٹکرا گئے۔ ان سے ملاقات کے بعد معلوم ہوا کہ سدرہ وشمس میں جو بدگمانی پیدا ہوئی تھی وہ تقریباً دور ہو گئی۔ ''سدرہ جی میری بات سنیں' شمس صاحب نے بھی تو اتنے دکھ جھیلے ہیں' سو ان کا چڑچڑا اور غصیلا ہونا تو فطری عمل ہے۔ جن باتوں پر آپ نالاں ہیں وہ آرام سے بیٹھ کر بھی کی جاسکتی ہیں'' اور شاہ رخ کی حرکت پر دل کھول کر رہ گیا۔ پھر ہم ''انعم خان صاحبہ'' کے پاس جا کر رکے۔ پتا لگا کہ سب دوستیں گھر پہنچ گئیں لیکن سب نئی ان دیکھی منزلوں کے راستے پر گامزن ہو رہی ہیں۔ خیر اس کے بعد ناولٹ اور افسانے پڑھے لیکن ان میں سے صرف ''عید پر بہار'' اچھا لگا۔ ذرا پھر سے کہنا میں سید بشارت شاہ اور ایس امتیاز احمد نے تو محفل ہی لوٹ لی۔

صالحہ جی! ہم اس سال ہی ایف ایس سی کے اسٹوڈنٹ ہوئے ہیں اس لئے مشکل سے وقت نکال کے لکھتے ہیں۔ میں اپنی کچھ تحاریر بھیج رہی ہوں امید ہے وہ جلد ہی رسالے کی زینت بن جائیں گی۔

☆☆☆

صالحہ محمود

گوشہ چشم

عانیہ نیازی .... ربوہ

سوئٹ عانیہ نیازی! آپ کی محبتوں کا بے حد شکریہ۔ آپ کا تبصرہ ہمیشہ سے ہی بہت اچھا ہوتا ہے۔ میرا ناول جلد ہی آنے والا ہے۔ نئی رائٹرز کی تحاریر آپ کو پسند آئی ہیں جن سے انہیں مزید اچھا لکھنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ ردا گائیڈ کارنر تو نئے لکھنے والوں کیلئے ہی ہے۔ آپ کی رائے کے اظہار کا بہت شکریہ۔ اس عید بھی ردا کی کوشش رہی ہے کہ بہتر سے بہتر تحریروں کو شامل اشاعت کرے۔ ہماری بھی دعا ہے کہ پورے ملک میں امن کی فضا قائم ہو جائے' عیدالاضحیٰ ہم دل سے منائیں۔ ٹائٹل کے بارے میں جس طرح سے آپ نے تعریفی کلمات کہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بہت خوش مزاج شخصیت کی حامل ہیں۔ آپ کا انداز بہت ہی خوبصورت تھا' ویسے بھی آپ خود بھی بہت سوئٹ ہیں اور ردا کے چاہنے والوں میں سرفہرست ہیں۔

سحر انجم .... کراچی

پیاری سحر انجم! آپ کو بھی عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ عید نمبر کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ شمارے آپ کو یقیناً مل گئے ہوں گے۔ آپ ردا سے یونہی منسلک رہیے اور اپنا بہت خیال رکھئے۔

خالدہ حسین .... سکھر

پیاری خالدہ حسین! آپ کا انداز بیاں بہت ہی خوبصورت ہے۔ بالکل آپ امید کا دامن نہیں چھوڑیئے۔ آپ کا خط ہمیں موصول ہو گیا ہے اور شامل بھی کر لیا گیا ہے' اب تو آپ خوش ہیں؟ آپ اپنی اتنی دلچسپی ردا سے قائم رکھئے اور ردا پڑھتی رہیے لیکن ساتھ ہی اپنی رائے کا اظہار بھی کیجیے۔

ارم ناز .... سکھر

سو سوئٹ ارم ناز! ردا میں شمولیت کا بے حد شکریہ۔ آپ کہانی بھیجنا چاہتی ہیں بالکل بھیجیے۔ رائٹنگ صاف اور واضح ہونی چاہیے تاکہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو' سطر چھوڑ کر لکھئے' ڈائیلاگ کو ما لگا کر لکھئے۔ آپ کہانی لکھ کر بھیجیے ہم آپ کو گائیڈ ضرور کریں گے۔

گل ثمرین .... پشاور

پیاری گل ثمرین! ناول کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ ''تم میرے ہو کے رہو'' جلد ہی آپ کا انتظار ختم کر دے گا۔ آپ کی پذیرائی ہی رائٹر کیلئے بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ ردا کی کہانیاں معاشرے کی عکاسی کرتی ہیں۔ ہمار کوشش ہے کہ گوشہ قارئین کا سلسلہ جاری رکھیں

عید الاضحیٰ کی خوشیاں آپ سمیت سب قارئین کو مبارک ہوں۔ رائٹرز تک تعریف وتنقید آپ کے خط کے ذریعے پہنچ جاتی ہے۔

شاہدہ وقار .... اسلام آباد

پیاری شاہدہ وقار! آپ کو بھی عید کی مبارکباد۔ آپ آئندہ بھی خط لکھئے۔ آپ کا حوصلہ تو اب یقیناً بڑھ گیا ہوگا؟ اعتبارِ عشق کا اختتام اچھا ہی ہوگا۔ ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ بہت سنجیدگی سے کہانیاں پڑھتی اور سمجھتی ہیں' آپ کی دلچسپی دیکھ کر بہت اچھا لگا۔

حنا مقبول .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوئٹ حنا! آپ کا ناولٹ جلد ہی لگ جائے گا' کوشش کیجیے کہ آپ چھوٹے چھوٹے افسانے بھیجتی رہیں اشاعت میں بھی کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ سلسلے وار لکھنے کیلئے اجازت تو میں دے سکتی ہوں لیکن باری آنے پر اشاعت ہوتی ہے اور سلسلے وار ناول لکھنا اتنا آسان نہیں ہے' یہ ذرا مشکل ہے لہٰذا آپ کوشش کیجیے مگر صبر کے ساتھ انتظار کیجیے گا۔ ردا آپ کا ہے اور یہ آپ ہی جیسے رائٹرز کیلئے ہے۔ آپ اقساط مکمل کر کے بھجوا دیجیے گا ہم ضرور دیکھ لیں گے۔ اگر آپ کے افسانے' ناولٹ قارئین نے پسند کیے تو یقیناً آپ کو موقع ضرور ملے گا' یہ میرا میسج سب رائٹرز کیلئے ہے۔

افشاں علی .... کراچی

سوئٹ افشاں علی! عید نمبر پر آپ کا تبصرہ بہت ہی اچھا لگا۔ قارئین کی پسندیدگی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی رائٹرز کے انٹرویو شامل کیے جاتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ آپ اس کالم کو پسند بھی کر رہی ہیں۔ آپ کا خط شامل کیا جا رہا ہے۔ اب تو آپ کو شکایت نہیں' رہی بات آپ کی بھیجی گئی تحریر کی تو آپ اور بہتر لکھنے کی کوشش کیجیے' جو کچھ بھی لکھ کر بھیجیے تحریر صاف ہو اور ڈائیلاگ الگ کوما سے واضح ہوں۔ ضرور لکھئے ہمت نہیں ہاریئے' ردا آپ کو ہمیشہ گائیڈ کرے گا اور حوصلہ افزائی بھی کرے گا۔ آپ اپنی رائے کا اظہار سندیسے میں شامل ہو کر کر سکتی ہیں۔

نوشی .... وہاڑی

پیاری نوشی! آپ نے کافی عرصے بعد سندیسے میں شرکت کی۔ آپ کی تحریر اگر ہمیں موصول ہوتی تو ہم ضرور شامل کرتے۔ کچی کلیاں آنگن کی' آپ کو جہانگیر بکس اندرون بوہر گیٹ ملتان سے مل جائے گا۔ اس کے علاوہ کراچی میں ویلکم مین اردو بازار سے مل جائے گا۔ آپ تحریریں بھیجتی رہیے ہم ضرور شامل اشاعت کریں گے۔ جن رائٹرز کے بارے میں پسندیدگی کا آپ نے اظہار کیا ہے ان کو آپ کے خط کے ذریعے میسج مل جاتا ہے۔

عفیفہ مریم .... وہاڑی

سوئٹ عفیفہ مریم! خوش رہیے' سندیسے میں شرکت کا بہت شکریہ۔ آپ ہمارے مستقل سلسلوں میں بھی شرکت کر سکتی ہیں اور ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

عبیرہ عزیز .... ٹوبہ ٹیک سنگھ

پیاری عبیرہ! عید نمبر 2 پر آپ کا تبصرہ اچھا لگا۔ سلسلے وار ناولز کی پسندیدگی کا بہت شکریہ۔ آپ ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ ہیں اور تعلیم کے ساتھ آپ لکھ

بھی رہی ہیں یہ بہت اچھی بات ہے۔ آپ کی تحریر ہمیں موصول ہو گئی ہے' اشاعت کیلئے انتظار کرنا پڑے گا' اپنا بہت خیال رکھئے۔

عائشہ ذوالفقار .... کمالیہ

پیاری عائشہ ذوالفقار! آپ کو ہم ردا میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کی تحریریں ہمیں موصول ہو گئی ہیں۔ بالکل آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے آپ اپنی یہ کوشش جاری رکھئے۔ خط لکھنے کا بہت شکریہ۔ ردا نئے لکھنے والوں کو ایک موقع ضرور دیتا ہے۔

شاہین سجاد .... صوابی

پیاری شاہین سجاد! آپ کی تحریر ہمیں موصول ہو گئی ہے۔ جہاں تک اشاعت کا سوال ہے تو تھوڑا انتظار آپ کو کرنا پڑے گا۔ آپ تحریر بھیجتی رہیں اور ردا میں لکھتی رہیں۔ ہماری دعائیں آپ سب رائٹرز کے ساتھ ہیں۔

غزالہ شہزاد .... کراچی

پیاری غزالہ شہزاد! آپ کا خط عید نمبر کے حوالے سے تھا جس میں آپ نے رائٹرز کی تحریروں کو سراہا اور آپ نے جو ریکوئسٹ کی ایسا ممکن نہیں ہے کہ اسٹوری دوبارہ شائع ہو جائے۔ خط لکھنے کا بہت شکریہ۔ آپ ردا کے ساتھ جڑی رہیں۔ شمارے آپ کو مل جائیں گے۔ اپنا بہت خیال رکھئے گا' ردا کیلئے لکھتی رہیں۔

سپاس گل .... رحیم یار خان

سوئٹ سپاس گل! میری اور ردا کے اسٹاف کی طرف سے شادی کی آپ کو بہت بہت ڈھیروں مبارکباد کے ساتھ دعائیں کہ زندگی کے اس نئے سفر میں آپ ہمیشہ ثابت قدم رہیں۔ آپ زندگی کے نئے سفر کے ساتھ ساتھ لکھنے کا سفر بھی جاری رکھئے۔ اپنا بہت خیال رکھئے' رب کریم سے دعاگو ہوں کہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں نصیب کرے' آمین۔

سائرہ غفار .... کراچی

پیاری سائرہ غفار! ردا میں شمولیت کیلئے بہت شکریہ۔ آپ کی کہانی منتخب کر لی گئی ہے۔ آپ نے خط بہت ہی مختصر لکھا۔ ردا بالکل رائٹرز کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ آپ ردا کے نمبر پر کال کر کے بات کر سکتی ہیں۔ اپنی رائے کا اظہار خط کے ذریعے کر سکتی ہیں۔

سمیرا غزل .... کراچی

پیاری سمیرا غزل! آپ جو نظمیں اور غزلیں بھیجتی ہیں وہ بہت ہی طویل ہوتی ہیں اس لیے شائع نہیں ہو سکیں۔ اگر آپ کا خط ملتا ہے تو ضرور شامل اشاعت ہو جاتا ہے۔ آپ کی تحریر جلد ہی شائع ہو جائے گی۔ آپ یونہی لکھتی رہیے ہم ضرور شامل اشاعت کریں گے۔

ثنا خان صنعا .... ملتان

سوئٹ ثنا! عید نمبر کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کا لیٹر لیٹ ملا اس لیے شائع نہیں ہو سکا۔ آپ کی تحریریں ہمارے پاس موجود ہیں باری آنے پر شائع کر دی جائیں گی۔ اپنا بہت خیال رکھیں۔ آپ کی بھیجی گئی عید اسٹوری اس ماہ ردا میں شامل اشاعت ہے۔ اب تو آپ کو شکایت نہیں ہونی چاہیے کہ آپ کی اسٹوری مس ہو گئی۔

☆☆☆

دوستوں کے نام پیغام

آپ لوگوں کی بے حد فرمائش' بے حد اصرار پر ہم آپ کیلئے ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں جس میں آپ اپنے ساتھیوں' اپنے رائٹرز' اپنے چاہنے والوں کیلئے وش کارڈ بھیج سکتی ہیں اس امید کے ساتھ کہ آپی کا یہ کالم بھی بازی لے جائے گا۔ ذرا دھیان رکھئے گا ردا ملتے ہی آپ اپنے دوستوں کے نام پیغام بھیجئے۔ نئے رائٹر بھی' پڑھنے والے قارئین بلا جھجک اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ آپ کا تعاون آپ کے ردا کو اور چاند چاند لگا دے گا۔ جلدی کیجئے ڈاک میں دیر مت کیجئے گا۔ (چیف ایڈیٹر صالحہ محمود)

قارئین! عانیہ نیازی اس بار حج پر جا رہی ہیں انہوں نے آپ سب کیلئے بہت ساری دعائیں لکھی ہیں اور ردا کیلئے خاص۔ عانیہ نیازی آپ کو ادارے کی جانب سے ڈھیروں مبارکباد۔

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود.......کراچی

☆☆☆☆☆

پیاری قمروش! آپ کو ردا اور اسٹاف کی طرف سے سالگرہ مبارک ہو۔

قارئین! قمروش کے ہاں ننھی سی پری گھر آئی ہے اس لئے میں ان لفظوں میں وش کرتی ہوں۔

"ننھی پری رتھ پہ ہو کر سوار آئی
پھولوں کی برسی پھوار
رنگوں کی بارش میں بھیگی بھیگی
گھر ننھی پری آئی
شجر اور شاخ پر پھول کھلے
پون مست چلی
پھولوں کی بوچھاڑ ہوئی
ننھے منے ہاتھوں سے
اس نے جب انگلی تھامی
جھک کر ہم نے پیار کیا
اور بہت اچھا سا نام رکھا
قمروش کی بیٹی کے نام

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود.......کراچی

☆☆☆☆☆

عریبہ! میں بالکل پوری طرح سے صحت یاب ہوں۔ میں ردا کے توسط سے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔

عفرا.......کراچی

سعد جعفری! ادارے کی جانب سے آپ کو برتھ ڈے وش کرنا چاہتی ہوں۔ میری ساری بیسٹ وشز آپ کیلئے ہیں۔

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود.......کراچی

☆☆☆☆☆

سوئٹ صالحہ آپی اینڈ ردا اسٹاف اسلام وعلیکم! پر خلوص دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ اللہ سے امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ کافی عرصے سے دل میں تہیہ کیے ہوئے تھی کہ ردا میں خط لکھوں گی مگر ہمت نہیں ہوئی۔ خط لکھنے کی وجہ میری آپی ہیں جو کہ ابھی چند دنوں پہلے ہمیں چھوڑ کر نئے گھر شفٹ ہوئی ہیں' ان کی ہمیں بہت یاد آتی ہے اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ ردا کے ذریعے عید کی مبارکباد دے کر انہیں حیران کیا جائے' تو آپی کیسا لگا میرا وش کرنے کا طریقہ۔ میری طرف سے آپ اور تمام کزنز' تمام لوگوں کو دل کی گہرائیوں سے عید کی مبارک ہو۔ اپنی آپی کیلئے دل سے ایک غزل جو کہ امید ہے آپی آپ کو پسند آئے گی۔

اس پر بہت جچتی ہے خوشی
اسے کہنا کہ مسکرایا کرے
اس کی آنکھوں میں نمی اچھی نہیں لگتی
اسے کہنا غم مجھے دے جایا کرے
یہ زندگی بہت طویل سفر ہے
اسے کہنا رستوں سے نہ گھبرایا کرے
اس کی زندگی ہمیں بہت عزیز ہے
اسے کہنا لوگوں سے خود کو بچایا کرے

فرزانہ عمر دراز.......کراچی

6 نومبر میری گلاب جامن سی میٹھی' املی سی کھٹی' اکلوتی اور پیاری سی سسٹر آسیہ کی سالگرہ ہے' اسے میں ردا کے توسط سے Happy Birthday کہوں گی اور میری دعا ہے کہ میری بہن ہمیشہ خوشی کی وادیوں میں خوش و خرم رہے۔ اللہ اس کی ہر جائز اور نیک تمنا پوری کرے (آمین) یہ شعر سوئٹ آسیہ کیلئے:

میری منزل کے جو جگنو ہیں وہ تیرے ہیں
تیری راہوں کا جو اندھیرا ہے وہ میرا ہے
چھو نہیں سکتی کوئی آفت اور پریشانی تجھے
کیونکہ تجھ پر جو دعاؤں کا پہرا ہے وہ میرا ہے

افشاں علی.......کراچی

☆☆☆☆☆

زینت کامران! کہاں غائب ہیں آپ' گھر پر بھی نہیں آتیں' شادی کے بعد بہت بدل گئی ہیں' میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔

سعدیہ عابد.......کراچی

☆☆☆☆☆

پیاری فرخ سلطانہ! آپ کی غزلیں ہمیں ملتی رہتی ہیں آپ سے ملنے کا بہت دل چاہتا ہے۔

چیف ایڈیٹر صالحہ محمود.......کراچی

☆☆☆☆☆

پیاری آمنہ خان! میں آپ کو آپ کی سالگرہ کی مبارکباد دیتی ہوں سوری میں وش کرنے میں لیٹ ہو گئی۔

ثنا خان صنعا.......ملتان

.........☆☆☆.........

باتیں صحت کی

سونف

سونف کا سائنسی نام (Foeniculum) ہے' انگریزی میں اسے Fennel اور Aniseed بھی کہتے ہیں۔ اس کو عربی میں رازیانج اور فارسی میں بادیان کہتے ہیں۔

خصوصیات:

سونف کا استعمال کثرت سے کیا جاتا ہے۔ سونف کو کھانوں کو خوشبودار بنانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ سونف خاص طور پر غذا کے روغنی اجزا ہضم کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

فوائد:

☆ معدہ کی گیس اور بلغمی مواد کو خارج کرتی ہے۔

☆ بھنی ہوئی سونف چبانے سے ثقیل کھانے آسانی سے ہضم ہوجاتے ہیں۔

☆ پیٹ کی ہر قسم کی تکلیف کے لیے پانی کے ساتھ چائے کا ایک چمچہ پسی ہوئی سونف کا استعمال بہت موثر ثابت ہوتا ہے۔

☆ سونف پیٹھ اور دانت کے درد کیلئے بہت مفید ہے۔

☆ اسکے استعمال سے گردے میں پتھری نہیں بنتی۔

☆ سانس کی نالیوں کو صاف کرتی ہے۔

☆ خوشبودار' ہاضم اور مفرح ہے۔

☆ کھانے کے بعد تھوڑی سی سونف چبانا سانس کی بو' بدہضمی' قبض اور قے سے نجات دلاتی ہے۔

☆ سونف کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے اس لئے ہاضمے کیلئے اچھی ہے۔

☆ سینے اور معدے کی جلن کے لئے بھی اس کا استعمال مفید ہے۔

انجیر

مفسرین کا خیال ہے کہ زمین پر انسان کی آمد کے بعد اس کی افادیت کیلئے سب سے پہلا درخت جو معرض وجود میں آیا وہ انجیر تھا۔ اس کے بے شمار فوائد اور خصوصیات میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

فوائد و خصوصیات:

☆ انجیر کے درخت کی چھال' پتے اور دودھ ادویہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

☆ انجیر کے ساتھ بادام ملا کر کھالیے جائیں تو یہ خطرناک زہروں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

☆ انجیر کو نہار منہ کھانا فوائد کا حامل ہوتا ہے کیونکہ یہ آنتوں کے بند کھولتی ہے۔

☆ پیٹ کی اکثر بیماریوں کو دور بھگاتی ہیں۔

☆ یہ دوسرے پھلوں کی نسبت غذائیت رکھتا ہے۔

☆ اس کا استعمال پیاس کو بجھاتی اور آنتوں کو نرم کرتی ہے۔ بلغم کو نکالتی ہے۔

☆ اس کے کھانے سے کمر کا درد جاتا رہتا ہے۔

☆ اس کے استعمال سے چہرے پر نکھار آتا ہے۔

☆ انجیر وہ منفرد دوائی ہے جو ہاضمہ کو ٹھیک کرکے صحیح کردیتی ہے۔

☆ انجیر پرانی قبض کا بہترین علاج ہے۔

☆ انجیر خون کی نالیوں میں جمی ہوئی غلاظتوں کو نکال سکتی ہے۔

ثریا اقبال

کچن

بقرعید کے پکوان

مٹن حلیم

اجزاء۔

مٹن (ہڈی کے بغیر)	1 کلو
دال چنا	آدھا پاؤ
دال مسور	آدھا پاؤ
حلیم مصالحہ	2 چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن' ادرک (پیسٹ)	1 کھانے کا چمچ
پیاز (کٹا ہوا)	3 عدد
کارن فلور	3 عدد
آئل	500 گرام
دال ماش	آدھا پاؤ
گرم مصالحہ	2 چائے کے چمچ
ہری مرچ	8 عدد
دلیہ گندم	100 گرام

ترکیب۔ مٹن کو صاف کرکے دیگچی میں ڈالیں اور لہسن کا پیسٹ بھی ڈال دیں' نمک' پیاز' سرخ مرچ' ہلدی اور تین گلاس پانی ڈال کر دیگچی چولہے پر رکھ دیں' مٹن کو پکنے دیں تیار ہونے پر نیچے اتار لیں' دالیں سب صاف کرکے پانی میں بھگو دیں' ابلنے کے لئے رکھ دیں جب ابال آنے لگے جھاگ اتار دیں اور پکنے دیں دالیں مکمل تیار ہوجائیں تو جوسر میں یا گھوٹنے والی مشین میں گرائنڈ کرلیں' اور مٹن میں شامل کردیں' دیگچی چولہے پر رکھیں' گندم کا دلیہ' گرم مصالحہ اور ہری مرچ ڈالیں' حلیم کو گاڑھا ہونے دیں' آخر میں کارن فلور آدھا کپ پانی میں حل کرکے ڈالیں اور آئل اور لہسن کا تڑکا دے دیں' مٹن حلیم کے اوپر ڈال دیں اور مزید آدھا گھنٹہ پکانے کے بعد اتار لیں۔

نہاری

اجزاء۔

بیف (بونگ)	ڈیڑھ کلو
سونٹھ	3 گرام
نمک	حسب ضرورت
سونف (پسی ہوئی)	3 گرام
تیل	ایک پاؤ
سرخ مرچ	25 گرام
زیرہ (پسا ہوا)	1 کھانے کا چمچ
ادرک' لہسن (پیسٹ)	2 کھانے کے چمچ
پیاز	آدھا پاؤ
آٹا (چکی کا)	آدھا پاؤ

جائفل' جاوتری' چھوٹی و بڑی الائچی' لونگ

6 گرام (پسے ہوئے) پپلی' پھول بادیان 6 گرام (پسے ہوئے)

ہرا دھنیا' ہری مرچ (باریک کٹی ہوئیں)

ترکیب۔ پیاز کو تیل میں لائٹ براؤن کرلیں اس کے بعد اس میں لہسن' نمک مرچ تھوڑا سا پانی اور گوشت ڈال کر بھون لیں' جب یہ مصالحہ اور گوشت تقریباً آدھا بھنا ہو جائے تو اس میں سونٹھ' سونف اور زیرہ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں' مصالحہ دانے دار ہونے پر اس میں تقریباً ایک کپ پانی ڈال کر ڈھکنا ڈھک دیں 15 منٹ تک ڈھکنا ڈھک کر پکائیں اب ایک یا ڈیڑھ گلاس پانی میں آٹے کو اچھی طرح گھول لیں کہ گٹھلی نہ بنے اس کھلے ہوئے آٹے کو بھی ہنڈیا میں ڈال دیں اور مزید ضرورت کے حساب سے پانی ڈال دیں اب ایک گھنٹے تک اس کو پکنے دیں اس کے بعد باقی 6 گرام پسے ہوئے مصالحے کو بھی ہنڈیا میں ڈال کر 15 منٹ کے لئے دم لگائیں اور اس کے بعد اتار لیں ایک گھنٹہ بعد کسی باؤل میں نکال کر اس پر ہرا مصالحہ چھڑکیں اور لیموں نچوڑ کر خمیری روٹی کے ساتھ پیش کریں۔

مصالحے دار مغز

اجزاء۔

گائے کا مغز	2 عدد
بکرے کا مغز ہو تو	4 عدد
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لہسن' ادرک (پیسٹ)	ایک کھانے کا چمچ
دہی	آدھا کپ
سرخ مرچ	آدھا کھانے کا چمچ (پسی ہوئی)
دھنیا (پسا ہوا)	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
لیموں	2 عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی (باریک کٹا ہوا)
ہری مرچ	4 عدد (باریک کٹی ہوئی)
آئل	ایک کپ

ترکیب۔ مغز کو اچھی طرح دھو کر ابال لیں اور لال رگیں صاف کرکے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں' ایک دیگچی میں آئل ڈال کر گرم کرلیں جب تیل گرم ہو جائے تو اس میں پیاز کو گولڈن براؤن کرلیں گولڈن براؤن ہونے پر پیاز آدھی نکال کر رکھ دیں' باقی پیاز میں سارے مصالحے ڈال کر بھونیں جب بھن جائے تو مغز کے ٹکڑے ڈال دیں اور دیگچی کو کپڑے سے پکڑ کر ہلائیں' چمچ بالکل نہ چلائیں جب کوکنگ آئل الگ ہونے لگے تو ہرا مصالحہ ڈال دیں اور لیموں کا رس چھڑک دیں' آدھی بچی ہوئی پیاز ڈال کر گرما گرم چپاتیوں کے ساتھ پیش کریں۔

مٹن یا بیف کڑاہی

اجزاء۔

گوشت (مٹن یا بیف)	ایک کلو
لہسن (پیسٹ)	2 چائے کے چمچ
ادرک (باریک کاٹ لیں)	ڈیڑھ انچ کا ٹکڑا
مکھن	4 اونس
تیل	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچ
سفید مرچ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچ

دہی	آدھا کپ
ٹماٹر	2 عدد
بڑی الائچی	4 عدد (باریک پیس لیں)
چھوٹی الائچی	8 عدد (باریک پیس لیں)
گرم مصالحہ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچ
تیل	ایک کپ

ترکیب۔ گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کرکے اس کو ڈیڑھ کلو پانی میں ڈال دیں ساتھ ہی پسا ہوا لہسن بھی ڈال دیں پھر اس میں نمک اور ادرک بھی شامل کرکے پکنے کے لئے رکھ دیں جب گوشت میں بالکل تھوڑا سا پانی رہ جائے تو اس کو چھان کر اس میں سے پانی الگ کرلیں۔ اب ایک کڑاہی میں چار اونس مکھن اور آدھا کپ تیل ڈال دیں اور ساتھ ہی گوشت بھی ڈال دیں' 1/4 کپ کٹی ہوئی ادرک تھوڑا سا لہسن اور دس بارہ ہری مرچیں کاٹ کر ڈال دیں اب نمک' سرخ مرچ پاؤڈر' سفید مرچ پاؤڈر بھی ڈال دیں ساتھ آدھا کپ دہی بھی پھینٹ کر ڈالیں جب دہی خشک ہو جائے تو دو ٹماٹروں کو آٹھ آٹھ ٹکڑے کرکے ڈالیں اب پسی ہوئی چھوٹی الائچی اور بڑی الائچی گوشت میں ڈال دیں ایک چائے کا چمچ گرم مصالحہ پاؤڈر ڈال دیں اتنا بھونیں کہ تیل چھوڑنے لگے (کنارے جلنے لگیں تو پانی کا چھینٹا دے دیں) ہرا دھنیا ڈال کر چولہا بند کردیں اور کڑاہی سمیت گرما گرم پیش کریں' تنوری روٹی کے ساتھ بہت مزے دار ہوگی۔

تکہ بوٹی

اجزاء

گوشت (بغیر ہڈی کا دستی کا)	آدھا کلو
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
ادرک' لہسن (پیسٹ)	ایک کھانے کا چمچ
دہی	ایک چھٹانک
نمک' سرخ مرچ	حسب ذائقہ
سوکھا دھنیا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
تیل	ایک کپ

ترکیب۔ گوشت کے ایک ایک انچ کے چوکور مربع ٹکڑے کٹوالیں گوشت ابال کر نیم گلالیں اور پانی خشک کرکے اتار لیں (پانی اتنا ہی ڈالیں جو مناسب ہو) سب مصالحے پیس کر دہی میں ملا دیں' گوشت کے ٹکڑے ٹھنڈے ہو جائیں تو ان پر یہ دہی لگا دیں' اب یہ ٹکڑے سلاخوں پر پرو دیں اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر سینک کر سرخ کرلیں' ساتھ ساتھ تھوڑا تھوڑا سا گھی ٹپکاتے جائیں جب وہ کوئلوں پر گرتا ہے اور اس کا دھواں تکوں کو لگتا ہے تو بہت مزے دار ہو جاتے ہیں' کٹی ہوئی پیاز کے لچھوں اور لیموں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں۔

تندوری تکے

اجزاء۔

گوشت کے پارچے	ایک کلو
پیاز	آدھا کلو
دہی	آدھا کلو
تیل	ایک پاؤ
کچا پپیتہ	آدھا پاؤ

زیرہ، تل، خشخاش	ایک چھٹانک
بھنے ہوئے چنے	ایک پاؤ
لہسن (پیسٹ)	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب۔ پیاز کے باریک لچھے کاٹ لیں پھر اسے تھوڑے سے تیل میں تل کر نکال لیں اب تمام مصالحے بھی اس طرح تیل میں تل کر نکال لیں اور انہیں پیاز کے ساتھ سل پر باریک پیس لیں پھر اس میں پہلے پپیتا پیس کر ملائیں پھر پیاز کو مصالحے میں شامل کر کے اس مرکب کو خوب اچھی طرح ملیں تا کہ یہ یکجان ہو جائیں اب پسی ہوئی ادرک، نمک، لہسن اور پھینٹی ہوئی دہی اس میں شامل کر دیں اور یہ تمام مصالحہ گوشت میں اس طرح ملیں کہ بوٹیاں پوری طرح لتھڑ جائیں انہیں تین چار گھنٹے پڑا رہنے دیں پھر انہیں بیکنگ ٹرے میں سجا کر ڈھک دیں اور اوون یا تندور میں دم پر لگا دیں کچھ دیر بعد اس ڈھکن کو اٹھا کر تکوں کو دیکھتی رہیں جب یہ سرخ ہو جائیں تو ٹرے اوون سے نکال لیں گرم گرم پراٹھوں سے نوش فرمائیں۔

قیمہ کے کٹلس

اجزاء

قیمہ (باریک)	ایک کلو
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	ایک گٹھی
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد بڑی
ڈبل روٹی کا چورا	ایک کپ
آلو (ابلے ہوئے)	ڈیڑھ کلو
ہری مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
انڈے	2 عدد
کوکنگ آئل فرائی کے لئے	حسب ضرورت

ترکیب۔

سب سے پہلے آلو ابال لیں جب آلو اچھی طرح گل جائیں تو ان کا چھلکا اتار کر کاٹنے کے ساتھ بھرتہ بنا لیں ایک دیگچی میں ایک کھانے کا چمچ تیل ڈال کر اس میں قیمہ اور سارا مصالحہ ڈال دیں جب قیمے کا پانی خشک ہو جائے تو تھوڑا سا بھون کر اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے دیں پھر تھوڑے سے آلو لے کر اس کو پھیلا دیں اب اس میں تھوڑا تھوڑا قیمہ بھر کر کٹلس بنا لیں انڈا لگا کر بریڈ کرمز لگائیں اور ہلکی آنچ پر فرائی کریں قیمہ کے کٹلس تیار ہیں۔

چانپ گریوی

اجزاء

چانپ	آدھا کلو
ادرک	ایک چائے کا چمچ
لہسن	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ	10 سے 12 عدد
پپیتا	ایک کھانے کا چمچ
گوشت گلانے کا پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ

فرائی کے لئے۔

انڈے	2 عدد
بریڈ کرمب	حسب ضرورت
تیل	آدھا کپ

گریوی کے لئے۔

دہی	آدھا پاؤ
لال پیاز	آدھا کپ

تیل	آدھا کپ
ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
زیرہ	آدھا چائے کا چمچ (ثابت)
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
آلو	ایک بڑا (ابلا ہوا)
پیاز	2 عدد (درمیانے)
ٹماٹر	2 (درمیانے)
لیموں	1 عدد
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ (پسی ہوئی)

ترکیب۔ پہلے کالم میں دی گئی ساری چیزیں چانپ میں لگا کر صبح سے رکھ دیں۔ سالن بناتے وقت چانپ کو کوٹ کوٹ کر پھیلائیں بہت سارا بریڈ کرمب لگا کر سیٹ کریں اور انڈے کو اچھی طرح پھینٹ کر کے چانپ پر لگا کر توے پر فرائی کر لیں پھر تیل گرم کر کے دوسرے کالم میں دی گئی ساری چیزیں ڈال کر بھونیں۔ فرائی چانپ گریوی میں رکھیں اور پر آلو، پیاز، ٹماٹر گول گول موٹا کاٹ کر شامل کریں نمک، کالی مرچ، لیموں کا رس اور دم پر رکھ دیں۔ نوٹ خوشبو آنے پر آنچ بند کر دیں اور گرم گرم سرو کریں۔

کھٹا میٹھا گائے کا گوشت

اجزاء

بیف۔ 350 گرام (1x1½ کے ٹکڑوں میں کٹا ہوا)	
کارن فلور	2 چائے کے چمچ
انڈے	2 عدد
ہری پیاز	2 عدد
لہسن	2 جوئے
نمک	حسب ذائقہ
لال شملہ مرچ	1 عدد
سبز شملہ مرچ	1 عدد
انناس	450 گرام والا ایک ڈبہ

سویٹ اینڈ ساور ساس کے لئے اجزاء۔

سرکہ	آدھا کپ
ٹماٹو کیچپ	3/4 کپ
چینی	آدھا کپ
کارن فلور	2 کھانے کے چمچ
چکن (یخنی)	1 کپ
سویا ساس	2 کھانے کے چمچ
نمک	آدھا چائے کا چمچ

(سب کو ملا لیں اور پکا کر گاڑھا کریں)

ترکیب۔ بیف کے ٹکڑوں پر نمک لگا کر رکھ دیں پھر انڈوں میں ڈبو ڈبو کر کارن فلور میں رول کر کے ڈیپ فرائی کر لیں (اگر گوشت عمدہ ہو گا تو اتنا تلنے سے ہی گل جائے گا) مرچوں کو چوکور ایک انچ کے ٹکڑوں میں کاٹ لیں اور ہری پیاز کو بھی لمبا کاٹ لیں، ایک کڑاہی میں دو کھانے کے چمچ تیل گرم کر کے لہسن اور مرچیں و پیاز ہلکا سا فرائی کریں پھر انناس کے ٹکڑے بھی شامل کر دیں، کھٹی میٹھی چٹنی کے اجزاء ایک پیالے میں گھول کر سبزیوں پر ڈال دیں اور پکا کر گاڑھا کر لیں، گوشت کے فرائی شدہ ٹکڑے شامل کر کے دو منٹ مزید پکائیں اب آنچ سے اتار لیں۔

☆☆☆☆☆☆

شہلا مشائق

سنگھار

رنگت نکھاریئے

☆ نمک ملے پانی سے منہ دھونے سے رنگ نکھر آتا ہے۔ بادام کی گریاں بغیر چھلے کسی مٹی کے کھردرے برتن پر رگڑیں اور ان میں تھوڑی سی بالائی ملا کر چہرے پر ملیں ایک گھنٹہ بعد کسی اچھے صابن سے منہ دھولیں' بادام روغن کو پانی میں پھینٹ کر چہرے پر لیپ کرنے سے رنگ نکھرتا ہے۔

☆ زیتون کے خالص تیل میں چند قطرے لیموں کا رس ملا کر چہرے پر مساج کریں۔ شہد نیم گرم پانی میں ملا کر روزانہ پئیں۔

☆ انڈے کی سفیدی میں چنے کی دال باریک پیس کر کریم بنالیں اور چہرے پر ملیں' دس منٹ بعد چہرہ دھولیں۔

☆ شکر کے شربت میں لیموں کا رس نچوڑ کر پینے سے رنگ نکھرتا ہے۔

☆ رات کو سونے سے پہلے دودھ میں زیتون کا تیل ڈال کر پینے سے رنگ نکھرتا ہے۔

☆ لیموں کے عرق میں ملتانی مٹی پیس کر چہرے پر لیپ کریں۔

☆ گلسرین میں آدھا لیموں کا رس نچوڑ کر چہرے پر ملیں' آدھے گھنٹے بعد بیسن سے منہ دھولیں۔

☆ بالائی میں چند قطرے لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لگائیں ہر روز گاجر کا جوس پئیں۔

☆ خوراک میں پھلوں کا استعمال زیادہ کرنے سے بھی انسان کے چہرے پر رونق آجاتی ہے۔

☆ پانی زیادہ پینے سے بھی چہرہ شاداب رہتا ہے۔ بیسن میں دودھ یا بالائی ملا کر اسے آہستہ آہستہ کچھ دیر چہرے پر رگڑیں' چند منٹ بعد منہ دھولیں صابن کا استعمال نہ کریں' چہرہ ملائم اور خوبصورت ہوجائے گا۔

☆ لیموں کا رس آدھی چھٹانک' سفید گلسرین ایک چھٹانک' گلاب کا عرق آدھا چھٹانک' ہائیڈروجن پرآکسائیڈ اور بورک پاؤڈر آدھا آدھا ماشہ ان سب اشیاء کو یک جان کر کے کسی صاف شیشی میں محفوظ کرلیں اور رات کو سوتے وقت منہ دھو کر خشک کر کے چہرے پر لگائیں اور صبح منہ دھولیں یہ رنگت نکھرنے کے علاوہ منہ کی خشکی بھی دور کردے گا۔

☆ انڈے کی سفیدی ایک چمچ' لیموں کا رس ایک چمچ' بادام روغن چند قطرے ان سب کو خوب اچھی طرح ملالیں اور اسے چہرے پر ملیں' خشک ہونے پر نیم گرم پانی سے منہ دھولیں۔